فتاویٰ امن پوری

Part 676-700

مصنف

شیخ غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

حفظہ اللہ

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۷۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ **سیدنا سہل بن حنیف** رضی اللہ عنہ **سے مروی ہے:**

مَرَرْنَا بِسَيْلٍ فَدَخَلْتُ فَاغْتَسَلْتُ فِيهِ فَخَرَجْتُ مَحْمُومًا فَنُمِيَ ذٰلِكَ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : مُرُوا أَبَا ثَابِتٍ يَتَعَوَّذُ قَالَتْ : فَقُلْتُ : يَا سَيِّدِي وَالرُّقٰى صَالِحَةٌ؟ فَقَالَ : لَا رُقْيَةَ إِلَّا فِي نَفْسٍ أَوْ حُمَةٍ أَوْ لَدْغَةٍ .

''ہم ایک ندی کے قریب سے گزر رہے تھے، میں نے اس میں غسل کیا، باہر نکلا، تو مجھے بخار ہو چکا تھا۔ چنانچہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی گئی، فرمایا: ابو ثابت سے کہیں کہ وہ (دم کے ذریعے) اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں۔ میں نے عرض کیا: میرے سردار! کیا دم کارآمد ہوتے ہیں؟ فرمایا: نظر، بخار اور زہریلی شے کے ڈسنے پر دَم ہے۔''

(سنن أبي داود : 3888)

جواب: سند ضعیف ہے۔ عثمان بن حکیم کی دادی رباب مجہولہ ہے۔

فائدہ:

یہ روایت ایک اور سند کے ساتھ آئی ہے، یہ روایت ثابت ہے۔

❁ **ابواُمامہ بن سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:**

اغْتَسَلَ أَبِي سَهْلُ بْنُ حُنَيْفٍ بِالْخَرَّارِ، فَنَزَعَ جُبَّةً كَانَتْ عَلَيْهِ، وَعَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ يَنْظُرُ، قَالَ : وَكَانَ سَهْلٌ رَجُلًا أَبْيَضَ حَسَنَ الْجِلْدِ، قَالَ : فَقَالَ لَهٗ عَامِرُ بْنُ رَبِيعَةَ : مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ، وَلَا جِلْدَ عَذْرَاءَ، قَالَ : فَوُعِكَ سَهْلٌ مَكَانَهٗ، وَاشْتَدَّ وَعْكُهٗ، فَأُتِيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأُخْبِرَ أَنَّ سَهْلًا وُعِكَ، وَأَنَّهٗ غَيْرُ رَائِحٍ مَعَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَأَتَاهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخْبَرَهٗ سَهْلٌ بِالَّذِي كَانَ مِنْ شَأْنِ عَامِرٍ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : عَلَامَ يَقْتُلُ أَحَدُكُمْ أَخَاهُ، أَلَّا بَرَّكْتَ، إِنَّ الْعَيْنَ حَقٌّ، تَوَضَّأْ لَهٗ، فَتَوَضَّأَ لَهٗ عَامِرٌ، فَرَاحَ سَهْلٌ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ .

''میرے والد گرامی سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ خرار میں غسل کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے جبہ اتارا، اسی اثنا میں سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے۔ سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ گورے اور خوبصورت رنگت والے تھے، سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ نے انہیں کہا: میں نے آج تک اتنا خوبصورت جسم کسی کنواری کا بھی نہیں دیکھا۔ تو سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو اسی وقت بخار چڑھ گیا اور بخار شدید

سے شدید ہو گیا، تو رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور بتایا کہ اللہ کے رسول! سہل رضی اللہ عنہ کو بخار ہو گیا ہے اور وہ اب آپ کے ساتھ (سفر پر) جانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے، تو سہل رضی اللہ عنہ نے عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کی ساری بات گوش گزار کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ میں سے کوئی شخص اپنے بھائی کو کیوں قتل کرنا چاہتا ہے؟ (اے عامر!) بھلا آپ نے برکت کی دعا کیوں نہ کی (بارک اللہ فیک کیوں نہ کہا) کیونکہ نظر برحق ہے۔ لہٰذا اب سہل کے لیے وضو کیجئے۔ عامر رضی اللہ عنہ نے سہل رضی اللہ عنہ کے لیے وضو کیا، (وضو کا پانی سہل رضی اللہ عنہ پر بہایا گیا، جس سے انہیں آفاقہ ہو گیا۔) تو سیدنا سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ (سفر پر) روانہ ہو گئے۔''

(موطأ الإمام مالك : 938/2، جامع ابن وهب : 641، السّنن الكبرىٰ للنّسائي : 7570، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (٦١٠٥) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

سوال: جس کی عقل قائم نہ ہو، اس کی طلاق کا کیا حکم ہے؟

جواب: عقل زائل ہونے کی مختلف صورتیں ہیں؛

① جنون اور پاگل پن کی وجہ سے ② نیند کی وجہ سے۔

③ نشہ کی وجہ سے۔ وغیرہ

جنون اور نیند میں عقل قائم نہ ہو، تو اس میں سرزد ہونے والا کوئی فعل معتبر نہیں ہوتا، ایسا شخص مکلّف نہیں ہوتا، اس کا کوئی عمل نہیں لکھا جاتا، لہٰذا اگر مجنون آدمی حالت جنون میں

اور سویا ہوا شخص نیند کے دوران بیوی کو طلاق دے دے، تو اس کی طلاق واقع نہ ہوگی، اس پر کتاب وسنت کے عمومی دلائل ہیں، نیز اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔

نشے کی وجہ سے عقل زائل ہونے میں تفصیل ہے؛

① اگر اس نے انجانے میں نشہ پیا، یا اسے نشہ پینے پر مجبور کر دیا گیا اور وہ مدہوش ہو گیا، تو اس حالت میں اس کا کوئی عمل معتبر نہیں، یہ بھی مجنون اور پاگل کے حکم میں ہے۔ اس طرح کی نشہ میں دی گئی طلاق بھی معتبر نہیں، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔

② اگر اس نے جان بوجھ کر اپنی مرضی سے نشہ پیا ہے اور مدہوش ہو گیا، تو اس حالت میں دی گئی طلاق میں اختلاف ہے۔

راجح قول کے مطابق اس کی طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ اس نے اگرچہ نشہ کر کے حرام فعل کا ارتکاب کیا ہے، مگر اس حالت میں اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔

یاد رہے کہ اگر نشہ کی حالت اتنی ہے، کہ اس کی عقل قائم ہے اور وہ اپنے فعل پر اختیار رکھتا ہے، اس کو یہ معلوم ہے کہ اس کے سر سے کیا بات نکل رہی ہے، تو ایسی حالت میں دی گئی طلاق واقع ہو جائے گی، کیونکہ نشہ سے اس کی عقل زائل نہیں ہوئی، اب وہ جو بھی فعل انجام دے رہا ہے، اپنی مرضی سے دے رہا ہے۔

❁ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الْقَلَمَ قَدْ وُضِعَ عَنْ ثَلاثَةٍ عَنِ الْمَجْنُونِ حَتّٰى يَفِيقَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَعْقِلَ وَعَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ .

”تین آدمی مرفوع القلم ہیں (۱) مجنون، جب تک سمجھدار نہ ہو جائے۔ (۲) بچہ، جب تک سن شعور (بلوغت) کو نہ پہنچ جائے (۳) سویا ہوا آدمی، جب تک

بیدار نہ ہو جائے۔‘‘

(مسند عليّ بن الجَعد : ٧٤١، وسندهٗ صحيحٌ)

۞ **علامہ ماوردی شافعی رحمہ اللہ (۴۵۰ھ) فرماتے ہیں:**

لَا اخْتِلَافَ بَيْنَ الْفُقَهَاءِ أَنَّ الْمَجْنُونَ وَالْمُغْمٰى عَلَيْهِ وَالنَّائِمَ لَا يَقَعُ طَلَاقُهُمْ وَلَا يَصِحُّ ظِهَارُهُمْ فَأَمَّا السَّكْرَانُ فَلَهٗ حَالَتَانِ؛ إِحْدَاهُمَا : أَنْ يَكُونَ سُكْرُهٗ مِنْ غَيْرِ مَعْصِيَةٍ كَمَنْ شَرِبَ شَرَابًا ظَنَّهٗ غَيْرَ مُسْكِرٍ فَكَانَ مُسْكِرًا أَوْ أُكْرِهَ عَلٰى شُرْبِ الْمُسْكِرِ أَوْ شَرِبَ دَوَاءً فَأَسْكَرَهٗ فَهٰذَا كَالْمُغْمٰى عَلَيْهِ فِي أَنْ لَا يَقَعَ طَلَاقُهٗ وَلَا يَصِحَّ ظِهَارُهٗ.

وَالْحَالَةُ الثَّانِيَةُ : أَنْ يَكُونَ سُكْرُهٗ بِمَعْصِيَةٍ وَهُوَ أَنْ يَقْصِدَ شُرْبَ الْمُسْكِرِ فَيَسْكَرُ، فَقَدِ اخْتَلَفَ النَّاسُ فِي طَلَاقِهٖ وَظِهَارِهٖ.

’’اس میں فقہا کے مابین کوئی اختلاف نہیں کہ مجنون، بے ہوش اور سوئے ہوئے شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی، نہ اس دوران ان کا ظہار معتبر ہوتا ہے۔ رہا نشئی، تو اس کی دو حالتیں ہیں؛

① یہ کہ اس کا نشہ گناہ کی وجہ سے نہ ہو، جیسے کسی شخص نے کوئی مشروب یہ سمجھ کر پیا کہ یہ نشہ نہیں ہے، مگر وہ نشہ آور تھا یا اسے نشہ پینے پر مجبور کر دیا گیا یا اس نے کوئی دوا پی، جس سے اسے نشہ آ گیا، تو ایسا شخص بے ہوش آدمی کے حکم میں ہے، اس کی طلاق واقع نہ ہو گی، نہ اس کا ظہار معتبر ہو گیا۔

② اس کا نشہ گناہ کی وجہ سے ہو، جیسے کوئی شخص جان بوجھ کر شراب پینے کا قصد کرے اور اسے نشہ چڑھ جائے، تو ایسے شخص کی طلاق اور ظہار کے واقع ہونے میں اہل علم کا اختلاف ہے (راجح قول کے مطابق اس کی طلاق بھی واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں، از ناقل)۔''

(الحاوِي الكبير : 10/419)

سوال: نماز عید کے لیے اذان اور اقامت کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز عید کی اذان یا اقامت نہیں ہے۔ عہد نبوی اور عہد صحابہ میں کسی نے کبھی عید کے لیے اذان یا اقامت نہیں کہی۔ لہٰذا اگر کوئی نماز عید کے لیے اذان کہے یا اقامت کا اجراء کرے، تو یہ بدعت ہے۔

❀ امام مالک بن انس رحمہ اللہ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهُ سَمِعَ غَيْرَ وَاحِدٍ مِّنْ عُلَمَائِهِمْ يَقُولُ : لَمْ يَكُنْ فِي عِيدِ الْفِطْرِ وَلَا فِي الْأَضْحٰى نِدَاءٌ، وَلَا إِقَامَةٌ، مُنْذُ زَمَانِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْيَوْمِ، قَالَ مَالِكٌ : وَتِلْكَ السُّنَّةُ الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا عِنْدَنَا .

''انہوں نے مدینہ کے کئی ایک علما کو فرماتے ہوئے سنا کہ عہد نبوی سے لے کر آج تک عید الفطر اور عید الاضحیٰ میں اذان اور اقامت نہیں کہی گئی۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ سنت (ترکیہ) ہے، ہم اہل مدینہ کے ہاں اس میں کوئی اختلاف نہیں۔''

(الموطأ :1/177)

نمازِ عید کے لیے مختلف طریقوں سے اعلان کیا جا سکتا ہے، مگر اذان یا اقامت نہیں۔

(سوال): طواف کعبہ کا آغاز کہاں سے ہوگا؟

(جواب): طواف کعبہ کا آغاز حجر اسود سے ہوگا اور ایک چکر بھی حجر اسود پر مکمل ہوگا۔ اسی طرح سات چکر ہیں۔

❁ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ أَتَى الْحَجَرَ فَاسْتَلَمَهٗ ثُمَّ مَضٰى عَلٰى يَمِينِهٖ فَرَمَلَ ثَلَاثًا وَّمَشٰى أَرْبَعًا .

''رسول اللہ ﷺ جب مکہ آئے، تو حجر اسود کے پاس آ کر اسے بوسہ دیا، پھر دائیں طرف چلتے ہوئے تین چکروں میں رمل (تیز تیز چلنا) کیا اور چار چکروں میں معمول کے مطابق چلے۔''

(صحیح مسلم : 1218، المنتقٰی لابن الجارود : 454)

❁ امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

لَا اخْتِلَافَ أَنَّ حَدَّ مَدْخَلِ الطَّوَافِ مِنَ الرُّكْنِ الْأَسْوَدِ وَأَنَّ إِكْمَالَ الطَّوَافِ إِلَيْهِ .

''اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ طواف کا آغاز حجر اسود سے کیا جائے گا اور طواف کی تکمیل بھی حجر اسود پر ہوگی۔''

(الأمّ : 185/2)

(سوال): کیا ہر پھل میں زکوۃ ہے؟

(جواب): ہر طرح کے پھلوں کی پیداوار میں عشر یا زکوۃ نہیں، بلکہ انہی پھلوں میں

زکوۃ ہے، جن پر نص قائم ہو چکی ہے۔

❀ امام مالک بن انس رحمہ اللہ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

اَلسُّنَّةُ الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا عِنْدَنَا، وَالَّذِي سَمِعْتُ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، أَنَّهٗ لَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنَ الْفَوَاكِهِ كُلِّهَا صَدَقَةٌ؛ الرُّمَّانِ، وَالْفِرْسِكِ وَالتِّينِ، وَمَا أَشْبَهَ ذٰلِكَ .

''وہ عمل جس میں ہمارے ہاں اختلاف نہیں اور میں نے اہل علم سے بھی یہی سنا ہے کہ ہر ایک پھل میں زکوٰۃ نہیں ہے، جیسے انار، آڑو، انجیر اوران جیسے دیگر پھل (مخصوص اور منصوص پھلوں میں عشر ہے)۔''

(الموطأ: 276/1)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ، زَوَّجَهَا إِيَّاهُ النَّجَاشِيُّ، وَأَمْهَرَهَا أَرْبَعَةَ آلَافٍ، وَّجَهَّزَهَا مِنْ عِنْدِهٖ، وَبَعَثَ بِهَا مَعَ شُرَحْبِيلَ ابْنِ حَسَنَةَ، وَلَمْ يَبْعَثْ إِلَيْهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَيْءٍ، وَّكَانَ مَهْرُ نِسَائِهٖ أَرْبَعَمِائَةِ دِرْهَمٍ .

''جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے شادی کی، تو وہ حبشہ کے علاقے میں تھیں، نجاشی نے ان کا نکاح آپ ﷺ سے کر دیا اور اپنے پاس سے انہیں چار ہزار

(درہم) مہر اور جہیز دیا اور انہیں شرحبیل بن حسنہ کے ساتھ (نبی کریم ﷺ کے پاس) بھیج دیا، رسول اللہ ﷺ نے ان (ام حبیبہ) کی طرف کوئی چیز نہیں بھیجی اور آپ کی (باقی) بیویوں کا مہر چار سو درہم تھا۔“

(مسند الإمام أحمد : 427/6، سنن أبي داوٗد : 2086، سنن النّسائي : 3352، المنتقٰی لابن الجارود : 713، 714)

جواب: سند ضعیف ہے۔ زہری عنعنہ ہے۔

دراصل یہ زہری کی مرسل ہے، اس کا موصول ہونا خطا ہے۔

❀ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْمُرْسَلُ أَشْبَهُهَا بِالصَّوَابِ .

”اس روایت کا مرسل ہونا ہی راجح ہے۔“

(العِلَل : 281/15)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

هَاجَرَ عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ جَحْشٍ بِأُمِّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ، وَهِيَ امْرَأَتُهٗ إِلٰى أَرْضِ الْحَبْشَةِ، فَلَمَّا قَدِمَ أَرْضَ الْحَبْشَةِ تَنَصَّرَ، فَلَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ أَوْصٰى إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَزَوَّجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُمَّ حَبِيبَةَ بِنْتَ أَبِي سُفْيَانَ، وَبَعَثَ مَعَهَا النَّجَاشِيُّ شُرَحْبِيلَ بْنَ حَسَنَةَ، فَأَهْدَاهَا إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

”عبید اللہ بن جحش نے اُم حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی، سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا عبید اللہ بن جحش کی بیوی تھیں، جب عبید اللہ حبشہ پہنچے، تو نصرانی ہو گئے، چنانچہ جب عبید اللہ کی وفات کا وقت آیا، تو اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وصیت کی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ اُم حبیبہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کر لیا، نجاشی نے اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ شرحبیل بن حسنہ کو روانہ کیا، تو اس نے سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کر دیا۔“

(مَعرفة الصّحابة لابن منده، ص 952)

جواب: روایت ضعیف ہے۔ زہری کا عنعنہ ہے۔

ظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عبید اللہ بن جحش کے مرتد ہو کر نصرانی ہونے کے الفاظ زہری کا ادراج ہیں، واللہ اعلم!

❁ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

كَانَتْ فِيمَنْ هَاجَرَ إِلٰى أَرْضِ الْحَبَشَةِ مَعَ زَوْجِهَا عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ، فَتَنَصَّرَ هُنَاكَ وَمَاتَ .

”سیدہ اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا نے اپنے خاوند عبید اللہ بن جحش کے ہمراہ حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی، عبید اللہ وہاں جا کر نصرانی ہو گیا اور مر گیا۔“

(طبقات ابن سعد :208/1)

سند باطل ہے۔

① محمد بن عمر واقدی متروک و کذاب ہے۔

② روایت مرسل ہے۔ جس طریق میں موصول بیان کی گئی ہے، اس میں واقدی کے ساتھ ساتھ مبہم راوی بھی ہے۔

سوال: جس طرح دنیا میں دو مسلمان کبھی کبھار ناراض ہو جاتے ہیں، کیا جنت میں بھی ایسا ہو گا؟

جواب: جنت میں کوئی کسی سے ناراض نہ ہوگا، نہ کسی کا کسی سے اختلاف ہوگا۔ بلکہ دنیا میں جن مسلمانوں کے مابین اختلافات اور رنجشیں رہی ہوں گی، اللہ تعالیٰ انہیں بھی ختم کر دے گا اور دونوں کے دل ایک دوسرے کے بارے میں پاک صاف ہو جائیں گے، سبھی جنت میں بھائی بھائی بن کر رہے گے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ﴾(الحِجَر : ٤٧)

”ہم اہل جنت کے دلوں سے کینہ وبغض نکال باہر پھینکیں گے، وہ سب بھائی بھائی بن کر تختوں پر آمنے سامنے براجمان ہوں گے۔“

❀ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ وَلَا تَبَاغُضَ، قُلُوبُهُمْ قَلْبٌ وَّاحِدٌ، يُسَبِّحُونَ اللّٰهَ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا.

”جنتیوں کے درمیان نہ کوئی اختلاف ہوگا، نہ بغض، بلکہ وہ ایک دل ہوں گے، صبح وشام اللہ کی تسبیح پکاریں گے۔“

(صحيح البخاري : 3245، صحيح مسلم : 2834)

سوال: کیا غلام کو شادی کرنے کے لیے اپنے آقا سے اجازت لینا ضروری ہے؟

جواب: غلام اپنے آقا کی ملکیت ہے، وہ اپنے آقا سے اجازت لیے بغیر نکاح نہیں کرسکتا، اگر وہ بغیر اجازت نکاح کر لے، تو وہ نکاح باطل ہے۔

❀ **امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

لَا يَجُوزُ لِلْعَبْدِ الْبَتَّةَ أَنْ يَتَزَوَّجَ بِغَيْرِ إِذْنِ مَوْلَاهُ، لَا اخْتِلَافَ فِيهِ .

”کسی غلام کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔“

(مسائل حرب الكرماني :281/1)

سوال: حیض کی مدت کیا ہے؟

جواب: ایام حیض کی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ مدت متعین نہیں، اس کا انحصار فطرت و عادت پر ہے۔ بعض لوگ ماہواری کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن بتاتے ہیں، یہ بے دلیل ہے۔ اس متعلق مروی روایات ضعیف و غیر ثابت ہیں۔

❀ **علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں:**

أَقَلُّ مُدَّةِ الْحَيْضِ وَأَكْثَرُهَا مُخْتَلِفَةٌ عِنْدَ الْأَئِمَّةِ، وَلَيْسَ حَدِيثٌ قَوِيٌّ عِنْدَ أَحَدٍ، إِلَّا أَنَّ الْأَحْنَافَ عِنْدَهُمْ ضِعَافٌ أَيْضًا، وَلَا هِيَ عِنْدَ الشَّوَافِعِ .

”حیض کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہے، اس بارے میں کسی کے ہاں کوئی مضبوط اور قوی روایت نہیں، البتہ احناف کے پاس اپنے مؤقف پر ضعیف روایات ہیں، مگر شوافع کے پاس وہ

بھی نہیں۔‘‘

(الأمالي على سنن أبي داود :396/1)

تنبیہ:

حیض کی زیادہ سے زیادہ پندرہ دن مدت ہونے پر کوئی روایت نہیں۔

۞ علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ (۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ نَعْلَمْ فِيهِ حَدِيثًا حَسَنًا وَلَا ضَعِيفًا .

’’ہمارے علم کے مطابق پندرہ دن مدت حیض ہونے پر کوئی حسن یا ضعیف حدیث نہیں ہے۔‘‘

(فتح القدير :163/1)

سوال: درج ذیل عبارت پر تبصرہ مطلوب ہے؟

۞ علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

كَانَ الْحَافِظُ أَبُو جَعْفَرِ ابْنُ جَرِيرٍ الطَّبَرِيُّ يَقُولُ : إِنَّ أَحْمَدَ لَيْسَ بِفَقِيهٍ، بَلْ هُوَ مُحَدِّثٌ فَقَطْ .

’’حافظ ابوجعفر ابن جریر طبری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فقیہ نہیں ہیں، وہ تو فقط محدث ہیں۔‘‘

(الأمالي على سنن أبي داود :411/1)

جواب: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بارے میں ایسا کوئی قول امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ سے نہیں ملا۔ معلوم نہیں کہ علامہ کشمیری صاحب کے مدنظر امام طبری رحمہ اللہ کی کون سی عبارت ہے؟

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کے چوٹی کے امام ہیں، آپ رحمہ اللہ عقیدہ، حدیث، علل حدیث، رجال اور فقہ میں اپنی مثال آپ تھے۔

یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی فقاہت کی نفی کر دی جائے۔ یہ شدید تعصب اور جہالت پر مبنی بات ہے۔

❁ علامہ ابو الوفاء علی بن عقیل رحمہ اللہ (۵۱۳ھ) فرماتے ہیں:

مِنْ عَجِيْبِ مَا سَمِعْتُهٗ عَنْ هٰؤُلَاءِ الْأَحْدَاثِ الْجُهَّالِ أَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ: أَحْمَدُ لَيْسَ بِفَقِيْهٍ، لٰكِنَّهٗ مُحَدِّثٌ، وَهٰذَا غَايَةُ الْجَهْلِ.

''ایک عجیب وغریب بات، جو میں نے ان کورے جاہلوں سے سنی ہے، کہتے ہیں: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فقیہ نہیں تھے، بس محدث تھے۔ یہ انتہا کی جہالت ہے۔''

(مَناقب الإمام أحمد لابن الجوزي، ص 80)

سوال: کیا مسجد میں ہوا خارج کرنا ممنوع ہے؟

جواب: مسجد میں ہوا خارج کرنا ناجائز اور حرام نہیں۔ البتہ اجتناب بہتر ہے، کیونکہ بد بو سے جہاں انسان اذیت محسوس کرتے ہیں، وہاں فرشتے بھی اذیت پاتے ہیں۔ اسی طرح دیگر بد بودار اشیا کو مسجد میں داخل کرنا بھی درست نہیں۔

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَكَلَ الْبَصَلَ وَالثُّوْمَ وَالْكُرَّاثَ فَلَا يَقْرَبَنَّ مَسْجِدَنَا، فَإِنَّ الْمَلَائِكَةَ تَتَأَذّٰى مِمَّا يَتَأَذّٰى مِنْهُ بَنُو آدَمَ.

''جس نے پیاز، لہسن یا گیندنا (بدبودار سبزی) کھایا، وہ ہماری مسجد کے قریب نہ پھٹکے، کیونکہ جس چیز سے انسان اذیت محسوس کرتے ہیں، اس سے فرشتے

بھی اذیت محسوس کرتے ہیں۔‘‘

(صحيح البخاري : 854، صحيح مسلم : 564، واللّفظ لهٗ)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَحْرُمُ إِخْرَاجُ الرِّيحِ مِنَ الدُّبُرِ فِي الْمَسْجِدِ لٰكِنَّ الْأَوْلَى اجْتِنَابُهٗ .

’’مسجد میں ہوا خارج کرنا حرام نہیں ہے، البتہ اجتناب بہتر ہے۔‘‘

(المَجموع : 175/2)

تنبیہ:

❀ علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

يُكْرَهُ تَحْرِيمًا إخراج الريح فِي الْمَسْجِدِ .

’’مسجد میں ہوا خارج کرنا مکروہ تحریمی ہے۔‘‘

(العرف الشّذي :323/1، الأمالي على سنن أبي داود :448/1)

مسجد میں ہوا خارج کرنے کو حرام کہنا درست نہیں۔

سوال: کیا مسجد میں سونا حرام ہے؟

❀ علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

يُكْرَهُ النَّوْمُ تَحْرِيمًا فِي الْمَسْجِدِ بِدُونِ الضَّرُورَةِ .

’’بغیر ضرورت کے مسجد میں سونا مکروہ تحریمی ہے۔‘‘

(الأمالي على سنن أبي داود :448/1)

جواب: علامہ کشمیری صاحب کی بات محل نظر ہے۔ مسجد میں سونا بلا کراہت جائز

ہے۔صحابہ، تابعین اور ہر دور کے مسلمانوں کا اس پر عمل رہا ہے۔عہد نبوی میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مسجد میں سو جاتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان پر نکیر نہ فرماتے تھے۔اس پر بکثرت احادیث صحیحہ موجود ہیں۔

یاد رہے کہ کراہت تحریمی کے لیے دلیل چاہیے۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الدُّنْيَا دَارُ مَنْ لَا دَارَ لَهٗ، وَمَالُ مَنْ لَا مَالَ لَهٗ، وَلَهَا يَجْمَعُ مَنْ لَا عَقْلَ لَهٗ .

”دنیا اس شخص کا گھر ہے، جس کا (آخرت میں) کوئی گھر نہ ہو، دنیا اس شخص کا مال ہے، جس کا (آخرت میں) کوئی مال نہ ہو، اس دنیا کے لیے وہ شخص مال جمع کرتا ہے، جس میں عقل نہ ہو۔“

(مسند الإمام أحمد : 71/6)

جواب: سند ضعیف ہے۔

① ابو اسحاق سبیعی کا عنعنہ ہے۔

② زرعہ کون ہے؟ معلوم نہیں ہو سکا۔

③ داود بن سلیم نصیبی دوید مجہول ہے۔

❁ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ .

”یہ حدیث منکر ہے۔“

(منتخب علل الخلال لابن قدامة :44/1)

سوال: سونے چاندی میں زکوٰۃ کا نصاب کیا ہے؟

جواب: اگر سونے کی مقدار ساڑھے سات تولے (۲۰ گرام) یا اس سے زیادہ ہے، تو اس پر زکوٰۃ ہے۔ یہ زکوٰۃ رقم کی صورت میں بھی دی جا سکتی ہے۔ وہ اس طرح کہ کل زیور کا موجودہ ریٹ معلوم کر کے اس میں اڑھائی فیصد رقم زکوٰۃ کی مد میں نکال دی جائے، کل مالیت کو چالیس پر تقسیم کر دیں، تو وہ زکوٰۃ کی رقم ہوگی۔

چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولے ہے۔

❀ امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ جَمِيعًا لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ فِي الْقَوْلَيْنِ كَافَّةً أَهْلِ الْحِجَازِ وَأَهْلِ الْعِرَاقِ أَنْ لَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ عِشْرِينَ دِينَارًا مِنَ الذَّهَبِ صَدَقَةٌ وَلَيْسَ فِي أَقَلَّ مِنْ مِائَتِي دِرْهَمٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ.

''تمام مسلمانوں کا اجماع ہے، ان دو باتوں میں تمام کے تمام اہل حجاز اور اہل عراق کے مابین کوئی اختلاف نہیں کہ بیس دینار سے کم سونے پر زکوٰۃ نہیں اور دو سو درہم سے کم چاندی پر زکوٰۃ نہیں۔''

(الأمّ : 323/7)

سوال: کیا مسلمان اور کافر ایک دوسرے کے وارث بن سکتے ہیں؟

جواب: مسلمانوں اور کافروں میں میراث نہیں، کوئی مسلمان کافر کا اور کوئی کافر مسلمان کا کسی بھی طرح کا وارث نہیں بن سکتا، نہ کسی کو وراثت سے محروم کر سکتا ہے۔ اس پر

احادیث صحیحہ، آثار سلف اور اجماع اُمت دلیل ہیں۔

❁ سیّدنا اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہما ہی بیان کرتے ہیں:

كَانَ عَقِيلٌ وَرِثَ أَبَا طَالِبٍ هُوَ وَطَالِبٌ، وَلَمْ يَرِثْهُ جَعْفَرٌ وَلَا عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، شَيْئًا لِأَنَّهُمَا كَانَا مُسْلِمَيْنِ، وَكَانَ عَقِيلٌ وَطَالِبٌ كَافِرَيْنِ فَكَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: لَا يَرِثُ الْمُؤْمِنُ الْكَافِرَ.

''عَقِیل اور طالب دونوں ابوطالب کے وارث بنے تھے، لیکن (ابوطالب کے بیٹے) سیّدنا جعفر اور سیّدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما نے اُن کی وراثت سے کچھ بھی نہیں لیا، کیونکہ وہ دونوں مسلمان اور عَقِیل اور طالب کافر تھے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ مؤمن کافر کا وارث نہیں بن سکتا۔''

(صحيح البخاري: 1588، صحيح مسلم: 1614)

❁ امام مالک بن انس رحمہ اللہ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

الْأَمْرُ الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ عِنْدَنَا، وَالسُّنَّةُ الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا، وَالَّذِي أَدْرَكْتُ عَلَيْهِ أَهْلَ الْعِلْمِ بِبَلَدِنَا، أَنَّهُ لَا يَرِثُ الْمُسْلِمُ الْكَافِرَ بِقَرَابَةٍ، وَلَا وَلَاءٍ، وَلَا رَحِمٍ، وَلَا يَحْجُبُ أَحَدًا عَنْ مِيرَاثِهِ.

''ہمارے یہاں اس اَمر پر اجماع ہے اور ہمارے یہاں اس طریقہ میں کوئی اختلاف نہیں، نیز اسی پر میں نے اپنے شہر کے اہل علم کو پایا ہے کہ کوئی مسلمان کافر کو وارث نہیں بن سکتا، نہ قرابت کی وجہ سے، نہ ولاء کی وجہ سے، نہ رحم کی

وجہ سے۔اسی طرح کسی کو وراثت سے محروم بھی نہیں کر سکتا۔‘‘

(الموطأ : 520/2)

❁ امام شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَرِثُ الْمُسْلِمَ إِلَّا الْمُسْلِمُ حُرٌّ غَيْرُ قَاتِلٍ عَمْدًا مَا لَا اخْتِلَافَ فِيهِ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ أَهْلِ الْعِلْمِ حَفِظْتُ عَنْهُ بِبَلَدِنَا وَلَا غَيْرِهِ .

’’مسلمان کا وارث وہی بن سکتا ہے، جو خود مسلمان ہو، آزاد ہو، جان بوجھ کر (اپنے مورث کو) قتل کرنے والا نہ ہو۔ میں اپنے علاقے اور دیگر علاقوں کے جن اہل علم کو جانتا ہوں، ان کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں۔‘‘

(الرِّسالة، ص 172)

سوال: علمائے احناف نے اپنی کتابوں میں بہت سارے مسائل میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا رجوع ذکر کیا ہے، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: علمائے احناف نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اکثر مسائل میں جو رجوع ذکر کیا ہے، وہ بے بنیاد ہے۔

سوال: جس شخص پر کوئی حد قائم ہوئی، کیا اس کی شہادت قبول ہے؟

جواب: جس پر کسی گناہ کی حد نافذ ہو جائے اور وہ تائب ہو چکا ہو، دوبارہ وہ اس گناہ کا ارتکاب نہ کرے، تو وہ فاسق نہیں، اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔

❁ امام مالک بن انس رحمہ اللہ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا أَنَّ الَّذِي يُجْلَدُ الْحَدَّ ثُمَّ تَابَ، وَأَصْلَحَ تَجُوزُ شَهَادَتُهُ، وَهُوَ أَحَبُّ مَا سَمِعْتُ إِلَيَّ فِي

ذٰلِكَ .

”ہمارے یہاں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس پر حد قائم کی گئی ہو، پھر وہ تائب ہو جائے اور اپنی اصلاح کر لے، تو اس کی گواہی قبول ہے، اس بارے میں میرا پسندیدہ مؤقف یہی ہے۔“

(الموطأ : 721/2)

سوال: ایک شخص کے پاس زکوٰۃ کے نصاب کے برابر سال کے آغاز میں تھا، بعد کچھ دن اس کے پاس یہ مال رہا، بعد میں اس نے وہ مال کہیں خرچ کر دیا، تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

جواب: زکوٰۃ واجب ہونے کے لیے دو بنیادی شرطیں ہیں؛ ① مال نصاب کو پہنچتا ہو، ② اس پر سال گزر جائے۔ اگر کوئی شرط مفقود ہے، تو مال کی اس صنف پر زکوٰۃ نہیں۔

❀ امام ابو عبید قاسم بن سلام رحمہ اللہ (۲۲۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا لَا اخْتِلَافَ فِيهِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، إِذَا كَانَ الرَّجُلُ قَدْ مَلَكَ فِي أَوَّلِ السَّنَةِ مِنَ الْمَالِ مَا تَجِبُ فِي مِثْلِهِ الصَّدَقَةُ ...... مِنْ أَوَّلِ الْحَوْلِ إِلٰى آخِرِهٖ، فَالصَّدَقَةُ وَاجِبَةٌ عَلَيْهِ فِي قَوْلِ النَّاسِ جَمِيعًا .

”اس میں مسلمانوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں کہ اگر کوئی شخص سال کے آغاز میں اتنے مال کا مالک بنا جس پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے۔ ...... پھر یہ ملکیت شروع سال سے آخر سال تک باقی رہے، تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے، تمام اہل علم کی یہی رائے ہے۔“

(الأموال : 1113)

فتاویٰ امن پوری (قسط ٦٧٧)

غلام مصطفی ظہیر امن پوری

سوال: ایک شخص نے اپنی گابھن گائے فروخت کی، ایک ماہ بعد گائے کا بچھڑا پیدا ہوا، تو فروخت کنندہ آیا اور اس بچھڑے کا مطالبہ کرنے لگا کہ میں نے تمہیں گائے فروخت کی تھی، اس کے پیٹ کا بچھڑا نہیں۔ اس تنازع کا کیا حل ہے؟

جواب: اصل یہ ہے کہ حاملہ جانور کو فروخت کیا جائے، تو پیٹ میں موجود حمل کی بھی بیع ہو جاتی ہے، پیدا ہونے والا جانور کا بچہ خریدار کا ہی ہوگا۔ البتہ اگر فروخت کنندہ فروخت کرتے وقت شرط لگا دے کہ جانور کی پیدائش کے بعد بچہ مجھے واپس کرنا ہوگا اور خریدار اس شرط کو تسلیم کر لے، تو اس صورت میں پیدا ہونے والا بچہ فروخت کنندہ کو لوٹانا ضروری ہوگا، کیونکہ حاملہ جانور کی بیع مشروط ہوئی تھی۔

لیکن اگر حاملہ جانور کی فروخت کے وقت کسی استثناء کی شرط نہیں لگائی گئی، تو پیدا ہونے والا حمل خریدار کا ہی ہوگا۔ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

❀ امام مالک بن انس رحمہ اللہ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا، أَنَّ مَنْ بَاعَ ...... شَيْئًا مِّنَ الْحَيَوَانِ، وَفِي بَطْنِهَا جَنِينٌ، أَنَّ ذٰلِكَ الْجَنِينَ لِلْمُشْتَرِي، اشْتَرَطَهُ الْمُشْتَرِي أَوْ لَمْ يَشْتَرِطْهُ.

”ہمارے یہاں اس اَمر میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس نے ......کوئی جانور فروخت کیا اور اس کے پیٹ میں حمل ہو، تو اس جنین کا مالک خریدار ہوگا، خواہ خریدار نے اس ملکیت کی شرط لگائی ہو یا نہ لگائی ہو۔“

(الموطأ : 729/2)

لہٰذا صورت مسئولہ میں فروخت کنندہ اور خریدار کے درمیان اگر بچھڑا کے استثناء کی کوئی شرط لگائی گئی تھی، تو اس شرط کے مطابق فیصلہ کیا جائے گا، اگر بچھڑے کے استثناء کی شرط کو خریدار نے قبول نہیں کیا یا شرط کا ذکر ہی نہیں ہوا، تو اس صورت میں نومولود بچھڑا خریدار کی ملکیت ہے، فروخت کنندہ کو مطالبہ کا حق نہیں۔

سوال: کیا کوئی مہاجرہ خاتون مرتد ہوئی؟

جواب: قبول اسلام کے بعد مکہ یا اپنے علاقہ کو چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر کے آنے والی صحابیات تادم زیست ایمان پر قائم رہیں، ان میں سے کوئی بھی مرتد نہیں ہوئی۔ صحابہ کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی کہ ہجرت کر کے آنے والی کوئی خاتون بعد میں اسلام چھوڑ گئی ہو۔ اس سے ایک تو صحابیات مہاجرات کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، دوسرا یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے عورت کو ان کے مکمل حقوق دیے ہیں اور ان کا مکمل تحفظ کیا ہے، جو کسی دوسرے دین میں نہیں۔

❁ امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَا نَعْلَمُ أَنَّ أَحَدًا مِّنَ الْمُهَاجِرَاتِ ارْتَدَّتْ بَعْدَ إِيمَانِهَا .

”ہم نہیں جانتے کہ مہاجر خواتین میں سے ایک بھی عورت اپنے ایمان سے مرتد ہوگئی ہو۔“

(صحيح البخاري : 2733)

(سوال): ایک میت کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے، باپ نے اپنی وصیت میں لکھا کہ میری ساری جائیداد میری بیٹی کے نام کر دی جائے، اب بیٹوں میں ایک بیٹا اس وصیت کو نافذ کرنے کے لیے تیار ہے اور دوسرے دو بیٹے اپنے بہن کے لیے حق وراثت سے زیادہ کی وصیت نافذ کرنے کے لیے تیار نہیں، اس بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

(جواب): اللہ تعالیٰ نے تمام ورثاء کے حصے مقرر کر دیے ہیں، لہٰذا کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے ورثاء کے لیے حق وراثت سے زیادہ مال کی وصیت کرے، البتہ وہ غیر ورثاء کے لیے کل مال میں سے زیادہ سے زیادہ ایک تہائی مال کی وصیت کر سکتا ہے۔

اگر کسی نے اپنے کسی وارث کے لیے مال کی وصیت کر دی، تو ایسا کرنا حرام ہے، یہ وصیت نافذ نہ ہوگی۔ لیکن اگر تمام ورثاء راضی ہوں اور وہ اپنے حق سے دستبردار ہونے کو تیار ہوں، تو ایسا کیا جا سکتا ہے۔ اگر بعض ورثاء راضی ہوں اور بعض راضی نہ ہوں، تو اس صورت میں جو ورثاء وصیت نافذ کرنے پر راضی ہیں، وہ اپنے مقرر حق سے دستبردار ہو جائیں گے اور اس وارث کو دے دیں گے، جس کے حق میں وصیت کی گئی تھی اور جو ورثاء وصیت کو نافذ کرنے پر راضی نہیں، وہ اپنا مقرر حصہ لے سکتے ہیں۔

❁ امام مالک بن انس رحمہ اللہ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

السُّنَّةُ الثَّابِتَةُ عِنْدَنَا الَّتِي لَا اخْتِلَافَ فِيهَا أَنَّهُ لَا تَجُوزُ وَصِيَّةٌ لِوَارِثٍ إِلَّا أَنْ يُجِيزَ لَهُ ذٰلِكَ وَرَثَةُ الْمَيِّتِ وَأَنَّهُ إِنْ أَجَازَ لَهُ بَعْضُهُمْ، وَأَبٰى بَعْضٌ، جَازَ لَهُ حَقُّ مَنْ أَجَازَ مِنْهُمْ، وَمَنْ أَبٰى، أَخَذَ حَقَّهُ مِنْ ذٰلِكَ.

”ہمارے یہاں ثابت طریقہ، جس میں کوئی اختلاف نہیں، وہ یہ ہے کہ کسی وارث کے لیے (الگ سے مال کی) وصیت جائز نہیں، ماسوا اس کے کہ میت کے ورثاء خود اجازت دے دیں (تو وارث کے حق میں وصیت نافذ ہو جائے گی)۔ نیز اگر بعض ورثا وصیت کو نافذ کرنے کی اجازت دے دیں اور بعض انکار کر دیں، تو اس صورت میں جن ورثا نے اجازت دی ہے، ان کے حق کی وصیت نافذ ہو جائے گا اور جن ورثا نے انکار کیا تھا، وہ وراثت میں سے اپنا حق لے سکتے ہیں۔“

(الموطأ: 765/2)

لہٰذا صورت مسئولہ میں جو بھائی اپنی بہن کے حق میں کی گئی وصیت کو نافذ کرنے پر راضی ہے، وہ اپنے حصے کی وراثت اپنی بہن کو دے سکتا ہے اور جو دو بھائی وصیت نافذ کرنے کے لیے راضی نہیں، وہ اپنا حق وصول کر سکتے ہیں، کیونکہ شرعی اعتبار سے یہ ان کا وراثتی حق ہے۔

سوال: بھگوڑا غلام چوری کر لے، تو کیا اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا؟

جواب: بھاگا ہوا غلام اگر چوری کرتا پکڑا جائے اور مال چوری کے نصاب کو پہنچ جائے، تو اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا، آغاز میں اس مسئلہ میں معمولی اختلاف تھا، بعد میں ہاتھ کاٹنے پر اتفاق ہو گیا۔

❁ نافع رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عَبْدًا لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، سَرَقَ وَهُوَ آبِقٌ فَأَرْسَلَ بِهِ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ إِلٰى سَعِيدِ بْنِ الْعَاصِ ـوَهُوَ أَمِيرُ الْمَدِينَةِـ لِيَقْطَعَ

يَدَهٗ فَأَبٰى سَعِيدٌ أَنْ يَقْطَعَ يَدَهٗ، وَقَالَ : لَا تُقْطَعُ يَدُ الْآبِقِ السَّارِقِ إِذَا سَرَقَ، فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ : فِي أَيِّ كِتَابِ اللّٰهِ وَجَدْتَ هٰذَا ثُمَّ أَمَرَ بِهٖ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ فَقُطِعَتْ يَدُهٗ .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ایک بھگوڑے غلام نے چوری کر لی، تو سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے سیدنا سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا، وہ ان دنوں مدینہ کے امیر تھے۔ تا کہ وہ اس کا ہاتھ کاٹ دیں۔ مگر سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے ہاتھ کاٹنے سے انکار کر دیا اور فرمایا: بھگوڑا غلام چوری کر لے، تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ تو سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں جواب دیا: آپ نے یہ کون سی آیت میں پڑھا ہے؟ پھر سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے حکم دیا، تو اس غلام کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔''

(موطأ الإمام مالك : 833/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ رزیق بن حکیم ایلی رحمہ اللہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهٗ أَخَذَ عَبْدًا آبِقًا، قَدْ سَرَقَ قَالَ : فَأَشْكَلَ عَلَيَّ أَمْرُهٗ، قَالَ : فَكَتَبْتُ فِيهِ إِلٰى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَسْأَلُهٗ عَنْ ذٰلِكَ وَهُوَ الْوَالِي يَوْمَئِذٍ، قَالَ : فَأَخْبَرْتُهٗ أَنَّنِي كُنْتُ أَسْمَعُ أَنَّ الْعَبْدَ الْآبِقَ إِذَا سَرَقَ وَهُوَ آبِقٌ لَمْ تُقْطَعْ يَدُهٗ، قَالَ : فَكَتَبَ إِلَيَّ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ نَقِيضَ كِتَابِي يَقُولُ : كَتَبْتَ إِلَيَّ أَنَّكَ كُنْتَ تَسْمَعُ أَنَّ الْعَبْدَ الْآبِقَ إِذَا سَرَقَ لَمْ تُقْطَعْ يَدُهٗ، وَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى

يَقُولُ فِي كِتَابِهِ : ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ (المائدة : ٣٨) فَإِنْ بَلَغَتْ سَرِقَتُهُ رُبُعَ دِينَارٍ فَصَاعِدًا فَاقْطَعْ يَدَهُ .

''آپ رحمہ اللہ نے ایک بھگوڑے غلام کو پکڑا، جس نے چوری کی تھی، کہتے ہیں کہ میرے لیے اس کے متعلق فیصلہ کرنا مشکل ہو گیا، چنانچہ میں نے حاکم وقت امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو خط لکھا اور اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا اور انہیں بتایا کہ میں نے سنا ہے کہ بھگوڑا غلام چوری کرے، تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ میرے خط کے جواب میں امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے لکھا : ''آپ نے مجھے لکھا کہ شنید ہے کہ بھگوڑا غلام چوری کرے، تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا، جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے : ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوآ أَيْدِيَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾(المائدة : ٣٨)''چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دو، یہ ان کے کیے کی سزا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے، اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔''

لہٰذا اگر چوری شدہ مال کی مقدار چوتھائی دینار سے اس سے زیادہ ہو، تو چور کا ہاتھ کاٹ دیں۔''

(موطأ الإمام مالك : 834/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ ابراہیم بن عامر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ سَأَلَ عُرْوَةَ عَنْهُ فَقَالَ : يُقْطَعُ .

''امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے بھگوڑے غلام کی چوری کے متعلق پوچھا، تو آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: (اگر مال چوری کے نصاب کو پہنچ جائے، تو) اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 28144، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ، وَالْقَاسِمَ، قَالَا : الْعَبْدُ الْآبِقُ إِذَا سَرَقَ قُطِعَ .

''امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ اور قاسم بن محمد رحمہ اللہ کہا کرتے تھے: بھگوڑا غلام چوری کرے، تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جائے گا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 28145، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام مالک بن انس رحمہ اللہ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ الْأَمْرُ الَّذِي لَا اخْتِلَافَ فِيهِ عِنْدَنَا أَنَّ الْعَبْدَ الْآبِقَ إِذَا سَرَقَ مَا يَجِبُ فِيهِ الْقَطْعُ قُطِعَ .

''اس اَمر پر ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں کہ بھگوڑا غلام جب چوری کرے اور مال چوری کے نصاب کو پہنچ جائے، تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔''

(الموطأ : 834/2)

❁ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

عَلٰى هٰذَا قَوْلُ مَالِكٍ وَالشَّافِعِيِّ وَأَبِي حَنِيفَةَ وَأَصْحَابِهِمْ

وَالثَّوْرِيِّ وَالْأَوْزَاعِيِّ وَاللَّيْثِ وَأَحْمَدَ وَإِسْحَاقَ وَأَبِي ثَوْرٍ وَدَاوُدَ وَجُمْهُورِ أَهْلِ الْعِلْمِ الْيَوْمَ بِالْأَمْصَارِ وَإِنَّمَا وَقَعَ الْاخْتِلَافُ فِيهِ قَدِيمًا ثُمَّ انْعَقَدَ الْإِجْمَاعُ بَعْدَ ذٰلِكَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيرًا.

”(بھگوڑے غلام کا چوری پر ہاتھ کاٹا جائے گا) یہی قول امام مالک بن انس، امام شافعی، امام ابوحنیفہ اور ان کے اصحاب، امام سفیان ثوری، امام اوزاعی، امام لیث بن سعد، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ، امام ابوثور، امام داود ظاہری رحمہم اللہ اور تمام علاقوں کے بیشتر اہل علم کا ہے۔ دراصل اس بارے میں پہلے اختلاف ہوا تھا، بعد میں اس پر اجماع منعقد ہو گیا، والحمد للہ کثیرا۔“

(الاستذکار : 538/7)

سوال: کیا سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی سیدنا ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑے تھے؟

جواب: سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا ہارون علیہ السلام دونوں بھائی تھے اور نبی بھی تھے۔ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا مقام ومرتبہ نسبتاً زیادہ ہے۔ دونوں بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کرتے تھے، ان کی راہنمائی اور انہیں دین کی دعوت دینا دونوں کا فریضہ تھا۔

جب موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہونے کو طور پر گئے، تو بنی اسرائیل کی مکمل ذمہ داری سیدنا ہارون علیہ السلام کو سونپ کر گئے۔

سیدنا ہارون علیہ السلام اس ذمہ داری کو بخوبی انجام دیتے رہے، انہی دنوں میں سامری جادوگر نے ایک بچھڑا بنایا اور لوگوں کو اس بچھڑے کی عبادت پر لگا دیا۔ سیدنا ہارون علیہ السلام نے قوم کو بہت سمجھایا، اس شرک کی مذمت کی، مگر قوم کے بہت سے لوگ نہ ماننے اور شرک کی

طرف مائل ہو گئے۔

جب موسیٰ علیہ السلام تورات کی تختیاں لے کر واپس آئے، تو انہوں نے قوم کو بچھڑے کی پوجا کرتے دیکھا، تو فطرتی طور پر غصہ میں آ گئے، کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے مزاج میں ذرا تیزی تھی، انہوں نے سمجھا کہ شاید اس میں ہارون علیہ السلام کی کوئی غفلت ہو اور انہوں نے کماحقہ بنی اسرائیل کی راہنمائی نہ کی ہو، تو انہوں نے تورات کی تختیاں چھوڑ کر سب سے پہلا غصہ اپنے بھائی ہارون علیہ السلام پر نکالا اور غصے میں آ کر ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑے اور انہیں جھنجوڑنے لگے۔

پھر جب ہارون علیہ السلام نے اپنی صفائی پیش کی، تو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کو احساس ہو گیا کہ مجھ سے سمجھنے میں غلطی ہو گئی ہے، اس میں میرے بھائی کا کوئی قصور نہیں، نہ ان کی طرف سے کوئی کوتاہی ہوئی، تو فوراً اللہ کے حضور اس سختی پر توبہ کی۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي﴾(طٰہٰ: ٩٤)

''ہارون نے کہا: میری ماں کے بیٹے! میری داڑھی اور سر کے بال نہ پکڑیے۔''

❁ نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي أَعَجِلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْأَعْدَاءَ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ

الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۞ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِأَخِي وَأَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ﴾(الأعراف : ١٥٠۔١٥١)

’’جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف سخت غصے میں واپس آئے، کہا (اے قوم!) تم نے میرے بعد بہت بری جانشینی کی ہے، کیا تم اپنے رب کے حکم میں جلدی کرتے ہو۔ موسیٰ نے (سخت غصے میں) تختیاں چھوڑ دیں اور اپنے بھائی کا سر پکڑ لیا اور اسے اپنی طرف گھسیٹنے لگے، اس (ہارون علیہ السلام) نے کہا: میری ماں کے بیٹے! بے شک قوم مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیں، لہٰذا آپ میرے ساتھ ایسا کر کے دشمنوں کو خوش نہ کریں اور مجھے ظالموں کی فہرست میں شامل نہ کریں۔ تو اس (موسیٰ علیہ السلام) نے کہا: میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت میں داخل فرما، تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔‘‘

جب سیدنا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کیے پر معافی مانگ لی، تو کسی کو ان پر اعتراض کرنے کی اجازت نہیں۔

سوال: کیا سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ابلیس کو بھی دیا گیا تھا؟

جواب: فرشتوں کے ساتھ ساتھ ابلیس کو حکم دیا گیا تھا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرے۔
قرآن کریم نے فرشتوں کا ذکر بھی کیا ہے اور ابلیس کا بھی۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ أَمَرْتُكَ﴾(الأعراف : ١٢)

’’اس (اللہ) نے کہا: جب میں نے تجھے سجدے کا حکم دیا تھا، تو تو نے سجدہ

کیوں نہ کیا۔‘‘

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ﴾(صٓ: ۷۵)

’’اس (اللہ) نے کہا: اے ابلیس! تو نے اس (آدم علیہ السلام) کو سجدہ کیوں نہ کیا، جسے میں نے اپنے دونوں ہاتھ سے تخلیق کیا ہے۔‘‘

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ﴾

(الکھف: ۵۰)

’’پس انہوں (فرشتوں نے) سجدہ کر دیا، مگر ابلیس جو جنوں میں سے تھا، اس نے اپنے رب کے حکم کی نافرمانی کی۔‘‘

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِلَّا إِبْلِيسَ أَبَى أَنْ يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ۞ قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ﴾(الحِجر: ۳۱۔۳۲)

’’ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اس (اللہ) نے کہا: اے ابلیس! تم سجدہ کرنے والوں میں شامل کیوں نہیں ہو رہے۔‘‘

ثابت ہوا کہ سیدنا آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے کا حکم ابلیس کو بھی دیا گیا تھا، مگر اس نے حکم عدولی کرتے ہوئے کہا کہ میں آدم سے بہتر ہوں۔

❁ فرمان خداوندی ہے:

﴿قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾(صٓ: ۷٦)

''اس (ابلیس) نے کہا: میں اس (آدم) سے بہتر ہوں۔''

یہ کہہ کر اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم ٹال دیا۔ معلوم ہوا کہ یہ حکم ابلیس کو بھی تھا۔ اگر اسے بھی حکم نہ دیا گیا ہوتا، تو وہ یہ بات نہ کہتا۔

سوال: سیدنا آدم علیہ السلام کو جس جنت سے نکالا گیا، وہ جنت کہاں تھی؟

جواب: آدم علیہ السلام کو جس جنت سے نکالا گیا، وہ آخرت والی جنت ہی ہے، جسے دار الخلد کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرانے کے بعد جن الفاظ سے انہیں لطف اندوز ہونے کو کہا، وہ سیاق اس بات پر دلالت کناں ہے کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ والی جنت تھی۔ ابلیس نے وسوسہ ڈالا اور یہ باور کرایا کہ تمہیں ہمیشہ ہمیشہ والی جنت نہیں ملی، اگر تم نے ہمیشہ والی جنت لینی ہے، تو تم فلاں درخت کھالو، تمہیں ناختم ہونے والی نعمتیں مل جائیں گے، چنانچہ آدم علیہ السلام نے بھول کر وہ درخت کھالیا، جس پر اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت سے نکال دیا اور اپنی حکمت کے تحت زمین پر بھیج دیا۔

بعض کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کو دنیا کے کسی باغ میں ٹھہرایا گیا تھا، وہ آسمان والی اور آخرت والی جنت نہ تھی۔ یہ مؤقف بے دلیل ہے، بہت سی آیات کریمہ سے اس مؤقف کا رد ہوتا ہے، نیز اہل سنت والجماعت کا اجماع بھی اسی کا مؤید ہے۔

ذیل کی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جنت میں ٹھہرایا اور اس جنت کی وہی خوبیاں اور خصوصیات بیان فرمائی ہیں، جو جنت خلد کی ہیں، نہ کہ دنیا کے کسی باغ کی۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَقُلْنَا يَا آدَمُ إِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ

الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ۞ إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرٰى ۞ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحٰى ۞ فَوَسْوَسَ إِلَيْهِ الشَّيْطَانُ قَالَ يَا آدَمُ هَلْ أَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَا يَبْلٰى ۞ فَأَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْآتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰى آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ۞ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ۞ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ﴾ (طٰہٰ : ۱۱۷۔۱۲۳)

’’ہم نے کہا، آدم! یہ (ابلیس) تمہارا اور تمہاری بیوی کو دشمن ہے، کہیں یہ تم دونوں کو جنت سے نہ نکلوا دے اور تو پریشانی میں پڑ جاؤ، اس میں تمہارے لیے یہ ہے کہ اس میں تمہیں نہ بھوک لگے گی، نہ تم بے لباس ہو گے، نیز نہ اس میں تمہیں پیاس لگے گی اور نہ دھوپ ستائے گی۔ چنانچہ شیطان نے اس (آدم علیہ السلام) کی طرف وسوسہ کیا، کہا: آدم! کیا میں تمہیں ہمیشہ باقی رہنے والا درخت اور کبھی نہ ختم ہونے والی بادشاہت کی خبر دوں؟۔ چنانچہ دونوں نے اس درخت سے کھا لیا، تو ان کے ستر ظاہر ہو گئے اور وہ جنت کے پتوں کو لپیٹنے لگے۔ آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کر دی اور وہ بھٹک گئے، پھر اس کے رب نے اسے چن لیا، اس کی توبہ قبول کر لی اور اسے راہنمائی دی۔ اس (اللہ) نے کہا: تم سب اس (جنت) سے اتر جاؤ، تم ایک دوسرے کے دشمن ہو۔‘‘

۞ امام ابوعمر طلمنکی رحمہ اللہ (۴۲۹ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ زَعَمَ أَنَّ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ لَمْ يُخْلَقَا بَعْدُ فَقَدْ كَفَرَ، قَالَ اللّٰهُ :

﴿وَيَآ آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾(الأعراف : ١٩) فَمَنْ زَعَمَ هٰذِهِ الْجَنَّةَ لَيْسَتْ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي يَدْخُلُهَا الْمُؤْمِنُونَ فَقَدْ كَفَرَ .

''جن نے یہ کہا کہ جنت اور جہنم ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئیں، تو وہ کافر ہوگیا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿وَيَآ آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ ''اے آدم! آپ اور آپ کی بیوی جنت میں سکونت پذیر ہوں۔'' جس نے کہا کہ یہ وہ جنت نہیں، جس میں مؤمن داخل ہوں گے، تو وہ کافر ہوگیا۔''

(صِفات رب العالمین لابن المحب المقدسي :207/1)

❀ نیز فرماتے ہیں:

أَجْمَعُوا عَلٰى أَنَّ الْجَنَّةَ الَّتِي كَانَ فِيهَا آدَمُ وَلَمَّا أُخْرِجَ عَنْهَا هِيَ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِي يَدْخُلُهَا الْمُؤْمِنُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَمَنْ قَالَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَهُوَ دَاخِلٌ فِي جُمْلَةِ الزَّائِغِينَ .

''مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جس جنت میں سیدنا آدم علیہ السلام ٹھہرے اور جس سے نکالے گئے، یہ وہی جنت خلد ہے، جس میں روز قیامت مؤمن داخل ہوں گے۔ جو اس کے برعکس عقیدہ رکھے، وہ گمراہوں میں سے ہے۔''

(صِفات ربِّ العالمین لابن المحب المقدسي :248/1)

سوال: معجزات کے منکر کا کیا حکم ہے؟

جواب: نبی کے ہاتھوں رونما ہونا والا خارق عادت کام آیت یا معجزہ کہلاتا ہے۔ یہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے نشانی ہوتا ہے، جس میں کئی مقاصد اور حکمتیں ہیں، کبھی اپنے نبی کی صداقت پر دلیل قائم کرنا، کبھی اپنی نبی کی تائید و تکریم کرنا، کبھی اہل ایمان کے ایمان کا امتحان لینا، تو کبھی اہل کفر کے کفر میں اضافہ کرنا۔ اس لیے معجزہ دیکھ کر یا سن کر اہل ایمان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور دل میں سرور پیدا ہو جاتا ہے، اس کا اپنے رب پر اعتقاد اور مضبوط ہو جاتا ہے، اس کے برعکس جب کسی ملحد یا کافر کے سامنے معجزہ ظاہر ہوتا ہے یا اسے سنایا جاتا ہے، تو اس کا دل سکڑ جاتا ہے، بلکہ اس کے دل میں نفور پیدا ہو جاتا ہے، وہ کفر و الحاد میں مزید بڑھ جاتا ہے۔ ہر دور کے انبیا کو معجزات دیے گئے، معجزات کو مؤمنوں نے تسلیم کیا اور کافروں نے انکار کیا اور انہیں جادو وغیرہ سے تعبیر کیا۔ معلوم ہوا کہ معجزہ کا کسی بھی طرح انکار کرنا کافر قوموں کا شعار ہے۔ جن قوموں نے پیغمبر سے معجزہ طلب کیا، معجزہ رونما ہونے کے بعد وہ پھر گئے، تو وہ عذاب الٰہی کے مستحق ٹھہرے، ان کا نام و نشان مٹا دیا گیا۔ بعض قوموں نے اپنے اپنے انبیاء سے معجزہ طلب کیا، معجزہ ظاہر ہونے کے باوجود انہوں نے اپنے نبیوں کو قتل کر دیا، معلوم ہوا کہ معجزات کا انکار نامراد قوموں کا وطیرہ ہے۔

معجزات پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ ایمان کی اصل ہیں، کیونکہ یہ عقل سے ماوراء اُمور ہوتے ہیں، جو شخص معجزات کو دل و جان سے تسلیم کرتا ہے، وہ دراصل غیب پر ایمان لا رہا ہوتا ہے، جو کہ اہل ایمان کی علامت ہے، کیونکہ اسلام نام ہی غیب پر ایمان لانے کا ہے۔ مشاہداتی اُمور اور غیبی اُمور کی تصدیق کی جائے، تو ایمان مکمل ہوتا ہے۔ جو شخص غیبی اُمور کے سامنے سر تسلیم خم کر دیے، اس کا ایمان مکمل ہو جاتا ہے اور جو غیبی اُمور میں شکوک و شبہات کا شکار ہو جائے یا سرے سے انکار کر دے، تو اس کا سارا ایمان ہی مشکوک ہو جاتا ہے، آہستہ آہستہ وہ مشاہداتی اُمور میں بھی رخنہ سازی کرنے لگتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ملحدین

اور بے دین فلاسفہ کا سب سے پہلا حملہ معجزات پر ہوتا ہے، کیونکہ انہیں تسلیم کرنا دراصل عقل اور ایمان کا امتحان ہوتا ہے، اس لیے وہ معجزات کے انکار کا سہارا لے کر ساری شریعت میں شبہات پیدا کرنے لگتے ہیں۔

معجزات کے انکار کی بنیادی وجہ عقل کو وحی پر حاکم ماننا ہے، جو کہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ عقل کا اپنا دائرہ کار ہے، یہ انسانی تجربات، ذہانت اور حواس کا نتیجہ ہے، جس میں غلطی اور کوتاہی کا امکان رہتا ہے، نیز تمام انسانوں کی عقلوں میں تفاوت ہے، کسی کی عقل کم اور کسی کی زیادہ۔

لیکن اللہ تعالیٰ کی وحی ایسا علم ہے، جس میں غلطی کی گنجائش نہیں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا علم ہے اور اللہ غلطی سے پاک ہے۔ علم وحی کا احاطہ نہیں، اللہ تعالیٰ کا علم ہر شے پر محیط ہے، اس میں شک وشبہ نہیں۔ لہٰذا شریعت میں عقل اصل نہیں، وحی اصل ہے، عقل فقط وحی الٰہی کو سمجھنے اور تسلیم کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر عقل اصل ہوتی، تو انبیائے کرام علیہم السلام کی بعثت اور کتابوں کی نزول کا مقصد باقی نہ رہتا، کیونکہ عقل ہر ایک کو دی گئی ہے۔ عقل کی آزمائش وحی سے ہی ہوتی ہے، جو عقل وحی کو تسلیم کر لے، وہ عقل سلیم ہے اور جو عقل وحی کا انکار کر کے یا اس میں شک کا شکار ہو جائے، وہ عقل سقیم و مریض ہوتی ہے۔

معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں، لہٰذا ان میں غلطی کی گنجائش نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی وحی بھی معجزہ مستمرہ دائمہ ہے۔ عقل کے ذریعے معجزات کا انکار دراصل وحی الٰہی کا انکار ہے۔ اس لیے ہر ملحد آیات بینات اور معجزات کا منکر ہوتا ہے۔

معجزہ پیغمبر کی نبوت ورسالت کی صداقت اور حقانیت پر دلیل ہوتا ہے، معجزہ کے انکار

سے نبوت ورسالت کی صداقت کا انکار لازم آتا ہے۔

معجزات کے حق ہونے پر قرآن کریم، احادیث صحیحہ متواترہ اور اجماع اُمت کے دلائل واضح ہیں۔لہٰذا معجزات کا انکار کرنے والا ملحد وزندیق ہوتا ہے، اس کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

نبی کریم ﷺ کو بے شمار معجزات عطا ہوئے ہیں۔ بعض اہل علم نے معجزات نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی تعداد ایک ہزار بتائی ہے۔ ہر مؤمن مسلمان معجزات پر ایمان لازم سمجھتا ہے اور انکار کو کفر۔معجزات پر ایمان لائے بغیر ایمان نہیں۔

یہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ معجزہ عمومی دلیل نہیں ہوتا، نہ اس سے کسی نبی کا صاحب اختیار ہونا ثابت ہوتا ہے۔معجزہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے، جو نبی کے ہاتھوں ظاہر ہوتا ہے۔لہٰذا کسی نبی کا معجزہ پڑھ سن کر یہ کہنا کہ فلاں نبی مختار کل ہے، فلاں نبی حاضر ناظر ہے یا فلاں نبی عالم الغیب ہے۔ بالکل غلط ہے۔معجزات خاص حالات ہیں، انہیں عام حالات پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

سوال: کیا ملک اور ریاست کا صدر یا وزیر اعظم کسی قاتل کی سزا معاف کرسکتا ہے؟

جواب: جن جرائم پر اسلام نے سزائیں مقرر کی ہیں، انہیں حدود کہتے ہیں، انہیں ساقط کرنے یا تبدیل کرنے کا اختیار کسی فرد بشر کو حاصل نہیں، نہ صدر مملکت کو نہ کسی اور سربراہِ مملکت کو۔ البتہ تعزیرات میں حاکم اور قاضی جرم، مجرم اور حالات کی نوعیت سے تبدیلی کرسکتا ہے۔

رہا مسئلہ قاتل کی سزا کا، تو اس میں تفصیل ہے:

① اگر قاتل نے جان بوجھ کر بے گناہ کو قتل کیا ہے، تو یہ قتل عمد ہے، اس کی سزا

قصاص میں قتل کرنا ہے۔البتہ اس سلسلہ میں ورثا کو تین اختیارات دیے گئے ہیں؛

ا؛ وہ قتل کے بدلے قتل کا مطالبہ کریں۔

ب؛ قتل کے بدلے مکمل دیت (ایک سو اونٹ یا اس کے برابر قیمت) وصول کرلیں۔

ج؛ قصاص اور مکمل دیت کو معاف کردیں، یا دیت کا ایک حصہ معاف کردیں۔

یاد رہے کہ یہ اختیارات استعمال کرنے کا حق مقتول کے ورثا کو حاصل ہے، انہیں کوئی مجبور نہیں کرسکتا۔ نہ ہی کوئی اپنے اختیار سے ان کا حق تلف کرسکتا ہے، کیونکہ یہ اللہ کی حدود ہیں، اللہ کی حدود کو پھلانگنے والا باغی اور ظالم ہے۔

② اگر قاتل نے جان بوجھ کر قتل نہ کیا ہو بلکہ وہ قتل، قتل خطا ہو یا شبہ عمد ہو (یعنی قتل کا ارادہ کیا، مگر ایسے آلہ کے ساتھ، جس سے عام طور پر قتل نہیں ہوتا۔) تو اس صورت میں مقتول کے ورثاء کو صرف دیت لینے کا اختیار حاصل ہے۔اس قتل میں قصاص نہیں۔

دیت کو وصول کرنے یا معاف کرنے کا اختیار بھی صرف ورثائے میت کو حاصل ہے، ملک کے سربراہ کو یہ اختیار نہیں۔

پس ثابت ہوا کہ صدر مملکت کو قاتل کی شرعی سزا معاف کرنے کا اختیار حاصل نہیں، خواہ اس مملکت کے ایوان نے خود صدر کو یہ اختیارات سونپے ہوں۔

سوال: کیا مریم رضی اللہ عنہا کا نکاح ہوا تھا؟

جواب: سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کا نکاح نہیں ہوا تھا۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ﴾ (آل عمران: ٤٧)

''(مریم رضی اللہ عنہا نے کہا:) مجھے کسی بشر نے نہیں چھوا۔''

❁ فرمان الٰہی ہے:

> ﴿وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَّلَمْ أَكُ بَغِيًّا﴾(مريم : ٢٠)

’’(مریم رضی اللہ عنہا نے کہا:) مجھے کسی فرد بشر نے نہیں چھوا اور نہ میں زانیہ ہوں۔‘‘

یہ آیات دلیل ہیں کہ سیدہ مریم رضی اللہ عنہا کا نکاح نہیں ہوا تھا، آپ رضی اللہ عنہا پاک دامن اور کنواری تھیں، بدکار اور زانیہ نہیں تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے عام فطری اصولوں سے ہٹ کر عیسیٰ علیہ السلام کو مریم رضی اللہ عنہا سے بغیر باپ کے پیدا کیا، جیسے آدم علیہ السلام کو بغیر ماں باپ کے پیدا کیا، تو سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سیدنا آدم علیہ السلام سے زیادہ تعجب خیز نہیں۔

سوال: سورت آل عمران آیت نمبر ۳۳ میں آل عمران سے کون مراد ہے؟

جواب: اس آیت کریمہ میں آل عمران سے مریم رضی اللہ عنہا کے والد گرامی مراد ہیں یا سیدنا موسیٰ اور سیدنا ہارون علیہما السلام کے والد گرامی مراد ہیں، یا دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔

سوال: یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ نبوت و رسالت صرف بنی اسرائیل کی میراث ہے، ان کے علاوہ کسی کو نبوت و رسالت نہیں مل سکتی۔ اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: یہ بے حقیقت اور بے دلیل دعویٰ ہے۔ نبوت و رسالت اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے، جو اس کے خاص بندوں کو ہی عطا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کسی کا پابند نہیں، وہ جسے چاہتا ہے، نبی چن لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بہت سے رسول اور نبی مبعوث کیے، یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا انتخاب ہے کہ اس نے اپنا آخری نبی اور رسول بنی اسرائیل کے بجائے قریش میں مبعوث فرمایا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جس پر کر دے، اس کی مرضی۔

یہود و نصاریٰ کے مذکورہ اعتراض کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خود دیا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ❊ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

(آل عمران : ٧٣۔٧٤)

”(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ ہر طرح کا فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے، دے دیتا ہے، بلاشبہ اللہ بڑی وسعت والا اور خوب علم والا ہے۔ وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے، خاص کر دیتا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔“

کسی قوم یا علاقے کے افراد کے لیے جائز نہیں کہ وہ دوسری قوم یا علاقہ میں رسول کی بعثت پر حسد کریں، ان پر لازم ہے کہ اس سچے رسول کی تصدیق کریں اور اس پر ایمان لائیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ﴾(النّساء : ٦)

”جو فقیر ہو، وہ معروف طریقہ سے کھا سکتا ہے۔“

آیت کریمہ میں معروف طریقہ سے یتیم کا مال کھانے کی اجازت ہے، یہاں معروف سے کیا مراد ہے؟

جواب: یہاں معروف سے مراد یہ ہے کہ جو شخص یتیم کی کفالت کر رہا ہے اور اس کے مال کا ذمہ دار ہے، اسے چاہیے کہ یتیم کے مال سے تجارت کرے، جو نفع ہو، نصف نصف تقسیم کر لے۔ یا یتیم کے مال سے قرض لے، بعد میں اس کی ادائیگی کر دے۔ یہ دونوں معروف طریقے ہے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۷۸)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: حاملہ کی عدت طلاق کیا ہے؟

جواب: حاملہ کو طلاق ہو یا اس کا شوہر وفات پا جائے، اس کی عدت ہر صورت میں وضع حمل ہے، جیسے ہی بچہ پیدا ہوا، اسی وقت عورت عقد سے آزاد ہو جاتی ہے، خواہ چند لمحوں بعد ہی وضع حمل ہو جائے یا کئی ماہ کے بعد بچہ پیدا ہو۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطّلاق : ٤)

''حاملہ کی عدت وضع حمل ہے۔''

❀ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجَلُ الْمُطَلَّقَةِ الْحَامِلِ أَنْ تَضَعَ حَمْلُهَا لَا اخْتِلَافَ فِيهِ، وَإِذَا طُلِّقَتِ الْمَرْأَةُ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا وَفِي بَطْنِهَا أَوْلَادٌ لَا تَنْقَضِي عِدَّتُهَا إِلَّا بِوَضْعِ آخِرِ الْحَمْلِ، وَالْعِدَّةُ تَنْقَضِي بِالسِّقْطِ تُسْقِطُهُ الْمَرْأَةُ إِذَا اسْتَبَانَ خَلْقُهُ.

''مطلقہ حاملہ کی عدت وضع حمل ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ جب عورت کو طلاق ہو جائے اور اس شوہر وفات پا جائے اور عورت کے پیٹ میں اس کا

بچہ ہو، تو اس کی عدت حمل کے وضع ہونے تک ختم نہ ہوگی، اگر پیٹ میں بچے کی تخلیق ظاہر ہونے کے بعد بچہ ساقط ہو جائے، تب بھی عورت کی عدت ختم ہو جاتی ہے۔‘‘

(الإقناع :324/1)

سوال: کیا زرد رنگ کا جوتا پہننے سے رنج و غم دور ہوتے ہیں؟

جواب: زرد رنگ کا جوتا پہننے سے رنج و غم دور ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔ اس بارے میں مروی روایات کا جائزہ پیشِ خدمت ہے؛

❀ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَبِسَ نَعْلًا صَفْرَاءَ لَمْ يَزَلْ يَخُوضُ فِي سُرُورٍ، لِأَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ قَالَ فِي كِتَابِهِ : ﴿صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ﴾ (البقرة : ٦٩)

’’جس نے زرد رنگ کا جوتا پہنا، وہ ہمیشہ خوشحال رہے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا: ﴿صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ﴾ (البقرة : ٦٩) ’’(ایسی گائے ذبح کرو) جو گہرے زرد رنگ کی ہو، دیکھنے والوں کو بھاتی ہو۔‘‘

(فوائد أبي عثمان البحيري : 6)

اس روایت کا مرفوع ہونا غلطی ہے، یہ موقوف روایت ہے، جیسا کہ تمام کتب میں منقول ہے۔

(تفسير ابن أبي حاتم :138/1، الطّيوريات : 888، مُعجم ابن الأعرابي : 968،

المُعجم الكبير للطّبراني : 263/10، تاريخ بغداد للخطيب : 25/5، الجامع لأخلاق الراوي للخطيب : 915)

روایت باطل ہے۔ابن العذ راء متہم ہے۔

❁ ابن العذ راء کی متابعت فضل بن ربیع نے کی ہے۔

(الضّعفاء الكبير :235/1، 446/3)

① فضل بن ربیع مجہول ہے۔

❁ اسے امام عقیلی رحمہ اللہ نے ''مجہول'' کہا ہے۔

(الضّعفاء الكبير :235/1)

❁ نیز فرماتے ہیں:

لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ مِنْ وَجْهٍ يَثْبُتُ .

''کسی ثابت سند میں اس کی متابعت نہیں ہوئی۔''

(الضّعفاء الكبير : 446/3)

② حسن بن علی نمیری مجہول وغیر معروف ہے۔

❁ اسے امام عقیلی رحمہ اللہ نے ''مجہول'' کہا ہے۔

(الضّعفاء الكبير :235/1)

❁ حسین بن علی کی متابعت یحییٰ بن عبدالحمید حمانی نے کی ہے۔

(سؤالات ابن الجنيد : 834)

① یحییٰ حمانی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

”اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔“

(لِسان المیزان : 434/7)

② فضل بن شہاب لگتا ہے کہ یہ فضل بن ربیع ہی ہے، جو کہ مجہول ہے۔

❁ اس حدیث کے بارے میں امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حديثٌ كَذِبٌ مَوْضُوعٌ .

”یہ حدیث جھوٹی اور من گھڑت ہے۔“

(علل الحدیث لابن أبي حاتم : 2473، الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم : 325/9)

❁ علامہ ابن العربی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ عِنْدِي .

”میری تحقیق میں یہ روایت ثابت نہیں۔“

(أحکام القرآن :389/1)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ كِذْبٌ . ”یہ جھوٹی روایت ہے۔“

(دیوان الضعفاء : 474)

❁ نیز اس حدیث کو ”منکر“ کہا ہے۔

(میزان الاعتدال :509/1)

❁ حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے ”ضعیف“ کہا ہے۔

(الأجوبة المرضیة : 856/2)

❁ حافظ ابن عراق کنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

خَبَرٌ كِذْبٌ . ''یہ جھوٹی روایت ہے۔''

(تنزيه الشّريعة :96/1)

❁ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

مَنْ لَبِسَ نَعْلًا صَفْرَاءَ قَلَّ هَمُّهُ .

''جو زرد رنگ کا جوتا پہنتا ہے، اس کے غم کم ہوتے ہیں۔''

(تفسير الثّعلبي :384/3)

باطل اور بے اصل روایت ہے۔

❁ علامہ زیلعی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

غَرِيبٌ عَنْ عَلِيٍّ وَلَمْ أَجِدْهُ إِلَّا عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ .

''یہ روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بے اصل ہے، مجھے صرف عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ملی ہے (وہ بھی باطل ہے)۔''

(تخريج أحاديث الكشّاف :65/1)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَوْقُوفٌ لَمْ أَجِدْهُ .

''یہ روایت موقوف ہے، مجھے یہ روایت نہیں ملی۔''

(تخريج الكشاف :150/1)

تنبیہ:

❁ یحییٰ بن ابی کثیر رحمہ اللہ سے مروی ہے:

كَانَ يُقَالُ : إِيَّاكُمْ وَهٰذِهِ النِّعَالَ السُّودَ، فَإِنَّهَا تُورِثُ الْهَمَّ .

''مشہور ہے کہ کالے رنگ کا جوتا پہننے سے اجتناب کریں، کیونکہ یہ غموں کو بڑھاتا ہے۔''

(مُعجم ابن المُقرئ : 1314)

روایت ضعیف ہے۔ایوب بن عتبہ ضعیف ہے۔

کالے رنگ کا جوتا پہننا جائز ہے، کراہت یا ممانعت پر کوئی دلیل نہیں۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

عَلَيْكُمْ بِهٰذِهِ الْخِفَافِ السُّوَدِ وَالْبِسُوهَا، وَهُوَ أَجْدَرُ أَنْ تَمْسَحُوا عَلَيْهَا .

''سیاہ رنگ کے موزے استعمال کریں، یہ پہنا کریں، انہی پر مسح بہتر رہے گا۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 1900، وسندهٗ صحيحٌ)

جب سیاہ موزے استعمال کیے جا سکتے ہیں، تو جوتے بھی سیاہ رنگ کے استعمال کیے جا سکتے ہیں، ویسے بھی سیاہ جوتے پہننے کی ممانعت یا کراہت نہیں۔

سوال: کیا وضو کے اعضا کو ایک ایک مرتبہ دھونا کافی ہے؟

جواب: اعضائے وضو کو کم سے کم ایک بار دھونا ضروری ہے، ایک بار دھونا کافی ہے، البتہ دو دو اور تین تین بار بھی دھویا جا سکتا ہے۔سر کا مسح صرف ایک بار ہی مشروع ہے۔

اعضائے وضو کو دھونے میں دو دو بار یا تین تین بار کی قید لگانا ضروری نہیں، ایک بار دھونا بھی کافی ہے۔قرآنی آیت کا عموم، احادیث صحیحہ صریحہ، آثار سلف اور اجماع اُمت اسی پر دلالت کناں ہیں۔

❀ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ عَلٰى أَنَّ مَنْ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً فَأَسْبَغَ الْوُضُوءَ أَنَّ ذٰلِكَ يُجْزِيهِ لِأَنَّ اللّٰهَ جَلَّ ذِكْرُهٗ قَالَ : ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾(المائدة : ٦)، فَأَمَرَ بِغَسْلِ الْوَجْهِ وَمَنْ غَسَلَهٗ مَرَّةً يَقَعُ عَلَيْهِ اسْمُ غَاسِلٍ، وَمَنْ وَقَعَ عَلَيْهِ اسْمُ غَاسِلٍ فَقَدْ أَدَّى مَا عَلَيْهِ، وَقَدْ ثَبَتَتِ الْأَخْبَارُ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ تَوَضَّأَ مَرَّةً مَرَّةً، وَثَبَتَ عَنْهُ أَنَّهٗ تَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا .

''اہل علم کا اجماع ہے، ان کے مابین اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس نے وضو میں ایک ایک بار اعضا کو دھویا، مگر عمدہ طریقہ سے وضو کیا، تو اسے یہ کفایت کرے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ﴾(المائدة : ٦) ''جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو، تو اپنے چہروں کو دھویا کرو......۔'' اللہ تعالیٰ نے چہرے کو دھونے کا حکم فرمایا ہے، جو شخص ایک مرتبہ بھی چہرہ دھوتا ہے، اس پر غاسل (دھونے والا) کا لفظ صادق آتا ہے اور جس پر غاسل (دھونے والا) کا لفظ صادق آئے، اس نے فرض ادا کر دیا ہے، (اس کے ساتھ ساتھ) رسول اللہ ﷺ سے احادیث ثابت ہیں کہ آپ ﷺ نے وضو میں ایک ایک مرتبہ اعضا کو دھویا، نیز یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے تین تین مرتبہ اعضا کو دھویا۔''

(الأوسط :407/1)

وضو میں اصل مقصود اعضائے وضو کو دھونا ہے، وہ مقصد ایک مرتبہ دھونے سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔

سوال: کفار و مشرکین ویلفیئر اور رفاہِ عامہ کے کام کرتے ہیں، کیا انہیں ان اعمال کا فائدہ ہوگا؟

جواب: ہر نیکی کی قبولیت کے لیے بنیادی شرط عقیدہ توحید اور ایمان ہے۔ اگر کسی نے کلمہ توحید کا اقرار نہیں کیا، وہ جتنی بھی نیکیاں کر لے، اس کے کام نہ آئیں گی۔ مشرکین مکہ بھی کئی ویلفیئر کے کام کرتے تھے، صدقات و خیرات، مہمان نوازی، حاجیوں کی خدمت اور خدمت عوام کے لیے ان کے کئی کام ہوتے تھے، پھر بھی ان کا ٹھکانہ جہنم بتایا گیا ہے، کیونکہ خدمت خلق بھی اس وقت کارآمد ہے، جب عقیدہ شرک سے پاک ہو۔

کفار، مشرکین، یہود و ہنود، نصاریٰ، ملاحدہ و زنادقہ جو بھی ویلفیئر میں خرچ کرتے ہیں، انہیں آخرت میں ان اعمال پر کوئی بدلہ نہ ملے گا، نہ میزان میں ان کوششوں کا کوئی وزن ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو ہوا میں اڑا دے گا۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَدِمْنَا إِلٰى مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَآءً مَّنْثُورًا﴾

(الفُرقان : ٢٣)

”ہم ان کے ہر (نیکی والے) عمل کی طرف آئیں گے اور اسے بکھرا ہوا غبار بنا دیں گے۔“

کسی مسلمان کو کسی ملحد کی سخاوت سے متاثر نہیں ہونا چاہیے، یہ اعمال غیر مسلموں کے کسی کام نہ آئیں گے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ﴾(آل عمران : ۱۱۷)

''یہ (کافر) لوگ دنیا کی زندگی میں جو کچھ بھی خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال اس تیز آندھی کی سی ہے، جس میں پالا ہو اور وہ ظالم قوم کی کھیتی کو آپہنچے اور اسے تہس نہس کر دے۔''

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مثال دے کر سمجھایا ہے کہ کفار اور غیر مسلموں کے صدقات وخیرات اور رفاہِ عامہ کے کاموں کا اجر روز آخرت اس طرح ضائع ہو جائے گا، جس طرح کسی کی لہلہاتی کھیتی پر طوفان ٹوٹ پڑے، تو وہ کھیتی تباہ و برباد ہو جاتی ہے اور کسان کو اس کھیتی کا کوئی فائدہ نہیں ہو پاتا۔

بالکل اسی طرح غیر مسلموں کے مالی صدقات کا حال ہے کہ جب قیامت قائم ہو گی، تو ان کے اعمال بالکل اسی طرح برباد ہو جائیں گے، جیسے تیار فصل کو طوفان تباہ کر دیتا ہے۔

مسلمانو! کسی غیر مسلم کا خرچ کرنا کسی کو غلط فہمی میں مبتلا نہ کر دے کہ ان کے اعمال کیسے ضائع ہو سکتے ہیں، اس نے تو یہ نیکی کی ہوئی ہے۔

اللہ تعالیٰ انسانوں کا خالق ہے، انسانوں پر اسی کا حکم چلتا ہے، اس کے احکام کو اس طرح اختیار کیا جائے گا، جس طرح اس نے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ عبادات میں اجر وثواب اس وقت ملتا ہے، جب ان کی شروط وقیود کا خیال رکھا جائے گا۔

ایک شخص پنجگانہ نماز پڑھے، مگر جان بوجھ کر وضو نہ کرے، تو کیا اس کی نماز قبول ہو گی؟ ہر گز نہیں، کیونکہ اس نے نماز کے لیے وقت اور انرجی تو خرچ کی، مگر اس طریقہ کے

مطابق نہیں کی، جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ ہر عمل کی قبولیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے بعض شرائط عائد کی ہیں۔ ہر نیکی کے لیے بنیادی شرط عقیدہ توحید اور شرک سے اجتناب کو قرار دیا ہے۔ اگر کوئی شخص عقیدہ توحید کا اقرار ہی نہ کرے یا شرک میں مبتلا ہو، تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی نیکی بھی قبول نہ کرے گا، بلکہ اگر کوئی نیکی کی بھی ہے، تب بھی وہ نیکی ضائع ہو جائے گی۔ اس مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑے شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیا ہے اور اپنی مخلوق پر حجت تمام کر دی ہے۔

سوال: کیا غسل نفاس واجب ہے؟

جواب: نفاس والی عورت جب پاک ہو گی، تو اس پر غسل واجب ہے۔ اس پر احادیث صحیحہ اور اجماع اُمت دلیل ہیں۔

❁ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ عَلٰى أَنَّ عَلَى النُّفَسَاءِ الْاِغْتِسَالَ عِنْدَ خُرُوجِهَا مِنَ النِّفَاسِ .

”اہل علم کا اجماع ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ نفاس والی عورتیں جب نفاس سے پاک ہوں، تو ان پر غسل واجب ہے۔“

(الأوسط : 248/2)

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِقِيَامِ اللَّيْلِ، وَلَوْ رَكْعَةً وَاحِدَةً .

”قیام اللیل کو لازم کر لیں، خواہ ایک رکعت ہی کیوں نہ ہو۔“

(سنن الدّارمي : 2764، المُعجم الأوسط للطبراني : 6821)

جواب: سند ضعیف ہے۔

① محمد بن عجلان کا عنعنہ ہے۔

② حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ ہاشمی ضعیف ہے۔

❀ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ أَكْثَرُ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ .

''اکثر محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(السّنن الکبریٰ : 346/10)

❀ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔''

(مَجمع الزَّوائد : 60/5، 281/7)

❀ علامہ عینی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔''

(عُمدة القاري : 104/11)

سوال: ایک شخص اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتا ہے، مگر ایک رسول کو نہیں مانتا، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب: ایمان کے صحیح ہونے کے لیے بنیادی شرط ہے کہ اجمالاً وتفصیلاً تمام نبیوں

اور رسولوں پر ایمان لایا جائے۔ کسی ایک بھی ثابت رسول یا نبی کا انکار کفر بواح ہے۔ جانتے بوجھتے ایسا کرنے والا کافر و مرتد ہے۔

ایک رسول کا انکار تمام رسولوں کا انکار ہے، کیونکہ سب کی دعوت ایک ہے۔ بلکہ کسی ایک رسول کا انکار کرنا، اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق پیدا کرنا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہی رسولوں پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، کیا کسی رسول کا انکار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا؟ ہرگز نہیں۔

بعض رسولوں پر ایمان لے آنا اور بعض کا انکار کرنا صریح کفر ہے۔

اہل ایمان کا معاملہ الگ ہے، وہ تمام نبیوں اور رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ ان پر ایمان لانے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ لہٰذا جس کا تمام رسولوں پر ایمان نہیں، اس کا اللہ پر بھی ایمان نہیں۔ نہ وہ کسی فلاح کا مستحق ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُّفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيدُونَ أَنْ يَّتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ۝ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا وَّأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۝ وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ (النّساء: ١٥٠-١٥٢)

”بلاشبہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور اللہ

تعالیٰ اوراس کے رسولوں کے درمیان (ایمان لانے کے اعتبار سے) تفریق ڈالنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لاتے ہیں اور بعض کے ساتھ کفر کرتے ہیں، وہ بیچ کا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں۔ یہی لوگ حقیقی کافر ہیں اور ہم نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جبکہ وہ لوگ، جو اللہ اوراس کے رسولوں پر ایمان لاتے ہیں، نیز ان (رسولوں) میں سے کسی کے درمیان تفریق پیدا نہیں کرتے (یعنی سب پر ایمان لاتے ہیں)، یہی وہ لوگ ہیں، جنہیں ان کے اجر دیے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور خوب رحم کرنے والا ہے۔''

سوال: کیا زخموں پر بھی قصاص ہے؟

جواب: زخموں پر بھی قصاص ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ﴾ (المائدة : ٤٥)

''سب زخموں میں برابر برابر بدلہ ہے۔''

بعض کا یہ کہنا کہ اس میں برابری اور مساوات ممکن نہیں لہٰذا ہر زخم پر قصاص نہیں۔ یہ بات درست نہیں، جتنا ممکن ہو سکے قصاص میں برابری کی جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس پر عمل کیا جائے گا، اللہ کے حکم پر اعتراض نہیں۔ جو جانتے بوجھتے اللہ تعالیٰ کی حدود وقوانین پر اعتراضات وارد کرتے ہیں یا ان کا استخفاف واستحقار کرتے ہیں، انہیں کافر، ظالم اور فاسق کہا گیا ہے۔

البتہ اگر مظلوم خود معاف کر دے، تو اس کی مرضی ہے۔

سوال: کیا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کی گواہی دو بندوں کے برابر تھی؟

جواب: سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کو یہ خصوصیت حاصل تھی کہ آپ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو بندوں کے برابر قرار دیا گیا تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی سیدنا خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی کو دو بندوں کے برابر تسلیم کیا ہے۔

❁ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

الَّذِي جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَتَهُ شَهَادَةَ رَجُلَيْنِ .

”سیدنا خزیمہ رضی اللہ عنہ وہ شخصیت تھے کہ جن کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو بندوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تھا۔“

(صحيح البخاري : 2807)

اس اعزاز کی وجہ تفصیلی واقعہ ہے، جو ذیل کی حدیث میں بیان کیا گیا ہے۔

❁ عمارہ بن خزیمہ رحمہ اللہ اپنے چچا جو کہ صحابی ہیں، سے بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْتَاعَ فَرَسًا مِنْ أَعْرَابِيٍّ، فَاسْتَتْبَعَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَقْضِيَهُ ثَمَنَ فَرَسِهٖ، فَأَسْرَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَشْيَ وَأَبْطَأَ الْأَعْرَابِيُّ، فَطَفِقَ رِجَالٌ يَعْتَرِضُونَ الْأَعْرَابِيَّ، فَيُسَاوِمُونَهُ بِالْفَرَسِ وَلَا يَشْعُرُونَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْتَاعَهُ، فَنَادَى الْأَعْرَابِيُّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : إِنْ

كُنْتَ مُبْتَاعًا هٰذَا الْفَرَسِ وَإِلَّا بِعْتُهُ؟ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ سَمِعَ نِدَاءَ الْأَعْرَابِيِّ، فَقَالَ : أَوْ لَيْسَ قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ؟ فَقَالَ الْأَعْرَابِيُّ : لَا، وَاللّٰهِ مَا بِعْتُكَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : بَلٰى، قَدِ ابْتَعْتُهُ مِنْكَ فَطَفِقَ الْأَعْرَابِيُّ يَقُولُ : هَلُمَّ شَهِيدًا، فَقَالَ خُزَيْمَةُ بْنُ ثَابِتٍ : أَنَا أَشْهَدُ أَنَّكَ قَدْ بَايَعْتَهُ، فَأَقْبَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى خُزَيْمَةَ فَقَالَ : بِمَ تَشْهَدُ؟، فَقَالَ : بِتَصْدِيقِكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَةَ خُزَيْمَةَ بِشَهَادَةِ رَجُلَيْنِ .

’’نبی کریم ﷺ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا، آپ ﷺ اسے اپنے ساتھ لے آئے تاکہ گھوڑے کی قیمت ادا کردیں، آپ ﷺ جلدی جلدی چلنے لگے، دیہاتی نے تاخیر کردی، لوگ دیہاتی کے پاس آنا شروع ہوئے اور گھوڑے کا بھاؤ کرنے لگے اور وہ لوگ یہ نہ سمجھ سکے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے خرید لیا ہے، بعض لوگوں نے گھوڑے کی قیمت اس سے زیادہ لگائی، جس قیمت پر رسول اللہ ﷺ نے خریدا تھا، تو دیہاتی نے رسول اللہ ﷺ کو پکارا اور کہا: اگر آپ اسے خریدتے ہیں، تو خرید لیجیے، ورنہ میں نے اسے بیچ دیا، دیہاتی کی آواز سن کر نبی کریم ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا: کیا میں نے آپ سے یہ گھوڑا خرید نہیں لیا؟ دیہاتی نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! میں نے یہ آپ کو فروخت نہیں کیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ میں یہ آپ سے خرید چکا ہوں، پھر

دیہاتی کہنے لگا کہ گواہ پیش کیجئے، تو سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ بول پڑے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ تم یہ گھوڑا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فروخت کر چکے ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا: آپ کیسے گواہی دے رہے ہیں؟ سیدنا خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کی تصدیق کی وجہ سے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہ رضی اللہ عنہ کی گواہی دو آدمیوں کے برابر قرار دے دی۔"

(سنن أبي داوٗد: 3607، وسندہٗ صحیحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (موافقة الخبر الخبر لابن حجر: ۱/۱۸)، امام حاکم رحمہ اللہ (۲/۱۷) نے "صحیح الاسناد" کہا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے "صحیح" کہا ہے۔

❀ حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نے "صحیح" کہا ہے۔

(تنقیح التّحقیق: 78/5)

❀ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ . "یہ حدیث صحیح ہے۔"

(البدر المنیر: 462/7)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ . "یہ حدیث صحیح ہے۔"

(موافقة الخبر الخبر: 18/2)

سوال: کیا قصاصاً مثلہ کیا جا سکتا ہے؟

جواب: قصاصاً مثلہ کرنا جائز ہے۔ اس پر کتاب وسنت میں متعدد دلائل ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ﴾

(البقرة : ١٩٤)

''جس نے تمہارے ساتھ زیادتی کی ہو، تو تم بھی ان کے ساتھ اتنی ہی زیادتی کر سکتے ہو، جیسے اس نے تمہارے ساتھ کی ہے۔''

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهٖ﴾(النّحل : ١٢٦)

''اگر تم نے بدلہ لینا ہے، تو اتنا ہی بدلہ لے سکتے ہو، جتنی تمہیں تکلیف پہنچائی گئی ہے۔''

❁ نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوقِبَ بِهٖ ......﴾(الحجّ : ٦٠)

''جس نے اسی قدر بدلہ لیا، جتنی اسے تکلیف پہنچائی گئی تھی......۔''

❁ سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ نَفَرًا مِّنْ عُكْلٍ وَّعُرَيْنَةَ تَكَلَّمُوا بِالْإِسْلَامِ، فَأَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرُوهُ أَنَّهُمْ أَهْلُ ضَرْعٍ وَّلَمْ يَكُونُوا أَهْلَ رِيفٍ، وَّشَكَوْا حُمَّى الْمَدِينَةِ، فَأَمَرَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذَوْدٍ، وَّأَمَرَ لَهُمْ بِرَاعٍ، وَّأَمَرَهُمْ أَنْ يَّخْرُجُوا فَيَشْرَبُوا مِنْ أَلْبَانِهَا وَأَبْوَالِهَا، فَانْطَلَقُوا بِنَاحِيَةِ الْحَرَّةِ، فَكَفَرُوا

بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ، وَقَتَلُوا رَاعِيَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَاقُوا الذَّوْدَ، فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَبَعَثَ الطَّلَبَ فِي آثَارِهِمْ، فَأُتِيَ بِهِمْ، فَسَمَرَ أَعْيُنَهُمْ، وَقَطَعَ أَيْدِيَهُمْ وَأَرْجُلَهُمْ، وَتُرِكُوا بِنَاحِيَةِ الْحَرَّةِ يَقْضِمُونَ حِجَارَتَهَا حَتّٰى مَاتُوا قَالَ قَتَادَةُ : فَبَلَغَنَا أَنَّ هٰذِهِ الْآيَةَ أُنْزِلَتْ فِيهِمْ :

﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ﴾ (المائدة : ٣٣) .

”عکل اور عرینہ قبیلے کے کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا، وہ نبی کریم ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو بتایا کہ وہ زمیندار نہیں، بل کہ چرواہے ہیں، نیز انہوں نے مدینہ کے بخار کی شکایت کی، نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے اونٹوں اور چرواہوں کا (بندو بست کرنے کا) حکم دیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ (مدینہ سے) باہر چلے جائیں، ان کا دودھ اور پیشاب پئیں، وہ حرہ (پتھریلا میدان) کے ایک کونے میں چلے گئے اور اسلام لانے کے بعد کافر (مرتد) ہو گئے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کے چرواہے کو قتل کیا اور اونٹ ہانک کر لے گئے، نبی کریم ﷺ کو یہ خبر پہنچی، تو آپ نے ان کے پیچھے لوگوں کو تلاش کرنے کے لیے بھیجا، انہیں لایا گیا، تو آپ نے ان کی آنکھوں میں سلائی گرم کر کے ڈالی اور ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے، پھر انہیں حرہ کے کنارے میں پھینک دیا گیا وہ پتھر چباتے چباتے مر گئے۔

قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں : ہمیں خبر ملی ہے کہ آیت ﴿إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ

يُحَارِبُونَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ﴾(المائدة : ٣٣) انہی کے متعلق نازل ہوئی ہے۔‘‘

(صحيح البخاري : 4192، صحيح مسلم : 1671، المنتقٰى لابن الجارود : 846)

❁ سیدنا انس رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا سَمَرَ أَعْيُنَهُمْ لِأَنَّهُمْ سَمَرُوا أَعْيُنَ الرُّعَاةِ.

’’نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی آنکھوں میں (گرم) سلائیاں ڈالیں، کیوں کہ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں سلائیاں ڈالی تھیں۔‘‘

(صحيح مسلم : 1671، المنتقٰى لابن الجارود : 846)

معلوم ہوا کہ عکل اور رعل کے مرتدوں کے ساتھ ایسا سلوک قصاصا کیا تھا، کیونکہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چرواہوں کو بھی اسی طرح بے دردی کے ساتھ شہید کیا تھا۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

عَدَا يَهُودِيٌّ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى جَارِيَةٍ، فَأَخَذَ أَوْضَاحًا كَانَتْ عَلَيْهَا، وَرَضَخَ رَأْسَهَا، فَأَتٰى بِهَا أَهْلُهَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهِيَ فِي آخِرِ رَمَقٍ وَقَدْ أُصْمِتَتْ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ قَتَلَكِ؟ فُلَانٌ لِغَيْرِ الَّذِي قَتَلَهَا، فَأَشَارَتْ بِرَأْسِهَا أَنْ لَّا، قَالَ : فَقَالَ لِرَجُلٍ آخَرَ غَيْرِ الَّذِي قَتَلَهَا، فَأَشَارَتْ أَنْ لَّا، فَقَالَ : فَفُلَانٌ لِقَاتِلِهَا، فَأَشَارَتْ أَنْ نَعَمْ، فَأَمَرَ بِهٖ رَسُولُ

اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرُضِخَ رَأْسُهٗ بَيْنَ حَجَرَيْنِ .

’’عہد نبوی میں ایک یہودی نے ایک لڑکی پر ظلم کیا اور اس کے زیورات چھین لیے اور (پتھروں سے) اس کا سر کچل دیا، لڑکی کے گھر والے اسے لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، لڑکی کے آخری سانس چل رہے تھے اور بولنے سے قاصر تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا: کیا آپ کو فلاں نے قتل کیا؟ آپ ﷺ نے اس شخص کا نام ذکر کیا، جس نے اسے قتل نہ کیا تھا، تو لڑکی نے سر کے اشارے سے بتایا کہ نہیں، پھر آپ ﷺ نے پوچھا: کیا آپ کو فلاں نے قتل کیا، اس بار بھی آپ ﷺ نے قاتل کے علاوہ کسی دوسرے کا نام لیا، تو لڑکی نے پھر نفی میں سر ہلایا۔ پھر آپ ﷺ نے قاتل کا نام ذکر کیا، تو لڑکی نے اثبات میں سر ہلایا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حکم فرمایا، (یہودی کو لایا گیا اور اس نے جرم کا اقرار کر لیا)، اس قاتل کا سر دونوں پتھروں کے درمیان رکھ کر کچل دیا گیا۔‘‘

(صحيح البخاري: 5295، صحيح مسلم: 1672)

جس طرح یہودی نے لڑکی کے سر کو پتھروں سے کچلا، نبی کریم ﷺ نے بھی اس کے سر کو پتھروں سے کچل دیا۔

ثابت ہوا کہ قصاص میں قاتل کے ساتھ وہی سلوک کیا جا سکتا ہے، جس طرح قاتل نے مقتول کے ساتھ کیا ہو، الا کہ کوئی شرعی قباحت نہ ہو۔

❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁ ❁

فتاویٰ امن پوری (قسط۶۷۹)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: اذان کا مذاق اڑانے والے کا کیا حکم ہے؟

جواب: اذان اسلام کا شعار ہے، اس کی تعظیم واجب ہے۔ اذان کا مذاق اڑانا حرام اور ناجائز ہے، یہ کفار کا فعل ہے۔

❀ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا﴾(المائدۃ : ۵۸)

”جب تمہیں نماز کی طرف بلایا جاتا ہے، تو وہ (کفار) اس (اذان) کو ہنسی مذاق اور کھیل تماشا بنا لیتے ہیں۔“

سوال: زنا میں کتنے گواہ ضروری ہیں؟

جواب: زنا کے ثبوت کے لیے کم سے کم چار عادل گواہ شرط ہیں، اگر چار گواہ نہ ہوں، تو شہادت مکمل نہیں ہوتی۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾(النّور : ٤)

''وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں، پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے، تو انہیں اَسی (۸۰) کوڑے مارو اور ان کی (آئندہ) کبھی گواہی بھی قبول نہ کرو، یہ فاسق لوگ ہیں۔''

❁ امام ابن منذر رحمہ اللہ (۳۱۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ لَا اخْتِلَافَ بَيْنَهُمْ أَنَّ الشَّهَادَةَ عَلَى الزِّنٰى أَرْبَعَةٌ لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ أَقَلُّ مِنْ ذٰلِكَ.

''اہل علم کا اجماع ہے، کسی کا اختلاف نہیں کہ زنا میں چار گواہ ہیں، اس سے کم گواہوں کی گواہی قبول نہیں۔''

(الإشراف: 301/7)

اگر شوہر اپنی بیوی پر زنا کی تہمت لگائے اور چار عینی گواہ پیش کر دے، تو اس کی بیوی پر حد رجم لگے گی، لیکن اگر چار عینی گواہ پیش نہ کر سکے، تو ان کے درمیان لعان ہو جائے گا۔ لعان سے ان کے درمیانی جدائی واقع ہو جائے گی۔

سوال: کیا عورتوں کے لیے نماز جمعہ میں شامل ہونا فرض ہے؟

جواب: نماز جمعہ باجماعت فرض ہے، یہ نماز ظہر کا بدل ہے، تمام مسلمانوں کو باجماعت جمعہ ادا کرنا ضروری ہے، البتہ اس حکم سے بعض مسلمان مستثنیٰ ہیں: ① آزاد عورت ② غلام مرد اور عورت ③ بچے ④ مسافر ⑤ جو عذر کی وجہ سے مسجد نہیں جا سکتے۔

ان مسلمانوں پر جمعہ میں حاضر ہونا واجب نہیں، البتہ یہ جمعہ کی بجائے نماز ظہر ادا کریں گے۔ لیکن اگر یہ جمعہ میں حاضر ہو سکیں، تو ہو سکتے ہیں۔

❁ امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (۳۲۱ھ) فرماتے ہیں:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلاةِ﴾، فَكَانَ ظَاهِرُ ذٰلِكَ عَلَى الْعُمُومِ، وَعَلٰى كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ، ثُمَّ بَيَّنَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الْمُرَادَ بِذٰلِكَ خَاصٌّ مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ، وَأَنَّ النِّسَاءَ الْأَحْرَارَ، وَالْعَبِيدَ، وَالْإِمَاءَ، وَالْمُسَافِرِينَ، وَذَوِي الزَّمَانَاتِ الَّذِينَ لَا يَسْتَطِيعُونَ مَعَهَا الْمَشْيَ، وَذَوِو الْأَمْرَاضِ الَّذِينَ كَذٰلِكَ غَيْرُ دَاخِلِينَ فِيمَنْ خُوطِبَ بِهٰذِهِ الْآيَةِ وَهٰذَا مِمَّا لَا اخْتِلَافَ فِيهِ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِيمَا عَلِمْنَاهُ.

''فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلاةِ﴾ ''اہل ایمان! جب (جمعہ کے دن) نماز کے لیے اذان کہی جائے۔'' اس آیت کے ظاہر سے لگتا ہے کہ یہ (تمام مسلمانوں کے لیے) عام ہے، ہر مؤمن مرد اور مؤمن عورت اس میں مخاطب ہے۔ لیکن سنت سے وضاحت ہوئی کہ اس سے مراد خاص مؤمن ہیں۔ آزاد عورتیں، غلام، لونڈیاں، مسافر، اپاہج افراد کہ جو چلنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور ایسے امراض کا شکار افراد، جو چلنے سے قاصر ہیں، مذکورہ سب اس آیت کے مخاطبین میں داخل نہیں ہیں۔ ہمارے علم کے مطابق اس میں اہل علم کے مابین کچھ اختلاف نہیں۔''

(أحکام القرآن: 147/1)

سوال: ''بچے دو ہی اچھے'' جیسے نعرے کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب: نعرہ ''بچے دو ہی اچھے'' غیر مسلموں کی طرف سے آیا ہے۔ اس کے پیچھے یہ

نظریہ ہے کہ اگر زیادہ بچے پیدا کیے گئے، تو ان کی دیکھ بھال اور کھانے پینے کے اخراجات بڑھ جائیں گے، ریاستی ذمہ داریاں بڑھ جائیں گی۔ اس لیے دو بچے پیدا کریں اور ان کی اچھی دیکھ بھال کریں، ان کی تعلیم و تربیت پر توجہ دیں۔

سننے اور دیکھنے میں یہ نعرہ متاثر کن لگتا ہے۔ مگر شرعی نکتہ نظر سے یہ نظریہ اور فکر درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے رزق کا بندوبست کیا ہے۔ جو اللہ موجود انسانوں کو کھلاتا ہے، وہ آئندہ آنے والی نسلوں کو بھی کھلانے پر قادر ہے۔ جس نے موجودہ انسانوں کو وسائل عطا کیے ہیں، وہ آئندہ آنے والوں کے لیے بھی وسائل کا بندوبست کر دے گا۔ جو ماں باپ دو بچوں کی تربیت کر سکتے ہیں، وہ زیادہ بچوں کی بھی تربیت کر سکتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت کے لوگوں میں ایک خصلت بد تھی کہ وہ اپنی ہی اولاد کو قتل کر دیتے تھے، اس فعل شنیع میں ان کا بہانہ یہ تھا کہ ہمیں انہیں کھلائیں گے کہاں سے؟ اللہ تعالیٰ نے اس سوچ کا سختی سے رد فرمایا۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا﴾(بني إسرائيل : ٣١)

”غربت کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو، ہم ہی انہیں اور تمہیں رزق دیتے ہیں، انہیں قتل کرنا بہت بڑی خطا ہے۔“

❁ نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ مِنْ إِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾

(الأنعام : ١٥١)

”مفلسی کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل مت کرو، ہم ہی تمہیں اور انہیں رزق دیتے ہیں۔“

اولاد کو قتل کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ ماں کے پیٹ میں موجود بچے کا اسقاط کرا دیا جائے یا حمل کو ضائع کر دیا جائے۔ اس کے لیے باقاعدہ ادویات فروخت کی جاتی ہیں اور ڈاکٹرز سے رجوع کیا جاتا ہے۔

یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ بسا اوقات ماں زیادہ بچے پیدا کرنے کی متحمل نہیں ہوتی، ماں کی صحت کو خطرہ ہو، تو اس صورت میں زیادہ بچوں سے گریز کیا جا سکتا ہے، لیکن جس طرح عالمی اور ریاستی سطح پر فیملی پلاننگ کے لیے تحریکیں چلائی جاتی ہیں، اس کی حوصلہ شکنی چاہیے۔

عورت تندرست ہے، تو زیادہ بچے پیدا کرنا جائز اور صحیح ہے، بلکہ مستحسن ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایسی عورتوں سے شادی کرنے کی ترغیب دی ہے، جن کی خاندان کی عورتیں زیادہ بچے پیدا کرنے والی ہیں۔

❀ نبی کریم ﷺ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ، وَبَارِكْ لَهٗ فِيهِ .

”اللہ! انس کو مال و اولاد کی کثرت عطا فرما اور ان میں برکت دے۔“

(صحیح مسلم: 660)

اگر زیادہ بچے پیدا کرنا مطلقاً ناپسندیدہ ہوتا، تو نبی کریم ﷺ اپنے صحابی کو یہ دعا نہ دیتے۔ معلوم ہوا کہ کثیر الاولاد ہونا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، اس فضل سے ہاتھ پیچھے کر لینا بدنصیبی کے سوا کچھ نہیں۔

سوال: کیا نماز جمعہ فرض کفایہ ہے؟

جواب: نماز جمعہ فرض عین ہے۔ ہر اس شخص پر جمعہ کے لیے حاضر ہونا ضروری ہے، جس پر جمعہ فرض ہے۔

✿ علامہ ماوردی شافعی رحمہ اللہ (۴۵۰ھ) فرماتے ہیں:

لَا اخْتِلَافَ بَيْنَ الْعُلَمَاءِ أَنَّ الْجَمَاعَةَ لِلْجُمُعَةِ مِنْ فُرُوضِ الْأَعْيَانِ .

”اس بارے میں علما کوئی اختلاف نہیں کہ جمعہ کی جماعت میں شرکت کرنا فرض عین (ہر ہر فرد پر فرض) ہے۔“

(الحاوي الكبير : 2/297)

سوال: تمباکو کی کاشت کا کیا حکم ہے؟

جواب: تمباکو کی کاشت جائز نہیں، کیونکہ تمباکو سے بنی اشیا مثلاً سگریٹ، بیڑی، نسوار اور پان وغیرہ کا استعمال حرام ہے۔ لہٰذا تمباکو کی کاشت اور تجارت بھی حرام ہے۔

سوال: کیا نبوت وہبی شے ہے؟

جواب: نبوت وہبی ہوتی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے، عطا کر دیتا ہے۔ یہ کسبی نہیں یعنی محنت کر کے نبوت کا منصب حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے، وہ جس پر چاہے کر دے۔

اللہ تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام سے لے کر آخری نبی اور آخری رسول محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک جسے بھی نبوت عطا کی، وہ اپنے انتخاب سے کی۔ انبیا نے یہ درجہ اپنی محنت سے حاصل نہیں کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب یہ منصب کسی کو عطا نہ ہوگا، نہ کوئی نبی یا رسول پیدا ہوگا۔ اب صرف قیامت قائم ہوگی۔ قیامت تک اگر کوئی بھی نبوت کا دعویٰ کرے، وہ زندیق اور مرتد

ہے اور واجب القتل ہے۔

ذیل کی آیات دلالت کناں ہیں کہ نبوت وہبی ہوتی ہے، کسبی نہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اَللّٰهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾(الأنعام : ١٢٤)

''اللہ تعالیٰ بخوبی جانتا ہے کہ وہ اپنی رسالت کس کو سونپے۔''

❁ نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلَائِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ﴾(الحَجّ : ٧٥)

''اللہ فرشتوں اور انسانوں سے اپنے پیامبر منتخب کرتا ہے، بلاشبہ وہ خوب سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔''

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ❊ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾

(آل عمران : ٧٣-٧٤)

''(اے نبی!) کہہ دیجئے کہ ہر طرح کا فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے، وہ جسے چاہتا ہے، دے دیتا ہے، بلاشبہ اللہ بڑی وسعت والا اور خوب علم والا ہے۔ وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے، خاص کر دیتا ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل والا ہے۔''

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَمَا كَانَ لَنَا أَنْ نَأْتِيَكُمْ بِسُلْطَانٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللّٰهِ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾(إبراهيم : ١١)

''انہیں ان کے رسولوں نے جواب دیا کہ ہم بشر ہی ہیں، مگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے (نبوت عطا کر کے اس پر) احسان کرتا ہے، ہمیں کوئی اختیار نہیں کہ ہم کوئی نشانی لے آئیں، مگر صرف اللہ کے حکم سے، مؤمنوں کو اللہ پر ہی توکل کرنا چاہیے۔''

❁ نواب صدیق حسن خان قنوجی رحمہ اللہ (۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ النُّبُوَّةَ أَمْرٌ وَهْبِيٌّ لَا كَسْبِيٌّ كَمَا يَزْعُمُهُ الْمُتَفَلْسِفَةُ وَالْحُكَمَاءُ.

''یہ آیت دلیل ہے کہ نبوت وہبی ہوتی ہے، کسبی نہیں، جیسا کہ فلاسفہ اور حکما (جو ہر حکم میں حکمت تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں) کہتے ہیں۔''

(فتح البیان : 93/7)

❁ علامہ ابوحیان اندلسی رحمہ اللہ (۷۴۵ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ ذَهَبَ إِلٰى أَنَّ النُّبُوَّةَ مُكْتَسَبَةٌ لَّا تَنْقَطِعُ، أَوْ إِلٰى أَنَّ الْوَلِيَّ أَفْضَلُ مِنَ النَّبِيِّ، فَهُوَ زِنْدِيقٌ يَّجِبُ قَتْلُهٗ.

''جو یہ کہتے ہیں کہ نبوت کسبی ہے، منقطع نہیں ہوتی، یا سمجھتے ہیں کہ ولی نبی سے افضل ہوتا ہے، وہ زندیق ہیں، انہیں قتل کرنا واجب ہے۔''

(البحر المُحیط : 485/8)

سوال: کیا قتیلہ بنت قیس رضی اللہ عنہا امہات المومنین میں سے تھیں؟

جواب: سیدہ قتیلہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کیا، مگر انہیں اپنے حرم میں نہیں لیا تھا، بلکہ اس سے پہلے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ اس لیے سیدہ قتیلہ رضی اللہ عنہا کا شمار امہات المومنین میں نہیں ہوتا، نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ان سے نکاح کرنا حرام تھا۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجَ قُتَيْلَةَ أُخْتَ الْأَشْعَثِ بْنِ قَيْسٍ، فَمَاتَ قَبْلَ أَنْ يُخَيِّرَهَا، فَبَرَّأَهَا اللّٰهُ مِنْهُ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ کی بہن قتیلہ رضی اللہ عنہا سے نکاح ہوا تھا، قبل اس کے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے (عقد میں رہنے یا نکلنے کا اختیار دیتے)، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی، تو اللہ تعالیٰ نے قتیلہ رضی اللہ عنہا کو اختیار سونپے جانے سے بچا لیا۔“

(مسند إسحاق بن راهويه : 959، مسند البزّار [كشف الأستار] : 2044، معجم ابن الأعرابي :1071، مَعرفة الصّحابة لأبي نعيم :7481، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (التلخیص لابن حجر : ۳/۲۹۶) اور حافظ ضیاء مقدسی رحمہ اللہ (مختارہ:۳۹۴) نے صحیح کہا ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا مَوْصُولٌ قَوِيُّ الْإِسْنَادِ .

”اس روایت کی سند موصول ہے اور قوی ہے۔“

(الإصابة : 292/8)

❁ ایک روایت میں الفاظ ہیں:

لَمْ يَبْنِ بِهَا، وَلَمْ يُخَيِّرْهَا .

”نبی کریم ﷺ نے سیدہ قتیلہ رضی اللہ عنہا سے نہ خلوت اختیار کی، نہ انہیں (عقد میں رہنے یا عقد سے نکلنے کا) اختیار سونپا۔“

تنبیہ:

سیدہ قتیلہ رضی اللہ عنہا کا مرتد ہونا ثابت نہیں۔ اس بارے میں بعض روایات آئی ہیں، ان میں سے کوئی بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔

❁ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

لَمَّا اسْتَعَاذَتْ أَسْمَاءُ بِنْتُ النُّعْمَانِ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَالْغَضَبُ يُعْرَفُ فِي وَجْهِهٖ، فَقَالَ لَهُ الْأَشْعَثُ بْنُ قَيْسٍ : لَا يَسُؤْكَ اللّٰهُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَلَا أُزَوِّجُكَ مَنْ لَيْسَ دُونَهَا فِي الْجَمَالِ وَالْحَسَبِ؟ قَالَ : مَنْ؟، قَالَ : أُخْتِي قُتَيْلَةُ، قَالَ : قَدْ تَزَوَّجْتُهَا، قَالَ : فَانْصَرَفَ الْأَشْعَثُ إِلٰى حَضْرَمَوْتَ ثُمَّ حَمَلَهَا حَتّٰى إِذَا فَصَلَ مِنَ الْيَمَنِ بَلَغَهٗ وَفَاةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّهَا إِلٰى بِلَادِهٖ وَارْتَدَّ وَارْتَدَّتْ مَعَهٗ فِيمَنِ ارْتَدَّ .

”جب سیدہ اسماء بنت نعمان رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ سے پناہ طلب کی، تو آپ ﷺ باہر تشریف لائے، آپ کے چہرے پر غصے کے آثار عیاں تھے۔ تو

سیدنا اشعث بن قیس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ آپ کو پریشانی سے محفوظ رکھے، کیا میں آپ کا نکاح ایسی عورت سے نہ کرا دوں، جو حسن و جمال میں اسماء رضی اللہ عنہا سے کم نہیں ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ کون ہیں؟ عرض کیا: میری بہن قتیلہ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اس سے نکاح کر لیا۔ چنانچہ اشعث رضی اللہ عنہ حضرموت کو واپس چلے گئے، پھر اپنی بہن کو لے کر آئے، وہ ابھی یمن سے نکلے ہی تھے کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر پہنچ آئی، تو وہ انہیں لے کر اپنے علاقے میں واپس ہو گئے اور مرتدین کے ساتھ وہ اور اس کی بہن مرتد ہو گئے۔''

(طبقات ابن سعد : 147/8)

جھوٹی روایت ہے۔

① ہشام بن محمد بن سائب متروک ہے۔

② محمد بن سائب کلبی متروک وکذاب ہے۔

❀ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ مُجْتَمِعُونَ عَلٰی تَرْكِ حَدِيثِهٖ، لَا يُشْتَغَلُ بِهٖ، هُوَ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ .

''اہل علم کا اجماع ہے کہ اس کی حدیث ترک کی جائے گی، اس جانب التفات نہیں کیا جائے گا۔ اس کی بیان کردہ حدیث کا کوئی اعتبار نہیں۔''

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 271/7)

③ ابو صالح باذام ضعیف ومتروک الحدیث اور مختلط ہے۔ اس نے ابن

عباس ﷛ سے بعد از اختلاف روایت کیا ہے۔

✿ محمد بن جحادہ ﷫ فرماتے ہیں:

يُحَدِّثُ بَعْدَ مَا كَبِرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ .

”ابو صالح باذام نے بعد از اختلاط عبداللہ بن عباس ﷠ سے روایت نقل کی ہے۔“

(مسند الإمام أحمد : 2030، وسندهٗ صحيحٌ)

④ ابو صالح کا سیدنا عبداللہ بن عباس ﷠ سے سماع نہیں۔

✿ امام ابن حبان ﷫ فرماتے ہیں:

يُحَدِّثُ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَلَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ .

”ابو صالح سیدنا عبداللہ بن عباس ﷠ سے روایت بیان کرتا ہے، مگر اس نے سیدنا عبداللہ بن عباس ﷠ سے سماع نہیں کیا۔“

(كتاب المَجروحين :1/185)

✿ عامر شعبی ﷫ سے مروی ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَلَكَ بِنْتَ الْأَشْعَثِ قُتَيْلَةَ، وَتَزَوَّجَهَا عِكْرِمَةُ بْنُ أَبِي جَهْلٍ بَعْدَ ذٰلِكَ، فَشَقَّ ذٰلِكَ عَلٰى أَبِي بَكْرٍ مَشَقَّةً شَدِيدَةً، فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ : يَا خَلِيفَةَ رَسُولِ اللّٰهِ، إِنَّهَا لَيْسَتْ مِنْ نِسَائِهٖ، وَلَمْ يُخَيِّرْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَمْ يَحْجُبْهَا، وَقَدْ بَرَّأَهَا اللّٰهُ مِنْهُ بِالرِّدَّةِ الَّتِي ارْتَدَّتْ مَعَ قَوْمِهَا، فَاطْمَأَنَّ أَبُو بَكْرٍ وَسَكَنَ .

''نبی کریم ﷺ نے قتیلہ بنت اشعث کو اپنے عقد میں لیا، اس کے بعد عکرمہ بن ابی جہل رضی اللہ عنہ نے ان سے شادی کر لی، تو یہ عمل سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر بہت گراں گزرا، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا: اے رسول اللہ ﷺ کے خلیفہ! قتیلہ نبی کریم ﷺ کی بیویوں میں سے نہیں تھی، نہ نبی کریم ﷺ نے اسے (عقد میں رہنے یا عقد سے نکلنے کا) اختیار سونپا تھا اور نہ اس کے لیے پردہ کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے نبی کریم ﷺ سے بری کر دیا تھا، کیونکہ یہ اپنی قوم کے ساتھ مرتد ہو گئی تھی۔ یہ سن کر سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مطمئن ہو گئے اور آپ رضی اللہ عنہ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔''

(مَعرفة الصّحابة لأبي نعيم : 7482، تاريخ ابن عساكر : 227/3)

روایت ضعیف ہے۔ عامر شعبی کی مرسل ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاجْعَلُوا بُيُوتَكُمْ قِبْلَةً﴾ (يونُس : ٨٧)

''اپنے گھروں کو قبلہ بنا لیں۔''

جواب: اس آیت کریمہ میں سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کے متعلق ایک حکم کا ذکر ہے کہ جب فرعون نے قوم موسیٰ پر مظالم سخت کیے، تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو رخصت دے دی کہ وہ گھر میں ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کر لیا کریں، نماز کا وقت ہو، تو گھروں میں ہی قبلہ رخ ہو کر نماز ادا کر لیں، کنیساؤں میں جا کر عبادت کرنے کی ضرورت نہیں۔

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا دَخَلْتُمْ عَلَى الْمَرِيضِ فَنَفِّسُوا لَهُ فِي أَجَلِهِ فَإِنَّ ذٰلِكَ لَا يَرُدُّ شَيْئًا وَيُطَيِّبُ نَفْسَهُ .

”جب آپ مریض کے پاس جائیں، تو اسے موت کے سلسلہ میں تسلی دیں، یہ عمل تقدیر کے فیصلے کو تو نہیں ٹال سکتا، مگر اس کی دلجوئی ضرور کرے گا۔“

(سنن التّرمذي : 2087، سنن ابن ماجه : 1438)

جواب: روایت ضعیف ہے۔

① موسیٰ بن محمد بن ابراہیم بن حارث ضعیف و منکر الحدیث ہے۔

② محمد بن ابراہیم بن حارث کا سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❁ امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَسْمَعْ مِنْ أَبِي سَعِيدٍ .

”محمد بن ابراہیم تیمی نے سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں کیا۔“

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 617/5)

❁ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذِهِ أَحَادِيثُ مُنْكَرَةٌ، كَأَنَّهَا مَوْضُوعَةٌ .

”یہ احادیث (جن میں مذکورہ روایت بھی شامل ہے) منکر ہیں، گویا من گھڑت ہیں۔“

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 617/5)

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَتَانِي جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَام، فَقَالَ لِي : أَتَيْتُكَ الْبَارِحَةَ فَلَمْ يَمْنَعْنِي أَنْ أَكُونَ دَخَلْتُ إِلَّا أَنَّهُ كَانَ عَلَى الْبَابِ تَمَاثِيلُ، وَكَانَ فِي الْبَيْتِ قِرَامُ سِتْرٍ فِيهِ تَمَاثِيلُ، وَكَانَ فِي الْبَيْتِ كَلْبٌ، فَمُرْ بِرَأْسِ التِّمْثَالِ الَّذِي فِي الْبَيْتِ يُقْطَعُ، فَيَصِيرُ كَهَيْئَةِ الشَّجَرَةِ، وَمُرْ بِالسِّتْرِ فَلْيُقْطَعْ، فَلْيُجْعَلْ مِنْهُ وِسَادَتَيْنِ مَنْبُوذَتَيْنِ تُوطَآنِ، وَمُرْ بِالْكَلْبِ فَلْيُخْرَجْ، فَفَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِذَا الْكَلْبُ لِحَسَنٍ ـأَوْ حُسَيْنٍـ كَانَ تَحْتَ نَضَدٍ لَهُمْ، فَأُمِرَ بِهٖ فَأُخْرِجَ .

’’میرے پاس جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور مجھے فرمایا: میں گزشتہ رات آپ کے پاس آیا تھا، میں صرف اس لیے آپ کے پاس داخل نہیں ہوا، کیونکہ دروازے پر تصاویر تھیں اور گھر میں ایک منقش چادر تھی، جس میں تصاویر بنی ہوئی ہیں، نیز گھر میں کتا تھا۔ آپ حکم جاری کریں کہ گھر میں موجود تصاویر کا سر ختم کر دیا جائے اور وہ درخت کی طرح (جائز تصویر) بن جائے۔ پردے کے متعلق حکم دیجئے کہ اسے کاٹ کر دو تکیے بنا لیے جائیں، جو نیچے روندے جائیں اور کتے کو باہر نکالنے کا حکم فرما دیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا ہی کیا۔ اسی اثنا میں سیدنا حسن یا سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کا کتا ان کے تخت کے نیچے بیٹھا دکھائی دیا، تو اسے بھی باہر نکالنے کا حکم فرمایا۔‘‘

(مسند الإمام أحمد :305/1، سنن أبي داود : 4158، سنن التّرمذي : 2806)

جواب: اس کی سند صحیح ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''حسن'' اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (۵۸۵۴) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

سوال: صفات کے متعلق اہل سنت والجماعت کا کیا عقیدہ ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ صفات باری تعالیٰ پر اسی طرح ایمان لانا واجب ہے، جس طرح کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات حقیقی اور باکمال ہیں۔ صفات کی تاویل وتحریف جائز نہیں۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ فَسَّرَ عُلَمَاءُ السَّلَفِ الْمُهِمَّ مِنَ الْأَلْفَاظِ وَغَيْرَ الْمُهِمِّ، وَمَا أَبْقَوْا مُمْكِنًا، وَآيَاتُ الصِّفَاتِ وَأَحَادِيْثُهَا لَمْ يَتَعَرَّضُوا لِتَأْوِيْلِهَا أَصْلًا، وَهِيَ أَهَمُّ الدِّيْنِ، فَلَو كَانَ تَأْوِيْلُهَا سَائِغًا أَوْ حَتْمًا لَبَادَرُوا إِلَيْهِ، فَعُلِمَ قَطْعًا أَنَّ قِرَاءَ تَهَا وَإِمرَارَهَا عَلٰى مَا جَاءَ تْ هُوَ الْحَقُّ، لَا تَفْسِيْرَ لَهَا غَيْرُ ذٰلِكَ، فَنُؤْمِنُ بِذٰلِكَ، وَنَسْكُتُ اقْتِدَاءً بِالسَّلَفِ، مُعْتَقِدِيْنَ أَنَّهَا صِفَاتٌ لِلّٰهِ تَعَالَى اسْتَأْثَرَ اللّٰهُ بِعِلْمِ حَقَائِقِهَا، وَأَنَّها لَا تُشْبِهُ صِفَاتِ الْمَخْلُوْقِينَ، كَمَا أَنَّ ذَاتَهُ الْمُقَدَّسَةَ لَا تُمَاثِلُ ذَوَاتِ الْمَخْلُوْقِينَ، فَالْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ نَطَقَ بِهَا، وَالرَّسُوْلُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلَّغَ، وَمَا تَعَرَّضَ

لِتَأْوِيْلٍ، مَعَ كَوْنِ الْبَارِي قَالَ : ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمِ﴾ (النَّحْلُ : ٤٤)، فَعَلَيْنَا الْإِيْمَانُ وَالتَّسْلِيْمُ لِلنُّصُوْصِ، وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ.

''علمائے سلف نے (قرآن وحدیث کے) اہم اور غیر اہم الفاظ سب کی تفسیر کر دی ہے، انہوں نے کوئی ممکن تفسیر چھوڑی نہیں، صفات باری تعالیٰ والی آیات اور احادیث کی انہوں نے بالکل کوئی تفسیر نہیں کی، حالانکہ یہ ضروریات دین میں سے تھی، اگر ان کی تفسیر وتاویل جائز یا ضروری ہوتی، تو وہ اس کا اہتمام کرتے، اس سے یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ ایسی آیات کی قراءت اور ان کو اسی طرح تسلیم کرنا حق ہے، اس کے علاوہ ان کی کوئی تفسیر نہیں۔ ہم ان پر ایمان لاتے ہیں اور سلف کی اقتدا میں (کسی تفسیر وتاویل سے) خاموش رہتے ہیں۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ ان کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ کے ہی پاس ہے، یہ صفات مخلوقات کی صفات کے مشابہ نہیں، جیسا کہ ذات باری تعالیٰ مخلوقات کی ذاتوں سے مشابہ نہیں۔ کتاب وسنت نے یہ بات بیان کی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ہم تک اسے بغیر کسی تفسیر کے پہنچا دیا ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے وحی کی وضاحت کے لیے آپ ﷺ کو مامور کیا تھا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمِ﴾ (النَّحْلُ : ٤٤)

''(اے نبی! ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا،) تاکہ آپ لوگوں کے لیے منزل وحی کی وضاحت کر دیں۔''

لہٰذا ہم پر لازم ہے کہ نصوص پر ایمان لائیں اور انہیں تسلیم کریں۔ اللہ تعالیٰ

جسے چاہتا ہے، سیدھی راہ دکھاتا ہے۔''

(سِيَر أعلام النّبلاء : 506/10)

سوال: اہل سنت والجماعت اور اہل بدعت کے طریقہ استدلال میں کیا فرق ہے؟

جواب: اہل سنت یعنی سلف صالحین اور ائمہ محدثین کا عقیدہ ومنہج اپنانے میں ہی عافیت ہے، کیونکہ سلف صالحین کا عقیدہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہے۔

جبکہ متاخرین ومتکلمین کا عقیدہ بشر مریسی اور جعد بن درہم جیسے گمراہوں سے ماخوذ ہے، جس کی لڑیاں یہود ونصاریٰ سے ملتی ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ سلف کا عقیدہ اسلم اور خلف کا عقیدہ احکم واعلم ہے، یہ نظریہ ائمہ مسلمین کے اجماعی عقائد کے مخالف ہے۔ جس عقیدے کی بنیاد قرآن وحدیث اور فہم سلف پر نہ ہو، وہ احکم واعلم (ٹھوس اور مبنی بَرعلم) کیسے ہوسکتا ہے؟

متکلمین نے سلف صالحین کے عقیدہ ومنہج کے خلاف عقیدہ ایجاد کیا اور بعض لوگوں نے اسے احکم واعلم قرار دے دیا۔ یہ عقیدۂ توحید کے خلاف سازش ہے، تاکہ اسلامی عقائد کی شکل مسخ کر دی جائے، قرآن وحدیث پر مبنی عقیدے کا وجود ختم کر دیا جائے اور ائمہ محدثین کے اجماعی عقائد کے مقابلہ میں باطل عقائد کو درست اور صحیح ثابت کیا جائے۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَجُوزُ أَيْضًا أَنْ يَّكُونَ الْخَالِفُونَ أَعْلَمَ مِنَ السَّالِفِينَ، كَمَا يَقُولُهٗ بَعْضُ الْأَغْبِيَاءِ، مِمَّنْ لَّمْ يَقْدِرْ قَدَرَ السَّلَفِ، بَلْ وَلَا عَرَفَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَالْمُؤْمِنِينَ بِهٖ، حَقِيقَةَ الْمَعْرِفَةِ الْمَأْمُورِ بِهَا، مِنْ أَنَّ طَرِيقَةَ السَّلَفِ أَسْلَمُ وَطَرِيقَةَ الْخَلَفِ أَعْلَمُ

وَأَحْكَمُ، فَإِنَّ هٰؤُلَاءِ الْمُبْتَدِعَةَ الَّذِينَ يُفَضِّلُونَ طَرِيقَةَ الْخَلَفِ عَلٰى طَرِيقَةِ السَّلَفِ، إِنَّمَا أَتَوْا مِنْ حَيْثُ ظَنُّوا أَنَّ طَرِيقَةَ السَّلَفِ هِيَ مُجَرَّدُ الْإِيمَانِ بِأَلْفَاظِ الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ، مِنْ غَيْرِ فِقْهٍ لِّذٰلِكَ، بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّيِّينَ الَّذِينَ قَالَ فِيهِمْ : ﴿وَمِنْهُمْ أُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ اِلَّا أَمَانِيَّ﴾(البقرة : 78)، وَأَنَّ طَرِيقَةَ الْخَلَفِ هِيَ اسْتِخْرَاجُ مَعَانِي النُّصُوصِ الْمَصْرُوفَةِ عَنْ حَقَائِقِهَا بِأَنْوَاعِ الْمَجَازَاتِ وَغَرَائِبِ اللُّغَاتِ، فَهٰذَا الظَّنُّ الْفَاسِدُ أَوْجَبَ تِلْكَ الْمَقَالَةَ، الَّتِي مَضْمُونُهَا نَبْذُ الْإِسْلَامِ وَرَاءَ الظَّهْرِ، وَقَدْ كَذَبُوا عَلٰى طَرِيقَةِ السَّلَفِ، وَضَلُّوا فِي تَصْوِيبِ طَرِيقَةِ الْخَلَفِ، فَجَمَعُوا بَيْنَ الْجَهْلِ بِطَرِيقَةِ السَّلَفِ فِي الْكِذْبِ عَلَيْهِمْ، وَبَيْنَ الْجَهْلِ وَالضَّلَالِ بِتَصْوِيبِ طَرِيقَةِ الْخَلَفِ .

”یہ بھی ممکن نہیں کہ پہلے متقدمین اہل علم کے مقابلے میں متاخرین زیادہ علم والے ہوں۔ بعض غبی قسم کے لوگ جنہیں سلف صالحین کی قدر معلوم نہیں، بلکہ دراصل انہیں اللہ و رسول اور مؤمنوں کی حقیقی معرفت ہی نہیں، وہ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ سلف صالحین کا مسلک اسلم (زیادہ سلامتی والا) ہے، جبکہ خلف (بعد والوں) کا مسلک اعلم واحکم (زیادہ علم پر مبنی اور ٹھوس) ہے۔ یہ بدعتی اور گمراہ لوگ بعد والے زمانے کے فلسفیوں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے منہج کو سلف کے منہج پر فضیلت دیتے ہیں۔ انہوں نے اپنے وہم وگمان کی بنا

پر سمجھ لیا ہے کہ ''سلف کا مسلک قرآن وحدیث کو سمجھے بغیر محض ظاہری الفاظ پر ایمان لانا ہے، بالکل اُن اَن پڑھ لوگوں کی طرح، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے : ﴿وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ اِلَّا أَمَانِيَّ﴾ (البقرۃ : 78) ''بعض اہل کتاب اَن پڑھ ہیں، جو کتاب کو نہیں جانتے سوائے جھوٹی آرزؤں کے۔'' جبکہ متکلمین کا مسلک یہ ہے کہ وہ مجاز کی مختلف اقسام اور پیچیدہ قسم کی لغات کے ذریعے نصوص کے معانی نکالتے ہیں، جن میں حقیقی معنی مراد ہی نہیں ہوتا۔'' یہ غلط سوچ ہی اس بات کا موجب ہوئی ہے، جو اسلام کو پسِ پشت ڈالنے کے مترادف ہے۔ ان لوگوں نے مسلک سلف کے سلسلہ میں دروغ گوئی سے کام لیا اور خلف کے مسلک کو درست قرار دینے میں گمراہی کا شکار ہو گئے۔ وہ بیک وقت دو جہالتوں کا شکار ہوئے؛ ایک تو جہالت کے سبب انہوں نے مسلک سلف پر جھوٹ باندھا، دوسرا وہ متکلمین کے مسلک کو درست قرار دے کر جہالت وضلالت میں مبتلا ہو گئے۔''

(مَجموع الفتاوٰی : 8/5، الفتاوی الحِمویّۃ الکبرٰی : 185/5)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۸۰)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: عقیدہ تثلیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: عقیدہ تثلیث نصاریٰ کا عقیدہ ہے۔ تثلیث کا مفہوم یہ ہے کہ ان کے یہاں الٰہ کا مفہوم تین اجزاء سے مکمل ہوتا ہے؛ ۱۔ باپ (اللہ تعالیٰ) ۲۔ بیٹا (مسیح علیہ السلام) ۳۔ روح القدس۔ ان تینوں کو ملائیں تو خدا بنتا ہے۔ بنیادی طور پر تمام نصاریٰ یہی عقیدہ رکھتے ہیں، اس کی تفصیلات میں ان کے مابین اختلاف ہے۔

عقیدہ تثلیث باطل اور شرکیہ عقیدہ ہے، جو توحید باری تعالیٰ کے سراسر خلاف ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات میں عقیدہ تثلیث کا کوئی وجود نہیں، بلکہ آپ علیہ السلام دیگر تمام انبیائے کرام کی طرح عقیدہ توحید کے داعی تھے، منزل انجیل میں توحید باریٰ کا اثبات تھا، جس میں بعد کے نصاریٰ نے تحریف کر دی اور عقیدہ توحید کے مفہوم کو بگاڑ دیا۔ نصاریٰ میں عقیدہ تثلیث کی ابتدا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے کئی برس بعد ہوئی۔ جس کا موجد پولس کو بتایا گیا ہے، جو ایک یہودی عالم تھا اور اس نے نصاریٰ میں کئی برے اور باطل عقائد داخل کر دیے۔

اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے عقیدہ تثلیث کا بطلان واضح کیا ہے، اسے کفر اور شرک قرار دیا ہے اور عقیدہ تثلیث کے قائلین کی تکفیر کی ہے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی عبدیت کا اقرار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہی الٰہ اور معبود برحق ہونے کا اثبات کیا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾

(المائدۃ : ١٧)

”البتہ تحقیق ان لوگوں نے کفر کیا، جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے۔ (اے نبی!) کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مسیح ابن مریم، ان کی والدہ اور زمین میں موجود ہر شے کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیا، تو اللہ کے مقابلہ میں کون ہے، جو کسی بھی شے کا مالک ہو۔ آسمانوں، زمینوں اور ان میں موجود ساری کی ساری اشیا کا مالک فقط اللہ ہے، وہ جو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، اللہ ہر شے پر قادر ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو اپنا مملوک اور عبد قرار دیا ہے، کیا مملوک، مالک کا جز اور حصہ ہو سکتا ہے؟ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام پر بھی اللہ کا حکم چلتا ہے۔

❀ فرمان الٰہی ہے:

﴿قَالَ إِنِّي عَبْدُ اللّٰهِ﴾ (مریم : ٢٩)

”اس (عیسیٰ علیہ السلام) نے (پنگھوڑے میں) کہا: میں اللہ کا بندہ ہوں۔“

اللہ تعالیٰ نے معجزاتی طور پر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو پنگھوڑے میں کلام کروایا، آپ علیہ السلام نے بچپن میں ہی اپنے عبدیت اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار دیا ہے، تاریخ کا یہ خارق عادت واقعہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے عقیدہ تثلیث پر رد کرتے ہوئے ذکر کیا ہے، کہ جنہیں نصاریٰ اللہ تعالیٰ کا جز قرار دے رہے ہیں، وہ تو پیدائش سے ہی اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور اپنی

عبدیت کا اقرار کررہے ہیں، لہٰذا نصاریٰ خود سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں، جبکہ مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کے عقائد پر قائم ہیں اور ان سے حقیقی محبت رکھتے ہیں۔

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَّمَا مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا إِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّإِنْ لَّمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(المائدۃ : ٧٣)

''یقیناً ان لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا، جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں سے تیسرا ہے۔ جبکہ (حقیقی) الٰہ تو صرف ایک ہی ہے، اگر یہ لوگ اپنے (عقیدہ تثلیث) سے باز نہ آئے، تو ان کافروں کو ضرور بالضرور (دنیا و آخرت میں) دردناک عذاب لاحق ہوگا۔''

معلوم ہوا کہ عقیدہ تثلیث توحید ربوبیت اور توحید اُلوہیت کے منافی ہے۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے اجزا مانتے ہیں، وہ مشرک اور کافر ہیں اور انہیں اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے۔

❁ فرمان ربانی ہے:

﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهِئُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ أَنّٰى يُؤْفَكُونَ﴾(التّوبۃ : ٣٠)

''یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، نصاریٰ نے کہا کہ مسیح (عیسیٰ) اللہ کے

بیٹے ہیں، یہ ان کے مونھوں کی باتیں ہیں، یہ پہلے کافروں کی طرح کی ہی باتیں ہیں، اللہ انہیں برباد کرے، وہ کہاں بھٹکے جارہے ہیں؟''

سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہنا کفریہ جملہ ہے۔

قرآن کریم نے جا بجا سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم کہا ہے۔عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿يَآ أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ إِلَّا الْحَقَّ إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُولُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ فَآمِنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقُولُوا ثَلَاثَةٌ انْتَهُوا خَيْرًا لَّكُمْ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلَٰهٌ وَّاحِدٌ سُبْحَانَهٗ أَنْ يَكُونَ لَهٗ وَلَدٌ، لَهٗ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ۞ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيحُ أَنْ يَّكُونَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقَرَّبُونَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا﴾(النّساء : ۱۷۱۔۱۷۲)

''اہل کتاب! اپنے دین میں غلو (حد سے بڑھنا) سے کام مت لو اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں وہ بات کہو جو حق ہے۔ بلاشبہ مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہیں، جسے اس نے مریم کی طرف بھیجا اور (عیسیٰ) اس کی طرف سے روح ہیں، لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ، یہ مت کہو کہ

تین الٰہ ہیں، اس سے باز آجاؤ، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اللہ ہی اکیلا الٰہ ہے، وہ اولاد سے پاک ہے، آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے، اسی کی ملکیت ہے، اللہ ہی وکیل کافی ہے۔ مسیح (عیسیٰ) اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونے سے ہرگز انکار نہیں کریں گے، ایسے ہی مقرب فرشتے بھی انکار نہیں کریں گے، جس نے اللہ کی عبادت سے انکار کیا اور تکبر برتا، تو (یاد رکھو کہ) اللہ تعالیٰ ان سب کو اپنی طرف جمع کرے گا۔''

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَأُمُّهُ صِدِّيقَةٌ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ثُمَّ انْظُرْ أَنَّى يُؤْفَكُونَ﴾(المائدة : ٧٥)

''مریم کے بیٹے مسیح تو رسول ہیں، ان سے پہلے بھی کئی رسول ہو گزرے ہیں، ان (مسیح) کی ماں سچی خاتون تھیں، وہ دونوں (ماں بیٹا) کھانا کھاتے تھے، (اے نبی!) ذرا دیکھئے تو سہی کہ ہم ان کے لیے کس طرح نشانیاں کھول کھول کر بیان کر رہے ہیں اور یہ ہیں کہ (اپنی بدعقیدگی میں ہی) بھٹکے جا رہے ہیں۔''

❁ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِذْ قَالَ اللّٰهُ يَاعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَهَيْنِ مِنْ دُونِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي

وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ۞ مَا قُلْتُ
لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ وَكُنْتُ
عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ
عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾(المائدة : ١١٦۔١١٧)

''جب اللہ کہے گا: عیسیٰ! کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا دوالٰہ بنالو؟ تو وہ (عیسیٰ علیہ السلام) عرض کریں گے: اللہ تیری پاکی بیان کرتا ہوں، میں ایسی بات کیونکر کرسکتا ہوں، جس کا مجھے حق حاصل نہیں، اگر میں نے ایسی کوئی بات کہی ہوتی، تو تجھے معلوم ہی ہوتا، کیونکہ تو میرے دل کی بات جانتا ہے، مگر میں تیرے نفس میں موجود بات کو نہیں جان سکتا، بلاشبہ تو غیب کی باتوں کو بخوبی جاننے والا ہے۔ میں نے لوگوں کو وہی بات کہی ہے، جو تو نے مجھے حکم دیا ہے (اور وہ یہ کہ) تم اللہ ہی کو معبود بناؤ کہ جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ جب تک میں ان میں موجود رہا میں ان پر گواہ تھا، جب تو نے مجھے اپنے پاس بلالیا، تو تب تو ہی ان پر نگہبان تھا اور تو ہر شے پر گواہ ہے۔''

روز قیامت ہونے والے اس مکالمہ میں عقیدہ تثلیث کا بطلان واضح ہوتا ہے۔ ذرا دیکھیں کہ کس طرح سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ رب العزت کی وحدانیت اور یکتائی کا اظہار فرما رہے ہیں اور نصاریٰ کے عقائد سے اظہار برأت کررہے ہیں۔ یہ مکالمہ ہوکر رہے گا، اللہ تعالیٰ کو ان سبھی باتوں کا پہلے سے ہی علم ہے، وہاں فقط نصاریٰ کی بدعقیدگی کی قلعی کھولنا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی نصاریٰ کو رسوا کروانا مقصود ہے کہ جن کے نام پر یہ عقیدہ تثلیث کو اپناتے اور اس کی ترویج کرتے رہے ہیں، وہ خود اس عقیدہ کا انکار کرتے ہیں۔

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۞ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۞ تَكَادُ السَّمَاوَاتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْأَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۞ أَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۞ وَمَا يَنْبَغِي لِلرَّحْمٰنِ أَنْ يَتَّخِذَ وَلَدًا ۞ إِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾

(مَریم : ۸۸۔۹۳)

''انہوں (یہود ونصاریٰ) نے کہا کہ رحمٰن نے اولاد بنائی ہے۔ بلاشبہ تم نے انتہائی خطرناک بات کی ہے۔قریب ہے کہ اس سے آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد مانی ہے۔ رحمٰن کے شایان شان نہیں کہ وہ اولاد بنائے۔آسمانوں اور زمین میں جوکوئی بھی ہے،وہ رحمٰن کے پاس فرمانبردار ہوکر آنے والا ہے۔''

❁ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامت احوال بیان کرتے ہوئے فرمایا:

يُدْعَى النَّصَارٰى فَيُقَالُ لَهُمْ : مَنْ كُنْتُمْ تَعْبُدُونَ؟ قَالُوا : كُنَّا نَعْبُدُ الْمَسِيحَ ابْنَ اللّٰهِ، فَيُقَالُ لَهُمْ : كَذَبْتُمْ، مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ صَاحِبَةٍ وَّلَا وَلَدٍ .

''نصاریٰ کو بلایا جائے گا اوران سے پوچھا جائے گا کہ تم کس کی عبادت کرتے رہے؟ وہ کہیں گے: ہم اللہ کے بیٹے مسیح کی عبادت کرتے تھے،تو انہیں جواب

میں کہا جائے گا: تم جھوٹے ہو، اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے نہ اولاد۔‘‘

(صحیح البخاري :4581، صحیح مسلم : 183)

❁ سیدنا عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ عِيسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهٗ، وَكَلِمَتُهٗ أَلْقَاهَا إِلٰى مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ.

’’بلاشبہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور اس کا کلمہ ہے، جو اس نے مریم کی طرف بھیجا اور اللہ کی طرف سے روح ہیں۔‘‘

(صحیح البخاري : 3435، صحیح مسلم : 28)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

هُوَ عَبْدٌ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ.

’’عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے بندے ہیں۔‘‘

(صحیح البخاري : 5285)

مذکورہ نصوص سے ثابت ہوا کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بندے اور رسول ہیں، مریم رضی اللہ عنہا کے بیٹے ہیں، اللہ تعالیٰ کے بیٹے نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ بیوی اور اولاد سے پاک ہے۔ عقیدہ تثلیث کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی اولاد کے اثبات پر قائم ہے، جس کا بطلان کتاب وسنت میں بالکل واضح ہے۔ یہ ایک کفریہ اور شرکیہ عقیدہ ہے، جس کے قائلین عقیدہ توحید کے منکر اور باری تعالیٰ کے گستاخ ہیں۔ ان کی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے محبت شرعی نہیں ہے، بلکہ غلو اور شرک پر مبنی ہے، بلکہ انجیل منزل کی تعلیمات کے بھی منافی ہے۔

سوال: کیا نماز عصر کی محافظت پر دہرا اجر ملتا ہے؟

جواب: پہلی اُمتوں میں بھی نماز عصر تھی، مگر انہوں نے اسے ضائع کر دیا اور اس کی

ادائیگی میں کوتاہی برتی یا اسے بروقت ادا نہیں کیا۔

ہماری شریعت میں بالخصوص نمازِ عصر کی محافظت پر تاکید کی گئی ہے اور اس میں سستی کرنے پر وعیدیں آئی ہیں، نیز اس کی محافظت کرنے والے کو کئی فضائل سے بہرہ مند کیا گیا ہے، جن میں ایک فضیلت یہ ہے کہ اس کی محافظت پر دہرا اجر ملے گا۔

❁ سیدنا ابوبصرہ غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَصْرَ بِالْمُخَمَّصِ، فَقَالَ: إِنَّ هٰذِهِ الصَّلَاةَ عُرِضَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَضَيَّعُوهَا، فَمَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَ لَهٗ أَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں مقام مخمص پر نمازِ عصر پڑھائی اور فرمایا: یہ نماز آپ سے پہلی اُمتوں کو بھی دی گئی تھی، مگر انہوں نے اسے ضائع کر دیا، لہٰذا جو نمازِ عصر پر محافظت کرے گا، اس کے لیے دہرا اجر ہے۔''

(صحیح مسلم: 830)

❁ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

«فَضَيَّعُوهَا» أَيْ مَا قَامُوا بِحَقِّهَا، وَمَا حَافَظُوا عَلٰى مُرَاعَاتِهَا، فَأَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى، فَاحْذَرُوا أَنْ تَكُونُوا مِثْلَهُمْ.

''نمازِ عصر کو ضائع کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ نے نمازِ عصر کو جس طرح ادا کرنے کا حق تھا، اس طرح ادا نہیں کیا اور اس کی کما حقہ پاسداری نہ کی، تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا، لہٰذا آپ ان جیسا بننے سے باز رہیں۔''

(مِرقاۃ المَفاتیح: 829/3)

سوال: کیا مسجد میں نکاح پڑھانا بہتر ہے؟

جواب: مسجد میں نکاح پڑھانا بہتر ہے، نکاح معتبر اور صلحا کی موجودگی میں ہونا چاہیے اور نمازیوں سے بہتر لوگ کوئی نہیں ہو سکتے۔

مسجد میں نکاح کرنے سے کئی قباحتوں اور خرابیوں سے بچا جا سکتا ہے۔ تمام اُمورِ خیر مسجد میں سرانجام دیے جانے چاہییں۔

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ وَيُزَوِّجَ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ .

''معتکف کا (مسجد میں) شادی کرنا اور شادی کرانا جائز ہے، کیونکہ شادی بھی ایک طرح کی عبادت ہے۔''

(المَجموع : 527/6)

❀ نیز فرماتے ہیں:

يَجُوزُ أَنْ يَتَزَوَّجَ وَأَنْ يُزَوِّجَ وَقَدْ نَصَّ عَلَيْهِ الشَّافِعِيُّ فِي الْمُخْتَصَرِ وَاتَّفَقَ الْأَصْحَابُ عَلَيْهِ وَلَا أَعْلَمُ فِيهِ خِلَافًا .

''معتکف کا (مسجد میں) شادی کرنا اور کسی کی شادی کرانا جائز ہے۔ اس بارے میں امام شافعی رحمہ اللہ نے ''المختصر'' میں صراحت کی ہے، تمام شوافع فقہا نے اس پر اتفاق کیا ہے، مجھے اس بارے میں (علمائے شوافع کے مابین) کسی اختلاف کا علم نہیں۔''

(المَجموع : 528/6)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٧٢٨ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ النِّكَاحَ فِيهِ شَوْبُ الْعِبَادَاتِ، وَيُسْتَحَبُّ عَقْدُهُ فِي الْمَسَاجِدِ .

''بلاشبہ نکاح میں عبادات کے پہلو موجود ہیں اور مساجد میں نکاح کا انعقاد کرنا مستحب ہے۔''

(مَجموع الفتاویٰ : 18/32)

❀ علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ (۸۶۱ھ) فرماتے ہیں:

يُسْتَحَبُّ مُبَاشَرَةُ عَقْدِ النِّكَاحِ فِي الْمَسْجِدِ لِأَنَّهُ عِبَادَةٌ .

''مسجد میں نکاح کی مجلس کا انعقاد کرنا مستحب ہے، کیونکہ نکاح بھی عبادت ہے۔''

(فتح القدير : 189/3، مَجمع الأنهر لشيخي زاده : 317/1، فتاویٰ شامی: 662/1)

تنبیہ:

مسجد میں نکاح کرنا درست اور مستحب ہے، مگر اس سلسلہ میں نبی کریم ﷺ سے مروی روایت ثابت نہیں۔

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَعْلِنُوا هٰذَا النِّكَاحَ، وَاجْعَلُوهُ فِي الْمَسَاجِدِ، وَاضْرِبُوا عَلَيْهِ بِالدُّفُوفِ .

''اعلانیہ نکاح کریں، (نکاح کی مجالس) مسجد میں منعقد کریں اور نکاح میں دف بجائیں۔''

(سنن التّرمذي : 1089)

سند ضعیف ہے۔ عیسیٰ بن میمون ضعیف ہے، اس کی منکر روایات ہیں، مذکورہ روایت بھی منکر وشاذ ہے۔

سوال: بدعت کیا ہے؟

جواب: دین میں بدعت سے مراد وہ عمل ہے، جس کی اصل قرآن وحدیث اور اجماعِ اُمت میں نہ ہو اور اس سے خیر القرون کے لوگ ناواقف ہوں۔

❀ علامہ ابن اثیر رحمہ اللہ (٦٠٦ھ) فرماتے ہیں:

هِيَ مَا لَمْ يَكُنْ مَعْرُوفًا فِي كِتَابٍ وَلَا سُنَّةٍ وَلَا إِجْمَاعٍ .

”بدعت سے مراد وہ عمل ہے، جو کتاب وسنت اور اجماعِ اُمت میں معلوم نہ ہو۔“

(النّهاية في غريب الحديث : 351/1)

سوال: گھر سے باوضو ہو کر مسجد کی طرف جانے کی کیا فضیلت ہے؟

جواب: گھر سے باوضو ہو کر مسجد کو جانا مستحب سنت ہے۔ اس کی فضیلت یہ ہے کہ ہر قدم کے بدلے گناہ معاف ہوتے ہیں اور درجات بلند ہوتے ہیں۔ یہ چھوٹا سا عمل بڑی فضیلت کا حامل ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَطَهَّرَ فِي بَيْتِهِ، ثُمَّ مَشٰى إِلٰى بَيْتٍ مِّنْ بُيُوتِ اللّٰهِ لِيَقْضِيَ فَرِيضَةً مِّنْ فَرَائِضِ اللّٰهِ، كَانَتْ خَطْوَتَاهُ إِحْدَاهُمَا تَحُطُّ خَطِيئَةً، وَالْأُخْرٰى تَرْفَعُ دَرَجَةً .

”جس نے گھر سے وضو کیا، پھر اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر کی طرف پیدل چل کر گیا، تا کہ اللہ کا فریضہ ادا کر سکے، تو اس کے اٹھنے والے ہر ایک قدم پر گناہ معاف ہوتا ہے اور دوسرے قدم پر درجہ بلند ہوتا ہے۔“

(صحيح مسلم : 666)

سوال: کیا قرآن محفوظ ہے؟

جواب: قرآن کریم محفوظ و مامون کتاب ہے۔اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔ یہ قیامت تک محفوظ رہے گی، مصحف کے دو گتوں میں موجود کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ کی حفاظت کے ساتھ محفوظ ہے۔اس میں کمی یا زیادتی نہیں ہوئی اور نہ زمانہ گزرنے کے ساتھ اس میں ردو بدل یا کمی بیشی ہوگی۔صحابہ سے لے کر آج تک کے تمام مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے۔اس کے برعکس روافض قرآن میں تحریف لفظی کے قائل ہیں۔

❀ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾(الحِجر : ٩)

”ہم نے اس ذکر کو نازل کیا، ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

❀ امام اسماعیل بن یعقوب ابن جراب رحمہ اللہ (۳۴۵ھ) بیان کرتے ہیں:

سُئِلَ إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِسْحَاقَ الْقَاضِي : مَا بَالُ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ زِيدَ فِيهِمَا وَنَقُصَ مِنْهُمَا بِخِلَافِ الْقُرْآنِ؟ فَقَالَ : إِنَّ اللّٰهَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ وَكَّلَ حِفْظَ التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ إِلٰى أَهْلِ الْكِتَابِ، فَقَالَ : ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ﴾(المائدة : ٤٤) وَتَوَلّٰى حِفْظَ الْقُرْآنِ بِنَفْسِهِ، فَقَالَ : ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾(الحِجر : ٩) .

”امام قاضی اسماعیل بن اسحاق رحمہ اللہ (۲۸۲ھ) سے سوال ہوا: کیا وجہ ہے کہ تورات اور انجیل میں کمی بیشی ہوگئی، جبکہ قرآن میں ایسا نہیں ہوا؟ فرمایا: اللہ

تعالیٰ نے تورات وانجیل کی حفاظت کی ذمہ داری اہل کتاب کو سونپی تھی، چنانچہ فرمایا:﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ﴾(المائدة : ٤٤) ”انہیں کتاب اللہ کی حفاظت کرنے کا کہا گیا۔“ جبکہ قرآن کریم کی حفاظت کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے خود اٹھائی ہے، فرمایا : ﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾(الحجر : ٩) ”بلاشبہ ہم نے ہی اس نصیحت کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔“

(مَشيخة أبي الطّاهر السِّلفي، ص 95، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّا لِلْقُرْآنِ لَحَافِظُونَ مِنْ أَنْ يُزَادَ فِيهِ بَاطِلٌ مَا لَيْسَ مِنْهُ، أَوْ يَنْقُصُ مِنْهُ مَا هُوَ مِنْهُ مِنْ أَحْكَامِهِ وَحُدُودِهِ وَفَرَائِضِهِ .

”بلاشبہ ہم (اللہ تعالیٰ) قرآن کریم کی حفاظت کرنے والے ہیں، اس سے کہ اس میں کوئی باطل شے کا اضافہ کر دیا جائے، جو اس کا حصہ نہیں، یا اس کے احکام، حدود اور فرائض میں سے کسی شے کو کم کر دیا جائے۔“

(تفسير الطّبري : 18/14)

❁ حافظ بغوی رحمہ اللہ (۵۱٦ھ) فرماتے ہیں:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ﴾ يَعْنِي الْقُرْآنَ ﴿وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ أَيْ : نَحْفَظُ الْقُرْآنَ مِنَ الشَّيَاطِينِ أَنْ يَزِيدُوا فِيهِ، أَوْ يَنْقُصُوا مِنْهُ، أَوْ يُبَدِّلُوا، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ

يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾(فُصِّلَتْ : ٤٢) وَالْبَاطِلُ : هُوَ إِبْلِيسُ، لَا يَقْدِرُ أَنْ يَزِيدَ فِيهِ مَا لَيْسَ مِنْهُ وَلَا أَنْ يَنْقُصَ مِنْهُ مَا هُوَ مِنْهُ.

''ہم نے ہی ذکر یعنی قرآن کریم کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے، یعنی ہم قرآن کریم کو شیاطین سے محفوظ کر لیں گے، تا کہ وہ اس میں کمی پیشی یا تبدیلی نہ کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ﴾ (فُصِّلت : ٤٢) ''باطل اس کے پاس نہ آ گے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے۔'' یہاں باطل سے مراد ابلیس شیطان ہے، اس کو جرأت نہیں کہ وہ قرآن میں کچھ اضافہ یا کمی کر سکے۔''

(تفسير البَغَوي : 4/369-370)

❀ عبدالعزیز بن رفیع اسدی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

دَخَلْتُ أَنَا وَشَدَّادُ بْنُ مَعْقِلٍ عَلَى ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَقَالَ لَهٗ شَدَّادُ بْنُ مَعْقِلٍ : أَتَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ شَيْءٍ؟ قَالَ : مَا تَرَكَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ قَالَ : وَدَخَلْنَا عَلٰى مُحَمَّدِ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ، فَسَأَلْنَاهُ، فَقَالَ : مَا تَرَكَ إِلَّا مَا بَيْنَ الدَّفَّتَيْنِ.

''میں اور شداد بن معقل رحمہ اللہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس حاضر ہوئے، شداد بن معقل رحمہ اللہ نے عرض کیا: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اہل بیت کے لیے کوئی خاص) شے چھوڑی ہے؟ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا:

نبی کریم ﷺ نے صرف وہی چھوڑا ہے، جو ان دو گتوں کے درمیان ہے۔ پھر ہم (فرزند علی رضی اللہ عنہ) محمد ابن حنفیہ رحمہ اللہ کے پاس آئے اور ان سے بھی یہی سوال پوچھا، تو آپ رحمہ اللہ نے بھی فرمایا: نبی کریم ﷺ نے صرف وہی چھوڑا، جو ان دو گتوں کے درمیان ہے۔‘‘

(صحيح البخاري : 5019)

اس روایت میں بھی اہل بیت کے دو افراد کی مزید گواہیاں ہیں کہ سیدنا ابو بکر اور دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم کا جمع کردہ قرآن غیر محرف و غیر مبدل ہے۔ نبی کریم ﷺ اُمت کو یہی قرآن دے کر گئے تھے، جو ان دو گتوں کے درمیان ہے۔ اگر اہل بیت کے نزدیک قرآن میں کمی یا زیادتی ہوئی ہوتی، تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتے، انہوں نے قرآن کی حفاظت کی گواہی دی ہے۔ اہل سنت والجماعت اس گواہی پر کاربند ہیں، مگر روافض اہل بیت کا نام لینے کے باوجود ان کا عقیدہ لینے کو تیار نہیں۔

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

خَطَبَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي آخِرِ يَوْمٍ مِّنْ شَعْبَانَ فَقَالَ : أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ أَظَلَّكُمْ شَهْرٌ عَظِيمٌ، شَهْرٌ مُّبَارَكٌ، شَهْرٌ فِيهِ لَيْلَةٌ خَيْرٌ مِنْ أَلْفِ شَهْرٍ، جَعَلَ اللّٰهُ صِيَامَهُ فَرِيضَةً، وَقِيَامَ لَيْلِهِ تَطَوُّعًا، مَنْ تَقَرَّبَ فِيهِ بِخَصْلَةٍ مِّنَ الْخَيْرِ، كَانَ كَمَنْ أَدّٰى فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ، وَمَنْ أَدّٰى فِيهِ فَرِيضَةً كَانَ كَمَنْ أَدّٰى سَبْعِينَ فَرِيضَةً فِيمَا سِوَاهُ، وَهُوَ شَهْرُ

الصَّبْرِ ....

”رسول اللہ ﷺ نے ماہِ شعبان کے آخری دن ہمیں خطبہ ارشاد فرمایا: لوگو! آپ پر ایک عظیم المرتبت مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے، یہ مبارک مہینہ ہے۔ اس میں ایک ایسی رات بھی ہے، جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کے روزوں کو فرض کیا ہے اور قیام اللیل کو نفل بنایا ہے۔ جس نے اس مہینے میں کوئی نفل نیکی کی، اسے غیر رمضان میں فرض ادا کرنے کے برابر ثواب ملتا ہے اور جس نے رمضان میں ایک فرض ادا کیا، اسے غیر رمضان میں ستر فرائض ادا کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ یہ صبر والا مہینہ ہے......۔“

(صحيح ابن خزيمة : 1887، شُعب الإيمان للبيهقي : 3336)

جواب: روایت ضعیف و منکر ہے۔

① علی بن زید بن جدعان ضعیف و مختلط ہے۔

② سعید بن مسیّب کا سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے سماع معلوم نہیں۔

❀ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُنْكَرٌ .

”یہ حدیث منکر ہے۔“

(عِلل الحديث لابن أبي حاتم : 110/3)

❀ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ صَحَّ الْخَبَرُ .

”اگر یہ روایت ثابت ہے (تو اس سے فلاں بات ثابت ہوتی ہے)۔“

(صحيح ابن خزيمة، قبل الرقم : 1887)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا یہ صنیع ہے کہ اپنی صحیح میں وہی روایت درج کرتے ہیں، جو ان کے نزدیک صحیح یا حسن ہو، لیکن اگر وہ کسی روایت کو درج کرنے سے پہلے یا بعد میں شک کا اظہار کر دیں، تو وہ روایت ان کے نزدیک محل نظر ہوتی ہے، جیسا کہ مذکورہ روایت سے پہلے ان صح الخبر کہہ دیا ہے۔ فافہم!

❀ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس روایت کو ”منکر“ قرار دیا ہے۔

(كتاب المَجروحين : 300/1)

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اسے غیر محفوظ قرار دیا ہے۔

(الكامل في ضعفاء الرّجال : 512/6)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ”منکر“ کہا ہے۔

(ميزان الاعتدال : 282/1)

❀ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ رُوِيَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ لَيْسَ لَهٗ طَرِيقٌ يَثْبُتُ ثَبْتٌ .

”یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے، ان میں کوئی بھی طریق ثابت نہیں ہے۔“

(الضّعفاء الكبير : 35/1)

سوال: درج ذیل حدیث مبارکہ میں ”ایمانا واحتسابا“ کا کیا مفہوم کیا ہے؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ .

”جس نے ایمان سمجھتے ہوئے اور ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کیا، اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔“

(صحيح البخاري : 37، صحيح مسلم : 173/759)

جواب: اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ جو شخص قیام رمضان کرتا ہے اور اس کے پیش نظر دو چیزیں ہوتی ہیں، تو اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، وہ دو چیزیں یہ ہیں؛

① **ایمانا:** وہ اس بات پر ایمان رکھتا ہو کہ قیام اللیل کی مشروعیت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کے حق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ یہ بھی معنی ہو سکتا ہے کہ وہ قیام اللیل کا اہتمام حالت ایمان میں کرتا ہے کہ اس کے عقیدہ میں شرک نہ ہو۔

② **احتسابا:** وہ قیام اللیل کا اہتمام کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی اُمید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس نیکی پر مجھے اجر جزیل عطا فرمائے گا۔

جو شخص ان دو چیزوں کے پیش نظر تراویح پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے گزشتہ صغیرہ گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔

✿ **امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۵۴ھ) فرماتے ہیں:**

اَلْاِحْتِسَابُ؛ قَصْدُ الْعَبِيدِ إِلٰى بَارِئِهِمْ بِالطَّاعَةِ رَجَآءَ الْقَبُولِ .

”(اس حدیث میں) احتساب سے مراد یہ ہے کہ بندگان خدا اپنے رب کے حضور قبولیت کی اُمید سے اطاعت و فرمانبرداری کا قصد کریں۔“

(صحيح ابن حبان، تحت الرقم : 2546)

✿ **علامہ علی بن عبد الکافی سبکی رحمہ اللہ (۷۵۶ھ) فرماتے ہیں:**

قَوْلُهٗ : «إِيمَانًا» أَيْ مُصَدِّقًا أَنَّهٗ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ، وَقَوْلُهٗ : «وَاحْتِسَابًا» أَيْ يَحْتَسِبُ أَجْرَهٗ عَلَى اللّٰهِ، وَهُوَ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الْأَعْمَالَ الصَّالِحَةَ إِنَّمَا يَقَعُ بِهَا غُفْرَانُ الذُّنُوبِ وَتَكْفِيرُ السَّيِّئَاتِ مَعَ

صِدْقِ النِّيَّاتِ، وَمُحَالٌ أَنْ يَزْكُوَ شَيْءٌ لَا يُرَادُ بِهِ اللّٰهُ.

''«إِيمَانًا» کا معنی یہ ہے کہ وہ اس بات کی تصدیق کرے کہ قیام اللیل اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشروع ہے۔ حدیث کے الفاظ «وَاحْتِسَابًا» سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس عمل پر اجر کی اُمید رکھتا ہے۔ یہ حدیث دلیل ہے کہ صدق نیت سے نیک اعمال کیے جائیں، تو گناہوں کی معافی ہوتی ہے، نیز جس عمل میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا مقصود نہ ہو، اس سے پاکیزگی کا حصول محال ہے۔''

(ضوء المَصابيح في صلاة التّراويح، ص 165)

سوال: تکبیر تحریمہ میں ہاتھ اٹھائے، اب سیدھا ہاتھ باندھ لیے جائیں یا ہاتھ چھوڑ کر دوبارہ باندھے جائیں؟

جواب: نماز میں داخل ہوتے وقت تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے اور اس کے بعد ہاتھ سینے پر باندھ لیے جائیں، تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑے نہ جائیں، کیونکہ اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ تکبیر تحریمہ کہنے کے بعد ہاتھ چھوڑنے کا ذکر احادیث میں نہیں، بلکہ جہاں بھی نماز میں داخل ہونے کا طریقہ بیان ہوا ہے، وہاں ہاتھ اٹھانے کے بعد ہاتھ باندھنے کا ذکر ہے، چھوڑنے کا ذکر نہیں۔

❀ علامہ علی بن عثمان بن محمد حنفی رحمہ اللہ (۵۷۵ھ) فرماتے ہیں:

لَا يُرْسِلُ يَدَيْهِ بَعْدَ التَّكْبِيرِ، بَلْ يَأْخُذُهُمَا.

''نمازی تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھوں کو نہ چھوڑے، بلکہ ہاتھ باندھ لے۔''

(فتاویٰ سراجیہ، ص 10)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۸۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: قبلہ رخ ٹانگیں کرنا کیسا ہے؟

جواب: قبلہ رخ ٹانگیں کرنے میں شرعی قباحت نہیں، اس کے مکروہ یا ممنوع ہونے پر کوئی دلیل شرعی معلوم نہیں۔ کراہت یا حرمت کے لیے دلیل شرعی درکار ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ قبلہ رخ ٹانگیں کرنا فی نفسہ مکروہ یا حرام نہیں، البتہ اگر نیت میں قبلہ کی بے احترامی اور بے حرمتی ہو، تو یہ عمل کفر ہے، کیونکہ شعائر اللہ کی تعظیم واجب ہے۔

تنبیہ:

❀ علامہ علی بن عثمان بن محمد حنفی رحمہ اللہ (۵۷۵ھ) فرماتے ہیں:

يَكْرَهُ مَدُّ الرِّجْلِ إِلَى الْقِبْلَةِ فِي حَالَةِ النَّوْمِ وَغَيْرِهِ، لِأَنَّهُ إِسَاءَةٌ فِي الْأَدَبِ .

''سوتے ہوئے یا کسی اور حالت میں قبلہ کی سمت ٹانگیں پھیلانا مکروہ ہے، کیونکہ یہ سوئے ادبی ہے۔''

(فتاویٰ سراجیہ، ص 72، تبيين الحقائق لعثمان الزيلعي الحنفي : 168/1، الدّر المختار للحصكفي الحنفي، ص 101)

اگر کوئی شخص بے ادبی کی نیت سے ایسا کرتا ہے، تو ایسا کرنا ناجائز ہے، لیکن اگر کسی

کے مدنظر کوئی بے ادبی یا گستاخی نہ ہو، تو ایسا کرنا ممنوع نہیں، واللہ اعلم!

سوال: ابلیس پر لعنت کرنا کیسا ہے؟

جواب: ابلیس لعین ہے، اس پر لعنت کی جا سکتی ہے، یہ راجح مؤقف ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَعَنَهُ اللّٰهُ﴾ (النّساء : ١١٨)

''اللہ تعالیٰ نے اس (ابلیس) پر لعنت کی۔''

❁ نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِي إِلٰى يَوْمِ الدِّينِ﴾ (صٓ : ٧٨)

''(اے ابلیس) بے شک تجھ پر قیامت تک میری لعنت ہے۔''

❁ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعْنَاهُ يَقُولُ : أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ ثُمَّ قَالَ : أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ ثَلَاثًا، وَبَسَطَ يَدَهٗ كَأَنَّهٗ يَتَنَاوَلُ شَيْئًا، فَلَمَّا فَرَغَ مِنَ الصَّلَاةِ قُلْنَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَدْ سَمِعْنَاكَ تَقُولُ فِي الصَّلَاةِ شَيْئًا لَمْ نَسْمَعْكَ تَقُولُهٗ قَبْلَ ذٰلِكَ، وَرَأَيْنَاكَ بَسَطْتَّ يَدَكَ، قَالَ : إِنَّ عَدُوَّ اللّٰهِ إِبْلِيسَ جَاءَ بِشِهَابٍ مِّنْ نَارٍ لِيَجْعَلَهٗ فِي وَجْهِي، فَقُلْتُ : أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْكَ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ قُلْتُ : أَلْعَنُكَ بِلَعْنَةِ اللّٰهِ التَّامَّةِ، فَلَمْ يَسْتَأْخِرْ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، ثُمَّ أَرَدْتُ أَخْذَهٗ، وَاللّٰهِ لَوْلَا دَعْوَةُ

أَخِينَا سُلَيْمَانَ لَأَصْبَحَ مُوثَقًا يَلْعَبُ بِهِ وِلْدَانُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ .

''رسول اللہ ﷺ (نماز میں) کھڑے ہوئے، تو ہم نے آپ کو فرماتے ہوئے سنا: ''میں تجھ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔'' پھر تین بار فرمایا: ''میں تجھ پر اللہ کی لعنت کرتا ہوں۔'' آپ ﷺ نے اپنا ہاتھ دراز کیا، جیسے کوئی شے پکڑ رہے ہوں۔ نماز سے فارغ ہوئے، تو ہم نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم نے آپ کو نماز میں ایسی بات کرتے سنا ہے، جو پہلے کبھی نہ سنا تھا اور آپ کو ہاتھ دراز کرتے دیکھا (پہلے ایسا کبھی نہ دیکھا، نہ سنا)۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کا دشمن ابلیس آگ کا انگارا لے کر آیا اور اسے میرے چہرے پر مارنا چاہتا تھا، تو میں نے تین مرتبہ کہا: ''میں تجھ سے اللہ کی پناہ طلب کرتا ہوں۔'' پھر اس پر تین بار لعنت کرتے ہوئے کہا: ''میں تجھ پر اللہ تعالیٰ کی مکمل لعنت بھیجتا ہوں۔'' لیکن وہ پیچھے نہیں ہٹا، پھر میں نے اسے پکڑنے کا ارادہ کیا، اللہ کی قسم! اگر میرے بھائی سلیمان علیہ السلام کی دعا نہ ہوتی، تو (میں اس ابلیس کو دبوچ لیتا اور) وہ باندھ دیا جاتا اور مدینہ کے بچے اس سے کھیل تماشا کرتے۔''

(صحیح مسلم: 542)

معلوم ہوا کہ ابلیس پر لعنت کی جا سکتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس پر لعنت بھیجی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بھی لعنت کی ہے، لہٰذا ابلیس ملعون پر لعنت کی جا سکتی ہے۔

تنبیہ:

❁ ابو ملیح رحمہ اللہ ایک صحابی سے بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ رَدِيفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَعَثَرَتْ دَابَّةٌ، فَقُلْتُ

: تَعِسَ الشَّيْطَانُ، فَقَالَ : لَا تَقُلْ : تَعِسَ الشَّيْطَانُ، فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ ذٰلِكَ تَعَاظَمَ حَتّٰى يَكُونَ مِثْلَ الْبَيْتِ، وَيَقُولُ : بِقُوَّتِي، وَلٰكِنْ قُلْ : بِسْمِ اللّٰهِ، فَإِنَّكَ إِذَا قُلْتَ ذٰلِكَ تَصَاغَرَ حَتّٰى يَكُونَ مِثْلَ الذُّبَابِ .

''میں نبی کریم ﷺ کے ہمراہ سوار تھا، آپ کی سواری بِدکی، تو میں نے کہا: شیطان ہلاک ہو، آپ ﷺ نے فرمایا: ایسے مت کہیں کہ شیطان ہلاک ہو، جب آپ نے یہ کہا، تو وہ بڑا ہوگیا اور گھر کی مانند ہوگیا، وہ سمجھتا ہے کہ یہ معاملہ میری قوت سے ہوا ہے، بلکہ اس صورت میں بسم اللہ پڑھیں، کیونکہ جب آپ بسم اللہ پڑھتے ہیں، تو وہ چھوٹا ہوکر مکھی کی مانند ہوجاتا ہے۔''

(سنن أبي داوٗد : 4982، عَمَل اليوم واللّيلة للنّسائي : 554، وسندہٗ صحيحٌ)

بعض نے اس حدیث کی بنا پر یہ مؤقف اپنایا ہے کہ ابلیس پر لعنت نہیں کرنی چاہیے، اس سے وہ پھول جاتا ہے۔ مگر یہ استدلال درست معلوم نہیں ہوتا۔ دراصل یہاں سواری کے بدکنے یا بے قابو ہونے پر شیطان کو بددعائیں دینے سے منع کیا گیا ہے، کیونکہ اس موقع پر جب شیطان کو برا بھلا کہا جائے گا، تو وہ یہ سمجھے گا کہ اس مسلمان کو میں نے پریشان کر دیا ہے اور میری طاقت اور قوت کی وجہ سے ہی اس کا سواری بدکی ہے، یوں وہ آپے سے باہر ہو جائے گا اور پھولے نہ سمائے گا، لیکن اگر سواری کے بدکنے پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے گا اور اس سے مدد طلب کی جائے گی، تو شیطان لعین یہ سب سن کر شدید افسردہ ہوگا کہ یہ بندہ اس پریشان میں بھی اللہ کا نام لے رہا ہے، یوں وہ کمزور ہوکر مکھی بن جاتا ہے۔

اس لیے کسی بھی پریشانی میں شیطان کو برا بھلا بولنے کے بجائے اللہ تعالیٰ کا نام لیا

جائے اوراس سے مدد طلب کی جائے، تاکہ شیطان کو فخر وتفاخر کا موقع نہ ملے، مگر وہ مایوس اورافسردہ ہو جائے۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَتَكُونُ فِتْنَةٌ صَمَّاءُ، بَكْمَاءُ، عَمْيَاءُ، مَنْ أَشْرَفَ لَهَا اسْتَشْرَفَتْ لَهُ، وَإِشْرَافُ اللِّسَانِ فِيهَا كَوُقُوعِ السَّيْفِ .

''بہت جلد بہرا، گونگا اور اندھا فتنہ ہوگا، جو اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھے گا، وہ فتنہ اس کی طرف چلا آئے گا، اس فتنے میں زبان چلانا ایسے ہوگا، جیسے تلوار چلائی جائے۔''

(سنن أبي داود : 4264)

جواب: سند ضعیف ہے۔ عبدالرحمٰن بن بیلمانی ضعیف ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْفِتَنَ، فَإِنَّ اللِّسَانَ فِيهَا مِثْلُ وَقْعِ السَّيْفِ .

''فتنوں سے خود کو بچائے رکھنا، کیونکہ ان میں پڑ کر زبان چلانا تلوار چلانے کے مترادف ہے۔''

(سنن ابن ماجه : 3968)

سند باطل ہے۔

① محمد بن عبدالرحمٰن بن بیلمانی سخت ضعیف ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اِتَّفَقُوا عَلٰی ضَعْفِہٖ .

''اس کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔''

(نتائج الأفكار :248/1)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَدَّثَ عَنْ أَبِيهِ بِنُسْخَةٍ شَبِيهًا بِمِائَتَيْ حَدِيثٍ كُلُّهَا مَوْضُوعَةٌ لَا يَجُوزُ الْاِحْتِجَاجُ بِهٖ وَلَا ذِكْرُهٗ فِي الْكُتُبِ إِلَّا عَلٰى جِهَةِ التَّعَجُّبِ .

''اس نے اپنے باپ سے منسوب ایک نسخہ روایت کیا ہے، جو تقریباً دوسو احادیث پر مشتمل ہے، یہ ساری کی ساری احادیث من گھڑت ہیں، اس سند سے مروی حدیث سے حجت پکڑنا یا اسے کتابوں میں ذکر کرنا جائز نہیں، البتہ تعجب کے طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے۔''

(كتاب المَجروحين : 264/2)

② عبدالرحمٰن بن بیلمانی ضعیف ہے۔

③ عبدالرحمٰن بن بیلمانی کا سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سماع نہیں۔

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

سیدنا ابواُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ فَتًى شَابًّا أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، ائْذَنْ لِي بِالزِّنَا، فَأَقْبَلَ الْقَوْمُ عَلَيْهِ فَزَجَرُوهُ وَقَالُوا : مَهْ مَهْ، فَقَالَ : ادْنُهْ، فَدَنَا مِنْهُ قَرِيبًا، قَالَ : فَجَلَسَ قَالَ : أَتُحِبُّهٗ

لِأُمِّكَ؟ قَالَ : لَا، وَاللّٰهِ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَاءَ كَ، قَالَ : وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهٗ لِأُمَّهَاتِهِمْ، قَالَ : أَفَتُحِبُّهٗ لِابْنَتِكَ؟ قَالَ : لَا، وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَاءَ كَ قَالَ : وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهٗ لِبَنَاتِهِمْ، قَالَ : أَفَتُحِبُّهٗ لِأُخْتِكَ؟ قَالَ : لَا، وَاللّٰهِ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَائَكَ، قَالَ : وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهٗ لِأَخَوَاتِهِمْ، قَالَ : أَفَتُحِبُّهٗ لِعَمَّتِكَ؟ قَالَ : لَا، وَاللّٰهِ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَاءَ كَ، قَالَ : وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهٗ لِعَمَّاتِهِمْ، قَالَ : أَفَتُحِبُّهٗ لِخَالَتِكَ؟ قَالَ : لَا، وَاللّٰهِ جَعَلَنِي اللّٰهُ فِدَاءَ كَ، قَالَ : وَلَا النَّاسُ يُحِبُّونَهٗ لِخَالَاتِهِمْ، قَالَ : فَوَضَعَ يَدَهٗ عَلَيْهِ وَقَالَ : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذَنْبَهٗ وَطَهِّرْ قَلْبَهٗ، وَحَصِّنْ فَرْجَهٗ، فَلَمْ يَكُنْ بَعْدُ ذٰلِكَ الْفَتٰى يَلْتَفِتُ إِلٰى شَيْءٍ .

''ایک نوجوان نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا: اللہ کے رسول! مجھے زنا کی اجازت دے دیں۔ لوگ اس کی طرف لپکے اور اسے ڈانٹنے لگے، کہنے لگے: رک رک۔ آپ ﷺ نے (اس نوجوان سے) فرمایا: میرے قریب آیئے، تو وہ آپ ﷺ کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ کوئی آپ کی ماں کے ساتھ زنا کرے؟ کہنے لگا: بالکل نہیں، اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے! فرمایا: لوگ بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی ماؤں کے ساتھ زنا کرے۔ مزید فرمایا: کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ کوئی آپ کی بیٹی کے ساتھ زنا کرے؟ کہنے لگا: ہرگز

نہیں، اللہ مجھے آپ پر فدا کر دے۔ فرمایا: لوگ بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی بیٹیوں سے زنا کرے۔ پھر فرمایا: کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ کوئی آپ کی بہن کے ساتھ زنا کرے؟ عرض کیا: بالکل نہیں، اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے۔ فرمایا: لوگ بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی بہنوں کے ساتھ زنا کرے۔ پھر فرمایا: کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ کوئی آپ کی پھوپھی کی ساتھ بدکاری کرے؟ کہنے لگا: نہیں، اللہ مجھے آپ پر نثار کر دے۔ فرمایا: لوگ بھی اپنے پھوپھی کے لیے ایسی حرکت پسند نہیں کرتے۔ پھر فرمایا: کیا آپ چاہیں گے کہ کوئی آپ کی خالہ کے ساتھ زنا کرے؟ عرض کیا: ہرگز نہیں، اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے۔ فرمایا: پھر لوگ بھی پسند نہیں کرتے کہ کوئی ان کی خالاؤں کے ساتھ ایسی حرکت کرے۔ پھر آپ ﷺ نے اس پر اپنا ہاتھ مبارک رکھا اور دعا فرمائی: ''اللہ! اس کا گناہ معاف کر دے، اس کے دل کو پاک کر دے اور اس کی شرمگاہ کی حفاظت فرما۔'' اس کے بعد یہ نوجوان کبھی ایسی کسی حرکت کی مائل نہ ہوا۔''

(مسند الإمام أحمد : 256/5)

جواب: اس کی سند صحیح ہے۔

❀ حافظ عراقی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''جید'' کہا ہے۔

(تخريج أحاديث الإحياء : 1362/3)

سوال: ابو طالب کے اسلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: ابو طالب کا اسلام قبول کرنا ثابت نہیں۔

❁ علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد بخاری حنفی رحمہ اللہ (۸۴۱ھ) فرماتے ہیں:

أَبُو طَالِبٍ عَمُّ رَسُولِ اللّٰهِ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ مَاتَ كَافِرًا، وَلَمْ يُؤْمِنْ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب حالت کفر میں فوت ہوئے، آپ ایمان نہیں لائے تھے۔''

(شرح الفقه الأكبر، ص 229)

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ فِي جَمَاعَةٍ فِي رَمَضَانَ فَقَدْ أَدْرَكَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ.

''جس نے رمضان میں (پورا مہینہ) عشاء کی نماز باجماعت ادا کی، تو اس نے لیلۃ القدر (کے ایک حصے) کو پالیا۔''

(صحيح ابن خزيمة : 2195)

جواب: سند ضعیف ہے۔ عقبہ بن ابی الحسناء یمامی مجہول الحال ہے۔ اسے امام علی بن مدینی رحمہ اللہ اور حافظ کتانی رحمہ اللہ نے مجہول کہا ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (میزان الاعتدال: ۳/۸۴) نے نقل کیا ہے۔

❁ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ نے ''شیخ'' (مجہول) کہا ہے۔

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 310/6)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ''مجہول'' کہا ہے۔

(ميزان الاعتدال : 84/3، تاريخ الإسلام : 460/4)

پھر یہ راوی منفرد بھی ہے، ایسے راوی کا تفرد قبول نہیں۔ نیز اس راوی کی توثیق کے لیے امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کا صحیح میں ذکر کرنا کافی نہیں، رہا امام ابن حبان رحمہ اللہ کا ''الثقات : ۵/ ۲۲۵'' میں ذکر کرنا، تو وہ انہوں نے اپنے شیخ ابن خزیمہ رحمہ اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے ذکر کیا ہوگا، جیسا کہ ان کے صنیع سے معلوم ہوتا ہے۔

اس روایت کا شاہد بھی ضعیف ہے۔

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ صَلَّى الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ فِي جَمَاعَةٍ حَتّٰى يَنْقَضِيَ شَهْرُ رَمَضَانَ فَقَدْ أَصَابَ مِنْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ بِحَظٍّ وَافِرٍ .

''جو (رمضان میں) نماز مغرب اور نماز عشاء باجماعت ادا کرتا رہا، یہاں تک کہ رمضان کا اختتام ہوگیا، تو یقیناً اس نے لیلۃ القدر کا ایک بڑا حصہ پالیا ہے۔''

(شُعب الإيمان للبيهقي : 3433)

باطل روایت ہے۔

① یحییٰ بن عقبہ بن ابی العیزار ضعیف و منکر الحدیث ہے۔

② عباس بن ربیع بن ثعلب مجہول الحال ہے۔

③ محمد بن جحادہ کا سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❁ اس سند کے بعض راویوں کی متابعت بھی ہوئی ہے۔

(حِلية الأولياء لأبي نعيم : 64/5)

یہ سند بھی ضعیف ہے۔

① صلت بن حجاج کی منکر روایات ہیں۔

② محمد بن جحادہ کا سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❁ امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

غَرِيبُ الْمَتْنِ وَالْإِسْنَادِ .

''اس کا متن اور سند دونوں غریب (منکر) ہیں۔''

(حِلية الأولياء : 64/5)

سوال: بعض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کائنات کو تخلیق کر کے فارغ ہو چکا ہے، اب اس کا نظام اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو سونپا ہے، اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: یہ نظریہ کفریہ ہے۔ دراصل یہ باطنی صوفیا اور اہل فلسفہ کی فکر ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو مخلوق میں تقسیم کرتے ہیں اور اپنے من پسند لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے اختیارات بانٹے پھرتے ہیں۔ یہ شرک کی بھیانک صورت ہے، بلکہ یہ مشرکین مکہ کے شرک سے بھی بڑا شرک ہے۔

کائنات کا نظام اللہ تعالیٰ ہی چلا رہا ہے۔ وہ کسی کا محتاج نہیں، اس کا ہر کام حکمت بالغہ کے تحت ہے۔ اگر اس نے کسی کام پر کسی کو مامور کیا ہے، تو اس میں بھی وہ اس کا محتاج نہیں، بلکہ یہ سپردگی بھی اس کی حکمت کے مطابق ہے۔

بہر حال اللہ تعالیٰ کائنات کا خالق بھی ہے، مالک بھی اور مدبر و منتظم بھی۔

❁ فرمان الٰہی ہے:

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ﴾ (يونس : ٣)

”بلاشبہ تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہی ہے، جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، پھر عرش پر مستوی ہوا اور وہی معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔“

رب کے مفہوم میں تین چیزیں آتی ہیں؛ ① تخلیق ② ملکیت ③ تدبیر

گویا جب اللہ تعالیٰ کو رب مانا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا خالق بھی ہے، اس پر مکمل ملکیت بھی رکھتا ہے اور اس کے نظام کو چلا بھی رہا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ صفت خلق اور صفت مُلک میں وحدہ لاشریک ہے، اسی طرح کائنات کی تدبیر کرنے میں بھی شرکت سے پاک ہے۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَسْأَلُهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾

(الرحمن : ۲۹)

”اسی (اللہ) سے آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوقات (اپنی ضروریات کا) سوال کرتی ہیں، وہ ہر وقت کسی نہ کسی کام میں ہے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ ہر وقت تدبیر کر رہا ہے، کسی کو امیر، کسی کو غریب، کسی کو تندرست، کسی کو بیمار، کسی کو بلند اور کسی کو پست کر رہا ہے۔ گویا کائنات میں چلنے والا ہر نظام اللہ تعالیٰ کی تدبیر سے انجام پاتا ہے۔

❁ سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَنَامُ، وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنَامَ، يَخْفِضُ الْقِسْطَ وَيَرْفَعُهُ، يُرْفَعُ إِلَيْهِ عَمَلُ اللَّيْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّهَارِ، وَعَمَلُ النَّهَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّيْلِ .

’’بلاشبہ اللہ عز وجل سوتا نہیں ہے، نہ سونا اس کے لائق ہے، وہ میزان کو اوپر نیچے کرتا ہے، اسی کی طرف رات کے اعمال، (اگلے) دن کے اعمال سے پہلے بلند کیے جاتے ہیں اور دن کے اعمال (اگلی) رات کے اعمال سے پہلے پہلے بلند کر دیے جاتے ہیں۔‘‘

(صحیح مسلم : 179)

وہ میزان، جس سے بندوں کے لیے رزق تقسیم ہوتے ہیں اور دیگر معاملات طے پاتے ہیں، اس کا مکمل انتظام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ جس کے لیے جو چاہتا ہے، فیصلہ کر دیتا ہے۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ﴾(الأنبياء : ٢٢)

’’اگر زمین وآسمان میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی معبودان ہوتے، تو یہ (زمین وآسمان اپنے نظام سمیت) تباہ ہو جاتے، سو اللہ جو عرش کا رب ہے، ان تمام باتوں سے پاک ہے، جو یہ (مشرکین) بیان کرتے ہیں۔‘‘

معلوم ہوا کہ زمین وآسمان کا نظام اللہ تعالیٰ ہی چلا رہا، اگر وہ کسی اور کے سپرد ہوتا، تو اس نظام میں فساد برپا ہو جاتا۔

سوال: کیا قرآن صرف اخلاقیات کی کتاب ہے؟

جواب: قرآن کریم مکمل ضابطہ حیات ہے۔ اس میں ہر وہ کچھ ہے، جو انسانوں کی دنیا اور آخرت کی کامیابی کے لیے ضروری ہے۔ اس میں عقائد، عبادات، اخلاقیات اور

معاملات سمیت تمام مسائل مذکور ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِينَ﴾(النّحل : ٨٩)

”ہم نے آپ پر کتاب نازل کی ہے، جو ہر شے کو کھول کر بیان کرتی ہے، یہ راہنما اور ہدایت ہے، نیز مسلمانوں کے لیے خوشخبری ہے۔“

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (٧٧٤ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْقُرْآنَ اشْتَمَلَ عَلٰى كُلِّ عِلْمٍ نَافِعٍ مِنْ خَبَرِ مَا سَبَقَ، وَعِلْمِ مَا سَيَأْتِي، وَحُكْمِ كُلِّ حَلَالٍ وَحَرَامٍ، وَمَا النَّاسُ إِلَيْهِ مُحْتَاجُونَ فِي أَمْرِ دُنْيَاهُمْ وَدِينِهِمْ، وَمَعَاشِهِمْ وَمَعَادِهِمْ .

”قرآن کریم میں ہر طرح کا نفع مند علم موجود ہے، خواہ اس کا تعلق ماضی کے حالات سے ہو یا آئندہ کے حالات کی آگاہی سے ہو، اسی طرح اس میں ہر قسم کے حلال وحرام کا حکم موجود ہے، نیز لوگوں کے لیے دین، دنیا، زندگی اور آخرت سے متعلقہ جو چیزیں ضروری ہیں، سب کچھ اس قرآن میں موجود ہے۔“

(تفسیر ابن کثیر : 594/4)

قرآن کریم کو محض اخلاقیات کی کتاب کہہ دینا ظلم ہے اور قرآن کریم کی ناقدری ہے۔ بعض ”روشن مزاج“ مسلمان عملی طور پر قرآن کریم سے صرف اخلاقیات ہی حاصل کرتے ہیں، عقائد، احکام اور معاملات کی بات آئے، تو آنکھیں بند کر لیتے ہیں، بلکہ کفار کے مرتب کردہ قوانین کو موجودہ دور کی ضرورت سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا مقدر ذلت

ورسوائی کے ماسوا کچھ نہیں۔

سوال: بعض کہتے ہیں کہ جب تک نماز میں نبی کریم ﷺ کا تصور نہ ہو، تب تک نماز قبول نہیں ہوتی، اس کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: اگر نماز میں نبی کریم ﷺ کے تصور سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم کے لیے نماز پڑھی جائے، تو یہ واضح شرک ہے، نماز صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور اسی کی تعظیم بجالانے کے لیے ادا کی جاتی ہے۔

لیکن اگر نماز میں نبی کریم ﷺ کے تصور سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کا خیال اور یاد نماز میں لانا ضروری ہے، تو یہ نظریہ بدعت ہے، کیونکہ کتاب وسنت اور سلف اُمت کی زندگیوں میں اس پر کوئی دلیل نہیں۔ نماز میں نبی کریم ﷺ کا براہِ راست خیال آنا نماز کی قبولیت کے لیے شرط نہیں۔

البتہ نماز میں نبی کریم ﷺ کی سنت اور طریقہ کو اختیار کرنا ضروری ہے، نماز میں نبی کریم ﷺ کی یاد آجائے اور آپ ﷺ کی محبت پیدا ہو جائے، تو یہ بہت عمدہ ہے۔

نماز میں طریقہ نبی کریم ﷺ کا ہونا ضروری ہے اور ذکر اور یاد اللہ تعالیٰ کی ہونی چاہیے۔ یہی نماز کا مقصد ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي﴾ (طٰہٰ: ١٤)

''میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔''

❁ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي . ''میری طرح نماز پڑھیں۔''

(صحيح البخاري :631)

سوال: نبی کریم ﷺ کی کتنی صاحبزادیاں تھیں؟

جواب: مسلمانوں کا اجماعی واتفاقی اعتقاد ہے کہ نبی کریم ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔

علامہ ابوعبداللہ محمد بن محمد بخاری حنفی رحمہ اللہ (۸۴۱ھ) فرماتے ہیں:

مِنْ جُمْلَةِ مَا يَجِبُ اعْتِقَادُ حَقِّيَّتِهَا قَوْلُهٗ رَحِمَهُ اللّٰهُ : «وَفَاطِمَةُ وَزَيْنَبُ، وَرُقَيَّةُ، وَأُمُّ كُلْثُومٍ، كُنَّ جَمِيعًا بَنَاتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَضِيَ عَنْهُنَّ» .

''امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس فرمان کے مطابق عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ ''سیدہ فاطمہ، سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ اُم کلثوم رضی اللہ عنہن تمام کی تمام رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں ہیں۔''

(شرح الفقه الأكبر، ص 230)

سوال: تین رکعت وتر کا کیا طریقہ ہے؟

جواب: تین رکعت وتر دو طرح سے پڑھے جا سکتے ہیں۔

① دو رکعتوں کے بعد سلام پھیر دیا جائے اور تیسری رکعت الگ سے ادا کر لی جائے۔

② ایک تشہد کے ساتھ بھی تین رکعت وتر ادا کیے جا سکتے ہیں۔

علامہ ابومنصور عبدالقاہر بغدادی رحمہ اللہ (۴۲۹ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا صَلَّى الْإِنْسَانُ الْوِتْرَ ثَلَاثًا بِتَشَهُّدٍ وَّاحِدٍ، أَجْزَأَتْهُ فِي قَوْلِ الْجَمِيعِ .

”اگر کوئی انسان تین وتر ایک تشہد سے ادا کرے، تو ایسا کرنا جائز ہے، تمام فقہا کی یہی رائے ہے۔“

(الأسماء والصّفات: 245/3)

سوال: کیا قتل خطا میں قصاصاً قتل کیا جا سکتا ہے؟

جواب: قتل کے بدلے قتل صرف اس صورت میں جائز ہے، جب قتل عمد ہو۔ قتل خطا میں دیت ہے، قصاص نہیں۔

❀ امام طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

كَانَ ذٰلِكَ غَيْرَ جَائِزٍ فِي قَوْلِ الْجَمِيعِ .

”(اگر کوئی قتل خطا میں قصاص کا مطالبہ کرے، تو) یہ ناجائز ہوگا، تمام فقہا کی یہی رائے ہے۔“

(تهذيب الآثار [مسند ابن عباس]: 39/1)

سوال: روزے یا اعتکاف میں بالکل چپ رہنا اور بات ہی نہ کرنا کیسا ہے؟

جواب: روزے یا اعتکاف میں بالکل خاموش رہنا اور بات ہی نہ کرنا، نیز اسے عبادت یا قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھنا ناجائز اور حرام بدعت ہے۔ شریعت میں اس کا ثبوت نہیں۔ بری باتوں سے بچنا اور خیر اور نیکی کی بات کہنا مشروع ہے۔ مگر جائز باتوں سے بھی رک جانا اور اسے عبادت سمجھنا بدعت ہے۔ یہ ایسا ”تقویٰ“ ہے، جس کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں۔

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

بَيْنَمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشِي إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ

فِي الشَّمْسِ فَسَأَلَ عَنْهُ، فَقَالُوا : هٰذَا أَبُو إِسْرَائِيلَ نَذَرَ أَنْ يَّقُومَ وَلَا يَقْعُدَ وَلَا يَسْتَظِلَّ وَلَا يَتَكَلَّمَ وَيَصُومَ، فَقَالَ : مُرُوهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهٗ .

''ایک دفعہ نبی کریم ﷺ نے ایک آدمی کو دھوپ میں کھڑے دیکھا،تو اس کے متعلق (لوگوں سے) پوچھا: انہوں نے بتایا: یہ ابو اسرائیل ہیں، انہوں نے نذر مانی ہے کہ وہ دھوپ میں کھڑے رہیں گے، نہ بیٹھیں گے، نہ سائے میں جائیں گے، نہ کلام کریں گے اور روزہ رکھیں گے۔آپ ﷺ نے فرمایا: انہیں کہیں کہ کلام کریں،سائے میں آجائیں، بیٹھ جائیں اور روزہ پورا کریں۔''

(صحيح البخاري : 6704، المُنتقٰى لابن الجارود : 938)

❁ قیس بن ابی حازم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ أَحْمَسَ يُقَالُ لَهَا زَيْنَبُ، فَرَآهَا لَا تَكَلَّمُ، فَقَالَ : مَا لَهَا لَا تَكَلَّمُ؟ قَالُوا : حَجَّتْ مُصْمِتَةً، قَالَ لَهَا : تَكَلَّمِي، فَإِنَّ هٰذَا لَا يَحِلُّ، هٰذَا مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ، فَتَكَلَّمَتْ .

''سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ احمس قبیلہ کی زینب نامی عورت کے یہاں تشریف لے گئے، دیکھا کہ وہ بات ہی نہیں کر رہی،فرمایا: یہ بات کیوں نہیں کر رہی؟ لوگوں نے بتایا: اس نے خاموش رہ کر حج کرنے کی نذر مانی ہے۔آپ رضی اللہ عنہ نے اس سے فرمایا: کلام کیجئے، کیونکہ یہ (خاموش رہنا) حلال نہیں، بلکہ یہ

جاہلیت کا عمل ہے، تو اس نے کلام کرنا شروع کر دیا۔''

(صحيح البخاري : 3834)

۞ علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ (٦٢٠ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ مِنْ شَرِيعَةِ الْإِسْلَامِ الصَّمْتُ عَنِ الْكَلَامِ، وَظَاهِرُ الْأَخْبَارِ تَحْرِيمُهُ .

''مطلق طور پر خاموش رہنے کا شریعت اسلامیہ میں کوئی جواز نہیں، بلکہ احادیث کا ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایسا کرنا حرام ہے۔''

(المُغني 202/3)

۞ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٧٢٨ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا الصَّمْتُ عَنِ الْكَلَامِ مُطْلَقًا فِي الصَّوْمِ أَوِ الِاعْتِكَافِ أَوْ غَيْرِهِمَا فَبِدْعَةٌ مَكْرُوهَةٌ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ .

''روزے اور اعتکاف وغیرہ میں مطلق طور پر چپ رہنا مکروہ بدعت ہے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔''

(مَجموع الفتاویٰ : 292/25)

۞ محمد بن حسن شیبانی کہتے ہیں:

لَيْسَ فِي الِاعْتِكَافِ صَمْتٌ .

''اعتکاف میں چپ رہنا مشروع نہیں۔''

(الأصل : 277/2)

۞ علامہ علی بن ابی بکر مرغینانی حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا بِخَيْرٍ وَيُكْرَهُ لَهُ الصَّمْتُ لِأَنَّ صَوْمَ الصَّمْتِ لَيْسَ بِقُرْبَةٍ فِي شَرِيعَتِنَا لٰكِنَّهُ يَتَجَانَبُ مَا يَكُونُ مَأْثَمًا .

''معتکف کو چاہیے کہ وہ خیر و بھلائی کی بات کرے، اس کے لیے بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے، کیونکہ چپ کا روزہ ہمارے شریعت میں کوئی نیکی کا کام نہیں، البتہ گناہ کی باتوں سے اجتناب کرے۔''

(الهداية :130/1)

❀ علامہ ابن مفلح رحمہ اللہ (۷۶۳ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ الصَّمْتُ مِنْ شَرِيعَةِ الْإِسْلَامِ .

''چپ سادھ لینا اسلامی شریعت میں جائز نہیں۔''

(الفُروع :188/5)

سوال: کیا بچے کو حج پر لے جایا جا سکتا ہے؟

جواب: چھوٹا بچہ بھی حج پر جا سکتا ہے، اس پر صحیح احادیث اور اجماعِ اُمت دلیل ہیں۔

❀ سیدنا سائب بن یزید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

حُجَّ بِي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا ابْنُ سَبْعِ سِنِينَ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں مجھے بھی حج کرایا گیا، اس وقت میری عمر سات برس تھی۔''

(صحيح البخاري : 1858)

❀ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ امْرَأَةً رَفَعَتْ صَبِيًّا لَّهَا مِنْ مِحَفَّةٍ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلْ لِهٰذَا حَجٌّ قَالَ : نَعَمْ وَلَكِ أَجْرٌ .

''ایک عورت نے محفہ (عورتوں کی سواری کی پالکی) سے اپنا بچہ نکال کر کہا: اللہ کے رسول! کیا اس کا حج ہو جائے گا؟ فرمایا: جی ہاں! اور اجر آپ کو ملے گا۔''

(صحیح مسلم : 1336، المُنتقٰی لابن الجارود : 411)

✿ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:

فِي هٰذَا الْحَدِيثِ مِنَ الْفِقْهِ الْحَجُّ بِالصِّبْيَانِ وَأَجَازَهٗ جَمَاعَةُ الْعُلَمَاءِ بِالْحِجَازِ وَالْعِرَاقِ وَالشَّامِ وَمِصْرَ وَخَالَفَهُمْ فِي ذٰلِكَ أَهْلُ الْبِدَعِ فَلَمْ يَرَوْا الْحَجَّ بِهِمْ وَقَوْلُهُمْ مَهْجُورٌ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ .

''اس حدیث میں فقہی فائدہ ہے کہ بچوں کو بھی حج پر لے جایا جا سکتا ہے، حجاز، عراق، شام اور مصر میں علما کی بڑی جماعت اسے جائز سمجھتی ہے، جبکہ اس مسئلہ میں بعض اہل بدعت نے مخالفت کی ہے، وہ بچوں کو حج پر لے جانا جائز نہیں سمجھتے۔ اہل علم کے ہاں ان کے قول رد ہے۔''

(الاستذکار : 398/4)

✿ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

لَا خِلَافَ بَيْنَ أَئِمَّةِ الْعِلْمِ فِي جَوَازِ الْحَجِّ بِالصِّبْيَانِ، إِلَّا قَوْمًا مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ مَنَعُوهُ، وَلَا يُلْتَفَتُ لِقَوْلِهِمْ، وَفِعْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيْضًا لِذٰلِكَ وَإِجْمَاعُ الْأَئِمَّةِ

وَالصَّحَابَةِ يَرُدُّ قَوْلَهُمْ.

”ائمہ اہل علم کے مابین بچوں کو حج پر لے جانے کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ اہل بدعت کی ایک جماعت اسے ممنوع سمجھتی ہے، ان کی بات کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کے فعل مبارک، ائمہ اور صحابہ کے اجماع میں ان اہل بدعت کا رد ہے۔“

(إكمال المُعلم : 4/441)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۸۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا نماز یا وضو کے علاوہ اوقات میں مسواک کرنا مسنون ہے؟

جواب: مسواک کسی بھی وقت کی جا سکتی ہے، یہ مسنون عمل ہے۔ البتہ نماز اور وضو جیسے اوقات میں اس کی تاکید مزید ہو جاتی ہے۔ نبی کریم ﷺ بہت زیادہ مسواک فرمایا کرتے تھے۔

سوال: کیا وضو کرتے ہوئے یہ نیت کرنا ضروری ہے کہ کس عبادت کے لیے وضو کر رہا ہوں؟

جواب: وضو کرتے ہوئے نیت ضروری ہے، نیت دل کے ارادہ اور عزم کا نام ہے، انسان کو معلوم ہو کہ وہ کیا عمل کر رہا ہے۔ البتہ وضو کرتے ہوئے یہ بات یاد رکھنا ضروری نہیں کہ وہ فلاں عبادت کو انجام دینے کے لیے وضو کر رہا ہوں۔ مثلاً وضو کرتے وقت یہ ذہن میں ہونا ضروری نہیں کہ میں نماز کے لیے وضو کر رہا ہوں یا قرآن پڑھنے کے لیے یا کسی اور ایسے عمل کے لیے جس کے لیے وضو شرط ہے یا مستحب ہے۔

اگر نماز کے وقت وضو کیا ہے، تو اس سے نماز کے ساتھ ساتھ تلاوت بھی کی جا سکتی ہے اور دیگر ایسے اعمال بھی انجام دیے جا سکتے ہیں، جن کے لیے وضو شرط ہے یا مستحب ہے۔

سوال: ایک شخص نیند سے بیدار ہوا، تو اس کے پاس پانی موجود نہ تھا، پانی تک پہنچنے تک نماز کا وقت نکل جائے گا، کیا وہ تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے؟

جواب: اگر پانی اتنا دور ہو کہ وہاں پہنچنے تک نماز کا وقت ختم ہو جائے گا یا نماز کے وقت کے ختم ہونے تک پانی دستیاب ہونے کی کوئی اُمید باقی نہیں، تو ایسا شخص تیمّم کر کے نماز ادا کر لے۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ مُسْتَيْقِظًا فِي الْوَقْتِ وَالْمَاءُ بَعِيدٌ مِنْهُ لَا يُدْرِكُهُ إِلَّا بَعْدَ الْوَقْتِ فَإِنَّهُ يُصَلِّي فِي الْوَقْتِ بِالتَّيَمُّمِ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

”جو نماز کے وقت میں بیدار رہوا، پانی دور ہے، جس تک پہنچتے پہنچتے نماز کا وقت جاتا رہے گا، تو وہ تیمّم کر کے وقت پر نماز ادا کر لے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔“

(مَجموع الفتاویٰ : 35/22)

سوال: بعض کہتے ہیں کہ فلاں بزرگ کا جاری کردہ ورد اور وظیفہ کرتے رہو، جنت مل جائے گی، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: جنت کا داخلہ ایمان اور عمل کے ساتھ مشروط ہے۔ اس کے بغیر جنت نہیں۔ کسی بزرگ کا جاری کردہ ورد یا وظیفہ جنت میں نہیں لے جائے گا، بلکہ کوئی بھی لفظی ذکر کرنے سے جنت نہیں ملے گی، جب تک کہ اس ذکر کے تقاضوں کو پورا نہ کیا جائے۔

مثلاً کوئی زبان کلامی جتنا مرضی لا الہٰ الا اللہ کا ورد کرتا رہے، اگر وہ اس کلمہ کے بنیادی تقاضوں کو پورا نہیں کرتا، تو اس کے کلمہ کا کوئی اعتبار نہیں، کیونکہ کلمہ کا اقرار کرنے سے مراد صرف زبان سے ادا کرنا کافی نہیں، بلکہ عقائد ونظریات بھی اس کے ہم آہنگ ہوں اور عمل بھی اسی کے تقاضوں کا آئینہ دار ہو، تو اللہ تعالیٰ سے اُمید واثق ہے کہ وہ سرخرو کر دے گا۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

قِيلَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لَقَدْ ظَنَنْتُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ أَنْ لَّا يَسْأَلَنِي عَنْ هٰذَا الْحَدِيثِ أَحَدٌ أَوَّلُ مِنْكَ لِمَا رَأَيْتُ مِنْ حِرْصِكَ عَلَى الْحَدِيثِ، أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، مَنْ قَالَ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، خَالِصًا مِنْ قَلْبِهٖ، أَوْ نَفْسِهٖ .

’’رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: اللہ کے رسول! روز قیامت آپ کی شفاعت کا سب سے زیادہ حق دار کون خوش نصیب ہوگا؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ابو ہریرہ! مجھے یقین تھا کہ اس حدیث کے متعلق سب سے پہلے آپ ہی سوال کریں گے، کیونکہ میں آپ کی حصول حدیث پر حرص جانتا ہوں۔ روز قیامت میری شفاعت کا سب سے زیادہ حق دار وہ خوش نصیب ہوگا، جس نے صدق دل سے لا الہ الا اللہ پڑھا ہوگا۔‘‘

(صحيح البخاري : 99)

صدق دل سے کلمہ توحید پڑھنے کا مطلب اس کے معانی کو سمجھنا اور اس کے مطابق عقیدہ وعمل بنانا ہے۔ اس مقصد کے ساتھ کلمہ کا اقرار کرنے والا نبی کریم ﷺ کی شفاعت کی سعادت سے بہرہ مند ہوگا۔

لیکن اگر کوئی شخص لا الہ الا اللہ بھی پڑھے اور خالق کی صفات اور افعال میں مخلوق کو شریک بھی کرے، تو ایسا کلمہ معتبر نہیں، نہ وہ شفاعت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا حق دار ہے۔

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

رُوحُ هٰذِهِ الْكَلِمَةِ وَسِرُّهَا : إِفْرَادُ الرَّبِّ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ، وَتَقَدَّسَتْ

أَسْمَاؤُهٗ، وَتبَارَكَ اسْمُهٗ، وَتَعَالٰى جَدُّهٗ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُهٗ بِالْمَحَبَّةِ وَالْإِجْلَالِ وَالتَّعْظِيمِ وَالْخَوْفِ وَالرَّجَاءِ وَتَوَابِعِ ذٰلِكَ مِنَ التَّوَكُّلِ وَالْإِنَابَةِ وَالرَّغْبَةِ وَالرَّهْبَةِ، فَلَا يُحَبُّ سِوَاهُ، وَكُلُّ مَا كَانَ يُحَبُّ غَيْرَهٗ فَإِنَّمَا يُحَبُّ تَبَعًا لِمَحَبَّتِهٖ، وَكَوْنِهٖ وَسِيلَةً إِلٰى زِيَادَةِ مَحَبَّتِهٖ، وَلَا يُخَافُ سِوَاهُ، وَلَا يُرْجٰى سِوَاهُ، وَلَا يُتَوَكَّلُ إِلَّا عَلَيْهِ، وَلَا يُرْغَبُ إِلَّا إِلَيْهِ، وَلَا يُرْهَبُ إِلَّا مِنْهُ، وَلَا يُحْلَفُ إِلَّا بِاسْمِهٖ، وَلَا يُنْظَرُ إِلَّا لَهٗ، وَلَا يُتَابُ إِلَّا إِلَيْهِ، وَلَا يُطَاعُ إِلَّا أَمْرُهٗ، وَلَا يُتَحَسَّبُ إِلَّا بِهٖ، وَلَا يُسْتَغَاثُ فِي الشَّدَائِدِ إِلَّا بِهٖ، وَلَا يُلْتَجَأُ إِلَّا إِلَيْهِ، وَلَا يُسْجَدُ إِلَّا لَهٗ، وَلَا يُذْبَحُ إِلَّا لَهٗ وَبِاسْمِهٖ، وَيَجْتَمِعُ ذٰلِكَ فِي حَرْفٍ وَّاحِدٍ، وَهُوَ أَنْ لَا يُعْبَدَ إِلَّا إِيَّاهُ بِجَمِيعِ أَنْوَاعِ الْعِبَادَةِ، فَهٰذَا هُوَ تَحْقِيقُ شَهَادَةِ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَلِهٰذَا حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ حَقِيقَةَ الشَّهَادَةِ، وَمُحَالٌ أَنْ يَدْخُلَ النَّارَ مَنْ تَحَقَّقَ بِحَقِيقَةِ هٰذِهِ الشَّهَادَةِ وَقَامَ بِهَا، كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ﴾(الْمَعَارِج : ٣٣)، فَيَكُونُ قَائِمًا بِشَهَادَتِهٖ فِي ظَاهِرِهٖ وَبَاطِنِهٖ، فِي قَلْبِهٖ وَقَالَبِهٖ.

”اس کلمہ کی اصل روح اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو محبت، تعظیم،

اکرام،خوف،رجاء،توکل،رجوع،رغبت،ہیبت وغیرہ میں یکتا مانا جائے،یعنی اس کے سوا کسی سے محبت نہ کی جائے،اگر اس کے علاوہ کسی سے محبت ہو بھی،تو اس کی محبت کے تابع بنا کر یا اس کی محبت کا ذریعہ سمجھ کر اور اس کے سوا کسی سے خوف نہ رکھا جائے،نہ کسی سے امید رکھی جائے،نذر دی جائے،تو اس کی، رجوع کیا جائے،تو اس کی طرف،بات مانی جائے،تو اس کی،ثواب کی امید کی جائے،تو اس سے،مصائب میں مدد مانگی جائے،تو اس سے،فریاد کی جائے،تو اسی سے،سجدہ کیا جائے،تو اسی کو،ذبح کیا جائے،تو اسی کے لیے اور اسی کے نام پر ان سب باتوں کو ایک ہی جملے میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ عبادت کی کوئی بھی قسم اس کے علاوہ کسی کے لیے بھی روا نہ رکھی جائے۔یہ ہے لا الہ الا اللہ کا اصل مطلب،یہی وجہ ہے کہ یہ گواہی دینے والے پر آگ حرام ہو جاتی ہے اور جس نے حقیقتا یہ کلمہ پڑھ لیا اور اس پر ڈٹا رہا،اس کا آگ میں داخل ہونا ناممکن ہے،فرمان الٰہی ہے:﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِشَهَادَاتِهِمْ قَائِمُونَ﴾(الْمَعَارِج : ٣٣) ''وہ لوگ (جہنم سے بچ جائیں گے) جو اپنی گواہی پر قائم رہتے ہیں۔'' یعنی وہ اس گواہی کو اپنے ظاہر و باطن اور قلب و قالب پر قائم کر لیتے ہیں۔''

(الجواب الكافي، ص 290)

سوال: کیا خواب اور کشف کو شرعی دلیل بنایا جا سکتا ہے؟

جواب: کسی اُمتی کا خواب یا کشف شرعی حجت نہیں۔البتہ اگر کسی صحیح العقیدہ مسلمان کا خواب اسلام کے ثابت شدہ مسئلہ کی تائید میں ہو،تو اسے بطور تائید یا بشارت ذکر کیا جا سکتا ہے۔یہ نیک خواب ہے،جو یقیناً دل کی تسکین کا باعث ہے۔

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

رُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ وَحْيٌ، فَإِنَّهَا مَعْصُومَةٌ مِنَ الشَّيْطَانِ، وَهٰذَا بِاتِّفَاقِ الْأُمَّةِ، وَلِهَذَا أَقْدَمَ الْخَلِيلُ عَلٰى ذَبْحِ ابْنِهٖ إِسْمَاعِيلَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ بِالرُّؤْيَا، وَأَمَّا رُؤْيَا غَيْرِهِمْ فَتُعْرَضُ عَلَى الْوَحْيِ الصَّرِيحِ، فَإِنْ وَافَقَتْهُ وَإِلَّا لَمْ يُعْمَلْ بِهَا .

''انبیاء کے خواب وحی ہوتے ہیں، کیونکہ انہیں شیطان سے عصمت حاصل ہوتی ہے۔اس پر اُمت کا اتفاق ہے۔اسی لیے سیدنا خلیل الرحمٰن ابراہیم علیہ السلام خواب کی بنا پر اپنے بیٹے سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔لیکن غیر نبی کے خواب کا معاملہ اس کے برعکس ہے،اسے صریح وحی پر پیش کیا جائے گا،اگر موافق ہو،تو درست،ورنہ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔''

(مَدارج السّالکین :75/1)

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

لَأَنَا حَرَّضْتُ عُمَرَ رَحِمَهُ اللّٰهُ وَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلٰى قِيَامِ شَهْرِ رَمَضَانَ، أَخْبَرْتُهٗ أَنَّ فَوْقَ السَّمَاءِ السَّابِعَةِ حَظِيرَةً؛ يُقَالُ لَهَا : حَظِيرَةُ الْقُدُسِ، فِيهَا قَوْمٌ يُقَالُ لَهُمْ : الرُّوحُ، فَإِذَا جَاءَ تْ لَيْلَةُ الْقَدْرِ اسْتَأْذَنُوا رَبَّهُمْ عَزَّ وَجَلَّ فِي النُّزُولِ إِلَى الدُّنْيَا فَلَا يَمُرُّونَ بِأَحَدٍ يُصَلِّي أَوْ يَسْتَقْبِلُونَهٗ فِي طَرِيقٍ إِلَّا أَصَابَهٗ مِنْ

ذٰلِكَ بَرَكَةٌ قَالَ : فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : إِذَنْ، وَاللّٰهِ يَا أَبَا الْحَسَنِ نَعْرِضُ النَّاسَ لِلْبَرَكَةِ فَأَمَرَهُمْ بِالْقِيَامِ .

''میں نے ہی سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ماہِ رمضان کے قیام پر ابھارا تھا۔ میں نے انہیں بتایا تھا کہ ساتویں آسمان کے اوپر ایک خاص مقام ہے، جسے ''حضیرۃ القدس'' کہتے ہیں، اس میں (فرشتوں کی) ایک جماعت رہتی ہے، جنہیں ''روح'' کہا جاتا ہے۔ جب شب قدر ہوتی ہے، تو وہ فرشتے رب عز وجل سے زمین پر اترنے کی اجازت طلب کرتے ہیں، چنانچہ وہ قیام کرنے والے جس شخص کے پاس سے بھی گزرتے ہیں یا راستے میں اس کے سامنے آتے ہیں، تو وہ شخص اس کی برکت سے بہرہ مند ہوتا ہے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ابو الحسن! پھر تو اللہ کی قسم، ہم لوگوں کو برکت کے لیے پیش کریں گے، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو قیام کرنے کا حکم دیا۔''

(الشّريعة للآجري : 1238)

جواب: باطل روایت ہے۔

① اصبغ بن نباتہ ضعیف ومتروک ہے۔

② سعد بن طریف اسکاف متروک ووضاع ہے۔

③ سیف بن عمر ضعیف ومتروک ہے۔

④ عبید بن اسحاق عطار ضعیف ومتروک ہے۔

سوال: اگر جرابیں یا موزے معمولی پھٹے ہوئے ہوں، تو ان پر مسح کا کیا حکم ہے؟

جواب: جب تک جرابیں یا موزے پہننے کے لائق ہوں، تو ان پر مسح جائز ہے،

بوسیدہ یا پھٹی جرابوں اور موزوں پر مسح جائز ہے۔

موزے یا جراب میں کتنا سوراخ ہو تو مسح جائز نہیں؟ اس بارے میں شریعت نے کوئی قید نہیں لگائی۔ اہل علم کی اس بارے میں آراء ہیں۔

❁ امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ مَعْمَرًا عَنِ الْخَرْقِ يَكُونُ فِي الْخُفِّ فَقَالَ : إِذَا خَرَجَ مِنْ مَوَاضِعِ الْوُضُوءِ شَيْءٌ فَلَا تَمْسَحْ عَلَيْهِ وَاخْلَعْ .

''میں نے امام معمر بن راشد رحمہ اللہ سے موزے میں سوراخ کے متعلق پوچھا، تو فرمایا: اگر وضو کے اعضا کا کوئی حصہ ظاہر ہو رہا ہو، تو اس پر مسح مت کیجیے، بلکہ ایسے موزے کو اتار دیجیے۔''

(تاريخ يحيى بن معين برواية الدوري : 4230، السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 1347، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اِمْسَحْ عَلَيْهَا مَا تَعَلَّقَا بِالْقَدْمِ وَإِنْ تَخَرَّقَا .

''جب تک موزے پاؤں کے ساتھ لٹکے ہوئے ہوں، تب تک ان میں مسح کر سکتے ہیں، خواہ وہ پھٹ بھی جائیں۔''

((تاريخ يحيى بن معين برواية الدوري :4231، السّنن الكبرىٰ للبيهقي : 1347، وسندهٗ صحيحٌ)

ہمارے مطابق پھٹی اور بوسیدہ جرابوں اور موزوں پر بھی مسح جائز ہے، کیونکہ نبوی تعلیمات میں ایسی کوئی قید نہیں لگائی گئی کہ موزوں میں اتنا اتنا سوراخ ہو جائے، تو ان پر مسح

جائز نہیں۔ بلکہ مسح کے حکم کو مطلق رکھا گیا ہے کہ جب تک پاؤں میں موزیں یا جرابیں پہنی جاسکتیں ہیں، تب تک ان پر مسح ہوسکتا ہے، خواہ وہ بوسیدہ ہو جائیں۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَمَّا أَطْلَقَ الرَّسُولُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَمْرَ بِالْمَسْحِ عَلَى الْخِفَافِ مَعَ عِلْمِهٖ بِمَا هِيَ عَلَيْهِ فِي الْعَادَةِ؛ وَلَمْ يُشْتَرَطْ أَنْ تَكُونَ سَلِيمَةً مِّنَ الْعُيُوبِ، وَجَبَ حَمْلُ أَمْرِهٖ عَلَى الْإِطْلَاقِ وَلَمْ يَجُزْ أَنْ يُقَيَّدَ كَلَامُهٗ إِلَّا بِدَلِيلِ شَرْعِيٍّ، وَكَانَ مُقْتَضَى لَفْظِهٖ أَنَّ كُلَّ خُفٍّ يَلْبَسُهُ النَّاسُ وَيَمْشُونَ فِيهِ، فَلَهُمْ أَنْ يَمْسَحُوا عَلَيْهِ وَإِنْ كَانَ مَفْتُوقًا أَوْ مَخْرُوقًا مِّنْ غَيْرِ تَحْدِيدٍ لِمِقْدَارِ ذٰلِكَ فَإِنَّ التَّحْدِيدَ لَا بُدَّ لَهٗ مِنْ دَلِيلٍ .

”جب رسول اللہ ﷺ نے موزوں پر مسح کے حکم کو مطلق رکھا ہے، حالانکہ آپ ﷺ موزوں کے عادی حالات کو جانتے تھے اور آپ ﷺ نے ایسی کوئی شرط نہیں لگائی کہ موزے فلاں عیوب سے محفوظ ہوں، تو واجب ہے کہ آپ ﷺ کے حکم کو مطلق رکھا جائے۔ آپ ﷺ کے کلام کو کسی دلیل شرعی کے ساتھ ہی مقید کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے الفاظ کا تقاضا ہے کہ ہر وہ موزہ جسے لوگ پہن سکتے ہوں اور اس میں چل سکتے ہوں، تو ان کے لیے اس پر مسح کرنا جائز ہے، خواہ اس میں سوراخ ہو یا وہ پھٹا ہوا ہو، نیز پھٹنے میں کسی مقدار کی قید نہیں لگائی جائے گی، کیونکہ اس تحدید کے لیے بھی دلیل کا ہونا

ضروری ہے۔‘‘

(مَجموع الفتاویٰ:174/21)

سوال: آج کل چھوٹی چھوٹی جرابیں پہننے کا ٹرینڈ ہے، جن میں ٹخنے ننگے ہوتے ہیں، کیا وضو میں ان پر مسح کیا جا سکتا ہے؟

جواب: وضو میں موزوں یا جرابوں پر مسح کے لیے ضروری ہے کہ ان سے ٹخنے ڈھانپے گئے ہوں۔ اگر جرابیں ٹخنوں سے نیچے تک ہوں، تو ان پر مسح جائز نہیں۔ انہیں اتار کر پاؤں دھوئے جائیں گے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا نَادٰى فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا يَجْتَنِبُ الْمُحْرِمُ مِنَ الثِّيَابِ فَقَالَ : لَا يَلْبَسُ السَّرَاوِيلَ وَلَا الْقَمِيصَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا الْعِمَامَةَ وَلَا ثَوْبًا مَّسَّهٗ زَعْفَرَانٌ وَّلَا وَرْسٌ وَّلْيُحْرِمْ أَحَدُكُمْ فِي إِزَارٍ وَّرِدَاءٍ وَّنَعْلَيْنِ، فَإِنْ لَّمْ يَجِدْ نَعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسْ خُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتّٰى يَكُونَا إِلَى الْكَعْبَيْنِ .

’’ایک آدمی نے بآواز بلند پوچھا: اللہ کے رسول! محرم کون سا لباس نہیں پہن سکتا؟، فرمایا: محرم شلوار، قمیص، ٹوپی (جو سر کے ساتھ چپکی ہو) اور عمامہ نہیں پہن سکتا، نہ ہی ایسا کپڑا پہن سکتا ہے، جسے زعفران یا ورس (ایک قسم کی گھاس جو رنگنے کے کام آتی ہے) سے رنگا گیا ہو، احرام میں تہبند، چادر اور جوتے پہن سکتے ہو، اگر جوتے میسر نہ ہوں، تو موزوں کو ٹخنوں کے نیچے تک کاٹ کر پہن لیں۔‘‘

(صحيح البخاري : 1842، صحيح مسلم : 1177، المُنتقٰى لابن الجارود : 416)

❁ امام ابوالولید حسان بن محمد فقیہ رحمہ اللہ (۳۴۹ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ الْخُفَّ إِذَا لَمْ يُغَطِّ جَمِيعَ الْقَدْمِ فَلَيْسَ بِخُفٍّ يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَيْهِ.

”یہ حدیث دلیل ہے کہ موزہ جب مکمل پاؤں (جس میں ٹخنے میں شامل ہیں) کو نہ ڈھانپے، تو یہ ایسا موزہ نہیں، جس پر مسح جائز ہو۔“

(السّنن الكبرىٰ للبيهقي، تحت الرقم : 1348)

اس لیے فیشن کے چکر میں اپنے وضو کو داؤ پر مت لگائیں، ایسی جرابوں پر مسح مت کریں، انہیں اتار کر پاؤں دھوئیں، کیونکہ ان جرابوں پر مسح نہیں۔

سوال: امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ رمضان میں بکثرت قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں، اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: امام شافعی رحمہ اللہ علم وفقہ کے ساتھ ساتھ زہد وورع کے بھی امام تھے۔ ماہِ رمضان میں آپ رحمہ اللہ بکثرت تلاوت میں مشغول رہتے۔ اتنے کہ رمضان میں ساٹھ مرتبہ مکمل قرآن کریم کی تلاوت کرتے تھے، جو یومیہ دو قرآن بنتے ہیں۔

❁ ربیع بن سلیمان رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ الشَّافِعِيُّ يَخْتِمُ الْقُرْآنَ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ سِتِّينَ مَرَّةً، كُلُّ ذٰلِكَ فِي صَلَاةٍ.

”امام شافعی رحمہ اللہ ماہِ رمضان میں ساٹھ مرتبہ قرآن کریم مکمل کرتے تھے، یہ تمام قرأت (نفل اور فرض) نماز میں ہوتی تھی۔“

(آداب الشّافعي ومناقبه لابن أبي حاتم، ص 74، حِلية الأولياء لأبي نعيم : 134/9، وسندهٗ صحیحٌ)

امام شافعی رحمہ اللہ مبارک لوگوں میں سے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو کئی برکات سے نوازا تھا، اللہ کی توفیق اور برکت کے بغیر ایسا محیر العقول عمل ممکن نہیں۔

سوال: درج ذیل حدیث کا مفہوم کیا ہے؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ وَلَمْ يَغْزُ وَلَيْسَ فِي نَفْسِهٖ مَاتَ عَلٰى شُعْبَةٍ مِّنَ النِّفَاقِ .

''جو مر گیا، نہ تو اس نے کبھی (عملاً) جہاد کیا اور نہ ہی اس کے دل میں کبھی خیال آیا، تو وہ نفاق کی ایک قسم پر مرا۔''

(صحیح مسلم : 1910، المُنتقٰی لابن الجارود : 1036)

جواب: اس حدیث مبارکہ میں اس شخص کی مذمت بیان ہوئی ہے، جس نے نہ کبھی جہاد میں حصہ لیا، نہ اس کی خواہش ظاہر کی۔ اس کی موت کو ایک طرح کے نفاق کی موت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اب اس حدیث میں نفاق سے کیا مراد ہے؟ اور اس حدیث کا تعلق کس دور سے ہے۔ اس بارے میں عمومی طور پر دو آراء بیان ہوئی ہیں؛

① اس حدیث کا تعلق عہد نبوی کے ساتھ خاص ہے اور یہاں حقیقی نفاق مراد ہے۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں جو شخص براہِ راست نہ جہاد میں شریک ہوا اور نہ اس نے کبھی دل میں تمنا کی اور اسی حالت میں مر گیا، تو منافق کی موت مرا۔ کیونکہ منافقین ہی وہ لوگ تھے، جو قتال سے بھاگتے تھے اور کبھی بھی غزوہ میں شرکت کی تمنا نہیں کرتے تھے۔ اس لیے ایسے شخص کے متعلق فرمایا کہ ''وہ نفاق کے ایک شعبہ پر مرا۔''

۞ امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

نُرٰی أَنَّ ذٰلِکَ کَانَ عَلٰی عَھْدِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ .

’’ہماری رائے یہ ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے ساتھ خاص ہے۔‘‘

(صحیح مسلم : 1910)

② یہ حدیث عام ہے اور ہر زمانے کو شامل ہے۔ یہاں نفاق سے مراد حقیقی نفاق نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ جس شخص نے جہاد کے فرض کفایہ یا فرض عین کی صورت میں نہ عملاً جہاد کیا اور نہ کبھی جہاد میں شرکت کی تمنا کی، تو وہ شخص ان منافقین کے مشابہ ہے، جو عہد نبوی میں جہاد سے بھاگتے تھے۔ یہ حقیقی نفاق نہیں کہ جو کفر ہوتا ہے، بلکہ عملی نفاق ہے۔ جس طرح جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، گالم گلوچ کرنا اور امانت میں خیانت کرنا عملی نفاق ہے، ان گناہوں کے ارتکاب سے حقیقی منافق نہیں بنتا، اسی طرح بغیر عذر سستی اور دنیاداری میں مشغول ہونے کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کرنا اور نہ شرکت کرنے کی تمنا کرنا بھی نفاق کا ایک شعبہ ہے۔

ہمارے مطابق اس حدیث کے مفہوم میں دونوں آراء شامل ہو سکتی ہیں۔ اگر اس سے مراد عہد نبوی لیا جائے، تو وہاں نفاق حقیقی مراد ہوگا، جو کفر ہے اور اگر اس حدیث کو عام سمجھا جائے، تو اس نفاق سے مراد عملی نفاق ہوگا۔

سوال: مندرجہ ذیل آیت کریمہ میں اشکال کا کیا جواب ہے؟

۞ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَرْسَلْنَاہُ إِلٰی مِائَۃِ أَلْفٍ أَوْ یَزِیدُونَ﴾ (الصّافات : ۱۴۷)

ایک ملحد کا اعتراض ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو صحیح عدد معلوم نہیں تھا، کہ شک کا اظہار کیا گیا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کا علم کائنات کے ذرہ ذرہ کو محیط ہے، کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں۔ وہ ما کان وما یکون کا کامل واکمل علم رکھتا ہے، اس کے علم میں شک نہیں۔

مذکورہ آیت کریمہ میں ''اوْ'' کے لفظ سے بعض ملحدین کو یہ شبہ ہوا کہ نعوذ باللہ! اللہ تعالیٰ کو صحیح عدد میں شک تھا، اس لیے ''اوْ'' (یا) کے ساتھ ذکر کیا۔

جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہاں ''اَوْ'' شک کے لیے استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ پچھلے عدد کی تاکید وتحقیق کے لیے ہے۔ کلام عرب کا اس کا استعمال عام ہے۔ قرآن کریم کے بھی کئی مقامات پر اس کا استعمال ہوا ہے۔ اس لیے آیت کا معنی ہوگا؛

''ہم نے یونس (علیہ السلام) کو اتنے لوگوں کی طرف بھیجا، جن کی تعداد لاکھ سے کم نہ تھی۔''

گویا اَوْ یزیدون کا مفہوم یہ ہوگا کہ ان افراد کی تعداد ایک لاکھ سے ایک عدد بھی کم نہ تھی، زیادہ ہوسکتی ہے۔

یہ عربی اسلوب ہے۔ جس کے لحاظ میں یہ بات فرمائی گئی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ کا علم شک سے پاک ہے۔

سوال: کیا نماز کو لیٹ ادا کرنے والے کے لیے ہلاکت ہے؟

جواب: نماز کو بغیر شرعی عذر کے مقررہ وقت سے لیٹ کرنا بھی ہلاکت خیز عمل ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ ۝ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ﴾

(الماعون: ٤ـ٥)

''ان نمازیوں کے لیے ہلاکت ہے، جو اپنی نمازوں سے سستی کرتے ہیں۔''

نماز میں سستی کئی طرح ہوتی ہے، نماز کو لیٹ پڑھنا، سستی اور کاہلی کے ساتھ پڑھنا،

بغیر خشوع و خضوع کے پڑھنا، سنت کے مطابق نہ پڑھنا وغیرہ۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

تَأْخِيرُهَا عَنْ وَقْتِهَا مِنَ السَّهْوِ عَنْهَا بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

''نماز کو وقت سے لیٹ کرنا بھی نماز میں سستی کرنے میں سے ہے۔اس پر علما کا اتفاق ہے۔''

(مَجموع الفتاویٰ : 39/22)

سوال: کیا کسی جماعت یا شخصیت کو حرف آخر سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کے قول سے باہر نہ نکلا جا سکے؟

جواب: جہاں تک تعلق ہے شخصیت کا، تو رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی بھی شخصیت کو حرف آخر نہیں سمجھا جا سکتا۔ ہر شخص کی بات لی بھی جا سکتی ہے اور دلیل کے ساتھ ترک بھی کی جا سکتی ہے۔ اصل معیار کتاب وسنت ہے۔ نبی کریم ﷺ کی ذات مبارکہ اُسوہ اور نمونہ ہیں اور آپ ﷺ ہی دوسروں کے لیے معیار ہیں۔ اگر کسی کا قول یا فعل شرعی دلائل سے موافق ہو، تو اسے لیا جائے گا اور جس کا قول یا فعل شرعی دلیل کے خلاف ہو، تو اسے ترک کر دیا جائے گا۔ یہی اس شخصیت کے احترام وعزت کا تقاضا ہے۔

باقی رہا کسی جماعت کو حرف آخر سمجھنا تو اگر اس سے مراد کوئی تنظیمی یا سیاسی جماعت ہے، تو ایسا ہرگز نہیں۔ یہ انسانوں کی بنائی ہوئی جماعتیں اور گروہ ہیں، جنہیں ضرورت کے تحت تشکیل دیا گیا ہے، ان کی اہمیت اور ضرورت مسلم ہے، مگر ان کو حق اور باطل کا معیار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔

البتہ ایک جماعت وہ ہے، جسے حق کا تسلسل کہتے ہیں، جو صحابہ، تابعین، تبع تابعین

اور ائمہ اہل سنت والجماعت کے دور سے چلی آ رہی ہے اور بزبان رسول ﷺ قیامت تک باقی رہے گی۔ وہ جماعت حق کا معیار ہے، حق اسی جماعت میں منحصر ہے۔ اس سے باہر حق تلاش کرنا نادانی ہے۔ اس جماعت کے دعویداروں بہت سے لوگ ہیں، متلاشیان حق میں سے جو اس جماعت اور تسلسل کو تلاش کرنا چاہتا ہے، وہ موجودہ مسالک اور مذاہب کے عقائد اور اعمال کو پہلوں کے عقائد واعمال پر پیش کرے، جن کے عقائد واعمال موافق ہوں، ان میں شامل ہو جائے، یقیناً وہ حق والا گروہ ہے اور طائفہ منصورہ ہے، جن کے حق پر قائم رہنے کی گواہی خود رسول اللہ ﷺ نے دی ہے۔

❀ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ، لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ، حَتّٰى يَأْتِيَ أَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ .

”میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قائم اور غالب رہے گا، ان کے مخالف انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گے، حتیٰ کہ قیامت آ جائے گی اور وہ اسی حالت پر ہوں گے۔“

(صحیح مسلم : 1920)

محدثین اور علمائے اُمت کی کثیر تعداد نے اس طائفہ منصورہ سے مراد جماعت محدثین کو لیا ہے۔ یقیناً محدثین اور ان کے عقائد واعمال کے موافق عمل کرنے والے ہی طائفہ منصورہ ہیں، جنہیں کرہ ارض میں اہل حدیث، سلفی، اصحاب الحدیث، اہل سنت اور ان جیسے دیگر ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے۔

سوال: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر سب وشتم کرنے والے کا کیا حکم ہے؟

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قرآنی شخصیات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کے ایمان کو دوسروں کے لیے معیار بنایا ہے۔ ان کے مؤمن اور مخلص ہونے کی گواہی دی ہے۔ ان کی ظاہری عدالت بھی بیان کی ہے اور باطنی عدالت کی شہادت بھی بیان کی ہے۔ قرآن کریم اور احادیث صحیحہ متواترہ میں صحابہ کرام کی مدح وستائش پر بے شمار دلائل ہیں، جن کا احاطہ ممکن نہیں۔

ان تمام دلائل کے واضح اور روشن ہونے کے بعد بھی اگر کوئی جماعت صحابہ پر طعن وتشنیع کرے اور ان کے ایمان پر سوال اٹھائے، تو وہ یقینی طور پر کافر ومرتد ہے، کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی گواہی کو تسلیم نہیں کیا، نیز قرآن کریم کا انکار کیا ہے، جو صریح کفر ہے۔

اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کے بعد صحابہ کرام کو کسی کی عدالت سے سرٹیفکیٹ لینے کی ضرورت نہیں۔

❀ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ (۹۷۴ھ) فرماتے ہیں:

قَوْلُهٗ تَعَالٰی : ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ (الْفَتْح : ١٨) فَصَرَّحَ تَعَالٰی بِرِضَاهُ عَنْ أُولٰئِكَ وَهُمْ أَلْفٌ وَّنَحْوُ أَرْبَعِمِائَةٍ، وَمَنْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ تَعَالٰی لَا يُمْكِنُ مَوْتُهٗ عَلَى الْكُفْرِ لِأَنَّ الْعِبْرَةَ بِالْوَفَاةِ عَلَى الْإِسْلَامِ فَلَا يَقَعُ الرِّضَا مِنْهُ تَعَالٰی إِلَّا عَلٰی مَنْ عَلِمَ مَوْتَهٗ عَلَى الْإِسْلَامِ وَأَمَّا مَنْ عَلِمَ مَوْتَهٗ عَلَى الْكُفْرِ فَلَا يُمْكِنُ أَنْ يُخْبِرَ اللّٰهُ تَعَالٰی بِأَنَّهٗ رَضِيَ عَنْهُ فَعُلِمَ أَنَّ كُلًّا مِنْ هٰذِهِ الْآيَاتِ وَمَا قَبْلَهَا

صَرِيحٌ فِي رَدِّ مَا زَعَمَهُ وَافْتَرَاهُ أُولٰئِكَ الْمُلْحِدُونَ الْجَاحِدُونَ حَتّٰى لِلْقُرْآنِ الْعَزِيزِ، إِذْ يَلْزَمُ مِنَ الْإِيمَانِ بِهِ الْإِيمَانُ بِمَا فِيهِ وَقَدْ عَلِمْتَ أَنَّ الَّذِي فِيهِ أَنَّهُمْ خَيْرُ الْأُمَمِ وَأَنَّهُمْ عُدُولٌ أَخْيَارٌ وَأَنَّ اللّٰهَ لَا يُخْزِيهِمْ وَأَنَّهُ رَاضٍ عَنْهُمْ فَمَنْ لَّمْ يُصَدِّقْ بِذٰلِكَ فِيهِمْ فَهُوَ مُكَذِّبٌ لِمَا فِي الْقُرْآنِ وَمَنْ كَذَّبَ بِمَا فِيهِ مِمَّا لَا يَحْتَمِلُ التَّأْوِيلَ كَانَ كَافِرًا جَاحِدًا مُلْحِدًا مَارِقًا .

”اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾(الْفَتْح : ۱۸) ”یقیناً اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے راضی ہو گیا، جب وہ درخت کے نیچے آپ سے بیعت کر رہے تھے۔“ اللہ تعالیٰ نے ان اصحاب شجرہ کہ جن کی تعداد تقریباً چودہ سو تھی سے راضی ہونے کی صراحت فرمائی ہے اور اللہ تعالیٰ جس سے اپنی رضا کا اعلان کر دے، وہ کفر پر فوت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اعتبار خاتمے کا ہوتا ہے اور االلہ کی رضا اسی کے لیے ہو گی، جو اللہ کے علم میں اسلام پر فوت ہو گا۔ اللہ کے علم میں جن کی موت کفر پر ہو، ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کے متعلق راضی ہونے کی خبر دے۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یہ اور ان سے پہلی تمام آیات میں ان (روافض) کے نظریات کا صریح رد ہے، یہ ملحدین ہیں اور قرآن کے منکر ہیں، کیونکہ قرآن پر ایمان لانے کا تقاضا ہے کہ قرآن میں موجود تمام باتوں پر ایمان لایا جائے اور یہ بات تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ (صحابہ کے متعلق) قرآن کریم میں یہی ہے کہ وہ بہترین

اُمت، عادل اور اخیار ہیں، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ انہیں رسوا نہیں کرے گا اور وہ ان سے راضی ہے۔ پس جو صحابہ کرام کے متعلق ان آیات کی تصدیق نہیں کرے گا، وہ قرآن کریم کا منکر قرار پائے گا اور جس شخص نے قرآن کریم کے کسی ایسے (واضح اور صریح) مسئلہ کا انکار کیا، جس میں تاویل کا احتمال نہیں ہے، تو وہ کافر، جاحد (جھٹلانے والا) ملحد اور مارق (دین سے نکل جانے والا) ہے۔''

(الصّواعق المُحرقة : 605/2)

صحابہ کا احترام پوری اُمت پر واجب ہے۔

❀ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا:

أَكْرِمُوا أَصْحَابِي .

''میرے صحابہ کی تکریم کریں۔''

(السّنن الکبریٰ للنّسائي : 9178، وسندهٗ حسنٌ)

مسلمانو! اس نبوی فرمان کو تسلیم کر لیجئے، اسی میں عافیت ہے۔ اگر ہم صحابہ کے ایمان کے درپے ہو گئے، تو ان نفوس قدسیہ کے درجات میں تو کوئی فرق نہیں آئے، لیکن ہمارے دلوں سے بہت جلد ایمان ضرور جاتا رہے گا اور ہم حیران و ششدر ہو کر رہ جائیں گے، لیکن پھر بہت دیر ہو چکی ہو گی۔ اس لیے صحابہ کی عزت و تکریم کرنا سیکھیں، ان کے ایمان و عمل پر بنیاد رکھیں اور بچوں کو احترام صحابہ کا درس دیں کہ ہماری نسلوں کی عافیت میں ہماری عافیت ہے اور ہماری نسلوں کے بگاڑ میں ہمارا بگاڑ ہے۔

سوال: اذان فجر کے کلمات ''الصلاۃ خیر من النوم'' ادا کرتے ہوئے دائیں بائیں گھومنا کیسا ہے؟

(جواب): اذان فجر میں ''الصلاۃ خیر من النوم'' کے الفاظ قبلہ رخ ہی کہیں جائیں گے، جیسا کہ اذان کے بقیہ الفاظ ادا کیے جاتے ہیں، ان کی ادائیگی کے وقت دائیں بائیں گھومنا جائز نہیں۔ اذان میں حی علی الصلاۃ اور حی علی الفلاح کے وقت دائیں بائیں گھومنا مسنون ہے، کسی اور کلمہ کی ادائیگی میں دائیں بائیں گھومنا منقول نہیں۔

لہٰذا اگر کوئی الصلاۃ خیر من النوم میں ادھر اُدھر گھومنے کو اذان کا حصہ سمجھے، تو یہ عمل بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ قَالَ : «اَلصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ» كِلَاهُمَا إِلَى الْمَشْرِقِ أَوْ الْمَغْرِبِ فَهُوَ مُبْتَدَعٌ خَارِجٌ عَنِ السَّنَةِ فِي الْأَذَانِ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

''جس نے یہ کہا کہ الصلاۃ خیر من النوم کے کلمات مشرق یا مغرب کی طرف گھوم کر پڑھے جائیں گے، تو وہ بدعتی ہے اور اذان کے سنت طریقہ سے خارج ہے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔'' (مَجموع الفتاویٰ : 71/22)

نوٹ:

عبارت میں مشرق اور مغرب کے الفاظ اس علاقہ کے اعتبار سے آئے ہیں، کیونکہ ان کے قبلہ کا رخ شمال یا جنوب ہے۔

پاکستان وغیرہ میں قبلہ کی سمت مغرب کی طرف ہے، تمام علاقوں میں ایسے نہیں۔ اصل مقصد یہ ہے کہ الصلاۃ خیر من النوم کے الفاظ بھی قبلہ کی طرف منہ کر کے ہی پڑھے جائیں گے، جیسا کہ اذان کے دیگر کلمات ادا کیے جاتے ہیں۔ ان الفاظ کی ادائیگی میں کسی اور سمت رخ نہیں کیا جائے گا۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۸۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا غلام کی روایت قبول ہے؟

جواب: غلام ثقہ اور عادل ہو، تو اس کی بیان کردہ روایت قبول ہے، اس کی غلامی قبول روایت میں مانع نہیں۔

❀ علامہ آمدی رحمہ اللہ (۶۳۱ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يُخْتَلَفْ فِي قَبُولِ رِوَايَةِ الْعَبْدِ .

”غلام کی روایت کے قبول ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔“

(الإحکام في أصول الأحكام : 72/2)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْعَبْدَ تُقْبَلُ رِوَايَتُهُ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

”غلام کی روایت قبول ہے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔“

(مَجموع الفتاویٰ : 409/35)

سوال: کیا ہر زبان میں اٹھائی گئی قسم پر کفارہ ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم جس بھی زبان میں اٹھائی جائے، جائز ہے، ایسی قسم منعقد ہو جاتی ہے، اسے توڑنے پر کفارہ لازم آتا ہے۔ قسم کے معتبر ہونے کے لیے عربی زبان میں ”واللہ، باللہ، تاللہ“ وغیرہ کہنا ہی ضروری نہیں، بلکہ کسی بھی زبان میں وہ کلمات جن

سے عرفاً وشرعاً قسم کا مفہوم ادا ہوتا ہو، اس سے قسم اٹھائی جا سکتی ہے اور اس قسم کو توڑنے پر کفارہ لازم ہوتا ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ ......﴾(المائدة : ٨٩)

''اللہ تعالیٰ ان قسموں پر مؤاخذہ کرتا ہے، جنہیں تم نے پختہ کیا ہو (دل وجان سے اٹھائی ہوں)، لہٰذا (ایسی قسم توڑنے کا) کفارہ یہ ہے......۔''

یہ خطاب ہر زمان، مکان اور علاقہ کے لیے ہے، یہ حکم عام ہے، کسی زبان کے ساتھ خاص نہیں، نہ شریعت نے قسم اٹھانے کے صیغوں کی تخصیص کی ہے۔ فقط یہ مطالبہ ہے کہ قسم اللہ تعالیٰ کے نام کی ہونی چاہیے اور پختہ عزم وارادہ کے ساتھ ہو، لغو نہ ہو۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَوْ حَلَفَ بِالْفَارِسِيَّةِ وَالتُّرْكِيَّةِ وَالْهِنْدِيَّةِ وَالْبَرْبَرِيَّةِ بِاسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى بِتِلْكَ اللُّغَةِ انْعَقَدَتْ يَمِينُهُ؛ وَوَجَبَتْ عَلَيْهِ الْكَفَّارَةُ إِذَا حَنِثَ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

''اگر کوئی شخص فارسی، ترکی یا ہندی وغیرہ میں اللہ کے نام کی قسم اٹھائے، تو اس کی قسم منعقد ہو جاتی ہے اور اسے توڑنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔''

(مَجموع الفتاویٰ : 208/34)

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے منسوب ہے:

إِنَّ قَوْمًا مِنَ الْفُرْسِ سَأَلُوهُ أَنْ يَكْتُبَ لَهُمْ شَيْئًا مِّنَ الْقُرْآنِ فَكَتَبَ لَهُمْ فَاتِحَةَ الْكِتَابِ بِالْفَارِسِيَّةِ .

''فارس کے چند لوگوں نے سیدنا سلمان رضی اللہ عنہ سے درخواست کی کہ انہیں قرآن کوئی حصہ (فارسی میں) لکھ کر دیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فارسیوں کے لیے سورت فاتحہ (کا ترجمہ) فارسی میں لکھ کر دیا۔''

جواب: بے سند روایت ہے، اس کی سند پر دسترس نہیں ہو سکی۔

سوال: ایک شخص نے دل میں نیت کی کہ حیض آنے کے بعد وہ بیوی کو طلاق دے دے گا، تو کیا حیض آنے پر بیوی کو طلاق واقع ہو جائے گی؟

جواب: مذکورہ صورت میں طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ اس شخص نے طلاق کو مستقبل میں دینے کا ارادہ کیا ہے، طلاق دی نہیں ہے۔ لہٰذا حیض آنے کے بعد جب تک وہ طلاق نہیں دے گا، بیوی کو طلاق واقع نہیں ہوگی، اس لیے کہ اس نے طلاق دینے کا صرف ارادہ کیا ہے، طلاق دی نہیں۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا إِذَا نَوٰى أَنَّهٗ سَيُطَلِّقُهَا إِذَا حَاضَتْ فَهٰذَا لَا يَقَعُ بِهٖ طَلَاقٌ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ؛ بَلْ لَا بُدَّ أَنْ يُطَلِّقَهَا بَعْدَ ذٰلِكَ فَإِذَا لَمْ يُطَلِّقْهَا بَعْدَ ذٰلِكَ لَمْ يَقَعْ طَلَاقٌ .

''اگر کوئی شخص نیت کرے کہ عنقریب جب بیوی کو حیض آ جائے گا، تو وہ اسے طلاق دے دے گا، تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اس پر اہل علم متفق ہیں۔ بلکہ (اگر وہ طلاق دینا ہی چاہتا ہے، تو) اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ حیض

کے بعد طلاق دے، لیکن اگر وہ حیض کے بعد طلاق نہیں دیتا، تو (محض نیت کرنے سے) طلاق واقع نہیں ہوگی۔''

(مَجموع الفتاویٰ: 113/33)

سوال: نرد شیر کھیلنا کیسا ہے؟

جواب: نرد کھیلنا جائز نہیں، اس کی مذمت ہوئی ہے، اس کھیل پر جوا نہ بھی لگایا جائے، تب بھی ناجائز ہے، اگر جوا لگایا جائے، تو اس کی حرمت مزید بڑھ جاتی ہے۔

❁ سیدنا بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ لَعِبَ بِالنَّرْدَشِيرِ، فَكَأَنَّمَا صَبَغَ يَدَهٗ فِي لَحْمِ خِنْزِيرٍ وَدَمِهٖ .

''جس نے نرد شیر (چوسر کی طرح کا کھیل) کھیلا، اس نے گویا خنزیر کے گوشت اور خون میں اپنا ہاتھ رنگ دیا۔''

(صحیح مسلم: 2260)

❁ علامہ مظہری حنفی رحمہ اللہ (۷۲۷ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ حَرَامٌ لَعْبُهٗ بِالْاِتِّفَاقِ .

''نرد شیر کھیلنا بالاتفاق حرام ہے۔''

(المَفاتیح: 65/5)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

اَللَّعِبُ بِالنَّرْدِ حَرَامٌ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ عِوَضٌ وَإِنْ كَانَ فِيهِ خِلَافٌ شَاذٌّ لَا يُلْتَفَتُ إِلَيْهِ .

''نرد کھیلنا حرام ہے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے، خواہ اس کھیل کوئی عوض (جوا

اورشرط) نہ بھی ہو۔اس بارے میں شاذ سا اختلاف ضرور ہے،لیکن وہ نا قابل التفات ہے۔‘‘

(مَجموع الفتاویٰ: 253/32)

تنبیہ:

نرد شیر اور شطرنج الگ الگ کھیل ہیں، نرد شیر کی حرمت ثابت ہے، جبکہ شطرنج کی حرمت پر کوئی واضح دلیل نہیں، اس کے متعلق ساری کی ساری روایت ضعیف وغیر ثابت ہیں۔ لہٰذا شطرنج کھیلنا جائز ہے، بشرطیکہ اسے مشغلہ نہ بنایا جائے، اس کی وجہ سے نماز ضائع نہ ہونے پائے، اس سے جوا نہ کھیلا جائے اور دیگر غیر شرعی اُمور سے اجتناب کیا جائے۔

(سوال): سحری میں کھجور کھانا مسنون ہے؟

(جواب): سحری کے کھانے میں کھجور کھانا مستحب سنت ہے، یہ نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ غذا ہے۔ کھجور توانائی کا بہترین ذریعہ ہے، جو دیر تک جسم کو انرجی فراہم کرتا ہے، اس میں پوٹاشیم اور فائبر کی وافر مقدار ہوتی ہے، جو ہر لحاظ سے صحت افزا ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

نِعْمَ سَحُورُ الْمُؤْمِنِ التَّمْرُ.

’’مؤمن کی بہترین سحری کھجور ہے۔‘‘

(سنن أبي داود: 2345، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۴۷۵) نے ’’صحیح‘‘ قرار دیا ہے۔

روزہ داروں کو چاہیے کہ اپنی سحری میں کھجور کو شامل کریں، اس سے سنت کی برکت بھی نصیب ہوگی اور طبی فوائد بھی حاصل ہوں گے۔

سوال: نماز کا وقت داخل ہوا، پانی میسر نہیں تھا، تو تیمّم کر لیا، نماز شروع ہی کرنے لگا تھا کہ پانی مل گیا، اب کیا کرے؟

جواب: جب نماز شروع کرنے سے پہلے پانی میسر ہو گیا، تو اب تیمّم کا حکم جاتا رہا، اب ضروری ہے کہ پانی سے طہارت حاصل کرے، کیونکہ تیمّم سے نماز اس صورت میں جائز ہے، جب پانی میسر نہ ہو سکے یا پانی استعمال کرنا ممکن نہ ہو۔ اب چونکہ پانی میسر ہے، تو تیمّم سے حاصل ہونے والی طہارت ختم ہو گئی۔ لہٰذا ضروری ہے کہ پانی سے وضو کرے۔

✿ حافظ ابن القطان فاسی رحمہ اللہ (۶۲۸ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى أَنَّ مَنْ تَيَمَّمَ كَمَا أُمِرَ ثُمَّ وَجَدَ الْمَاءَ قَبْلَ دُخُولِهٖ فِي الصَّلَاةِ أَنَّ طَهَارَتَهٗ تَنْتَقِضُ .

''اہل علم کا اجماع ہے کہ جس نے شرعی طریقہ سے تیمّم کیا، پھر نماز شروع کرنے سے پہلے پانی میسر ہو گیا، تو اس کی (تیمّم والی) طہارت ختم ہو گئی (اب اس کے لیے پانی سے طہارت حاصل کرنا ضروری ہے)۔''

(الإقناع : 434)

سوال: کیا سورت مائدہ کا نزول سورت بقرہ کے بعد ہوا؟

جواب: مجموعی طور پر سورت بقرہ کا نزول سورت مائدہ سے پہلے ہوا، سورت مائدہ کا نزول مؤخر ہے۔

✿ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْمَائِدَةَ نَزَلَتْ بَعْدَ الْبَقَرَةِ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ سورت مائدہ، سورت بقرہ کے بعد نازل ہوئی۔''

(مَجموع الفتاویٰ : 180/32)

فائدہ:

❁ عطیہ بن قیس کلابی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

الْمَائِدَةُ مِنْ آخِرِ الْقُرْآنِ تَنْزِيلًا، فَأَحِلُّوا حَلَالَهَا وَحَرِّمُوا حَرَامَهَا .

''سورت مائدہ کا شمار قرآن کریم میں نازل ہونے والی آخری سورتوں میں ہوتا ہے، لہٰذا اس میں بیان کردہ حلال اُمور کو حلال جانیں اور حرام کردہ اُمور کو حرام جانیں (کیونکہ اس سورت میں نسخ نہیں ہے)۔''

(فضائل القرآن لأبي عبيد، ص 239، النّاسخ والمَنسوخ لأبي عبيد : 301)

سند مرسل وضعیف ہے۔

① عطیہ بن قیس کلابی تابعی ہیں، براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کر رہے ہیں۔

② ابوبکر بن عبداللہ بن ابی مریم ضعیف ہے۔

سوال: کیا سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نے سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کی مذمت میں اشعار کہے؟

جواب: سیدنا حسان رضی اللہ عنہ سے سیدہ ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا کی ہجو میں اشعار کہنا ثابت نہیں، اس بارے میں ایک باطل روایت آئی ہے۔

❁ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ سے سیدہ ہند رضی اللہ عنہا کی ہجو میں یہ اشعار منسوب ہیں:

أَشِرَتْ لِكَاعُ وَكَانَ عَادَتُهَا

لُؤْمًا إِذَا أَشِرَتْ مَعَ الْكُفْرِ

لَعَنَ الْإِلٰهُ وَزَوْجَهَا مَعَهَا

هِنْدَ الْهُنُودِ عَظِيمَةَ الْبَظْرِ …… .

''کمینی عورت نے غرور اور تکبر کا مظاہرہ کیا، اس کی ہمیشہ سے عادت رہی ہے کہ کفر کے ساتھ ساتھ کمینہ پن اور تکبر کا اظہار کرتی ہے۔ اس پر اور اس کے شوہر پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس عورت کا نام ہند ہے، جس کی شرمگاہ بڑی ہے (یعنی مشہور بدکردار عورت ہے)……۔'' (نعوذ باللہ!)

(سيرة ابن هشام : 93/2)

روایت باطل ہے۔ صالح بن کیسان نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا زمانہ ہی نہیں پایا۔ یہ منقطع ہے۔

نیز ان اشعار میں ہی واضح نکارت ہے۔ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ جیسے باکردار صحابی سیدہ ہند رضی اللہ عنہا تو کجا کسی کافر عورت کے متعلق بھی ایسی زبان استعمال نہیں کر سکتے، کیونکہ سیدنا حسان رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ہیں۔

سوال: بغیر شرعی عذر طلاق دینا کیسا ہے؟

جواب: اسلام ہمیشہ سے رشتوں کو جوڑنے کی تحسین کرتا ہے، اسلام نے نکاح کو فروغ دیا ہے اور اس کی ترغیب دی ہے، لہٰذا نکاح باقی رکھنا اور طلاق نہ دینا اصلاً مستحب ہے۔ بغیر عذر طلاق دینا مکروہ ہے، یہ کراہت تب مزید شدید ہو جائے گی، جب طلاق دینا کا سبب غیر شرعی ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ بلا وجہ طلاق دینا مکروہ ہے، ایسا شخص لائق ملامت ہے۔ طلاق دینا اس وقت جائز ہے، جب کوئی معقول وجہ ہو۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

نَفْسُ الطَّلَاقِ إِذَا لَمْ تَدْعُ إِلَيْهِ حَاجَةٌ مَنْهِيٌّ عَنْهُ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

’’بلاضرورت طلاق دینا ممنوع ہے، اس پر علما کا اتفاق ہے۔‘‘

(مَجموع الفتاویٰ : 90/32)

سوال: میرے شوہر نے مجھے طلاق بائن دی ہے، اب وہ مجھے حلالہ کروانے کے لیے مجبور کر رہا ہے، اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: نکاح حلالہ باطل ہے۔ اس سے بیوی پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوتی۔ اس عمل شنیع پر لعنت کی گئی ہے۔

طلاق بائن کے بعد شوہر کو بیوی پر کوئی حق باقی نہیں رہتا۔ اگر کوئی شوہر طلاق بائن کے بعد بیوی کو نکاح حلالہ کے لیے مجبور کرے، تو اس کا یہ اقدام شرعاً جائز نہیں، نیز بیوی کو چاہیے کہ اس بارے میں اس کی کسی بات کو تسلیم نہ کرے، کیونکہ شرعاً اسے نکاح حلالہ پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَا تُجْبَرُ الْمَرْأَةُ عَلٰى نِكَاحِ التَّحْلِيلِ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

’’علما کا اتفاق ہے کہ عورت کو نکاح حلالہ پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔‘‘

(مَجموع الفتاویٰ : 61/32)

کسی عورت کو اس کا شوہر یا اس کا ولی نکاح حلالہ پر مجبور نہیں کر سکتا۔

سوال: کیا مسافر کے لیے بھی تیمّم کی رخصت ہے؟

جواب: حالت اقامت ہو یا حالت سفر، دونوں صورتوں میں تیمّم کیا جا سکتا ہے، بشرطیکہ پانی میسر نہ ہو یا پانی کو استعمال کرنا ممکن نہ ہو۔

❀ حافظ ابن القطان فاسی رحمہ اللہ (٦٢٨ھ) فرماتے ہیں:

جَوَازُ التَّيَمُّمِ لِلْمُسَافِرِ وَالْمَرِيضِ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْإِجْمَاعِ .

”کتاب وسنت اور اجماع میں مسافر اور مریض کے لیے تیمّم کرنا جائز ہے۔“

(الإقناع : 432)

سوال: کیا صفا ومروہ کی سعی کے بعد کوئی نماز مشروع ہے؟

جواب: صفا ومروہ کی سعی کے بعد کوئی نماز مشروع نہیں۔ البتہ طواف کعبہ کے بعد دو رکعت ادا کرنا مشروع ہے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٧٢٨ھ) فرماتے ہیں:

لَا صَلَاةَ عَقِيبَ الطَّوَافِ بِالصَّفَا وَالْمَرْوَةِ، وَإِنَّمَا الصَّلَاةُ عَقِيبَ الطَّوَافِ بِالْبَيْتِ بِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَاتِّفَاقِ السَّلَفِ وَالْأَئِمَّةِ .

”صفا ومروہ کی سعی کے بعد کوئی نماز نہیں۔ نماز صرف طواف کعبہ کے بعد مشروع ہے، اس کی مشروعیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور سلف اُمت اور ائمہ کے اتفاق سے ثابت ہے۔“

(مَجموع الفتاویٰ : 128/26)

سوال: کیا حج میں ہدی کا جانور اپنے علاقہ سے خرید کر لے جانا ضروری ہے یا مکہ وغیرہ سے بھی خریدا جا سکتا ہے؟

جواب: حج میں ہدی کا جانور ذبح کرنا مقصود ہے، خواہ وہ اپنے علاقوں سے ہانک کر لے جایا گیا ہو یا مکہ سے خریدا جائے۔ اس میں مقصد جانور ہانک کر لے جانا نہیں، بلکہ حج

کے لیے جانور ذبح کرنا ہے۔

❁ علامہ ابن مفلح رحمہ اللہ (۷۶۳ھ) فرماتے ہیں:

مَا اشْتَرَاهُ مِنْ عَرَفَاتٍ وَسَاقَهُ إِلٰى مِنًى فَهُوَ هَدْيٌ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ وَكَذَا مَا اشْتَرَاهُ مِنَ الْحَرَمِ فَذَهَبَ بِهٖ إِلَى التَّنْعِيمِ .

''ہدی کا جانور میدان عرفات سے خرید کر منیٰ میں لایا جائے، تو اسے ''ہدی'' ہی کہیں گے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے، اسی طرح جو جانور حرم سے خریدا جائے اور اسے تنعیم لے جایا جائے، وہ بھی ہدی ہی ہے۔''

(كتاب الفُروع : 101/6)

❁ نواب صدیق حسن خان قنوجی رحمہ اللہ (۱۳۰۷ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا اشْتَرَى الْهَدْيَ وَسَاقَهُ إِلٰى مِنًى، فَهُوَ هَدْيٌ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ، وَكَذٰلِكَ إِذَا اشْتَرَاهُ مِنَ الْحَرَمِ، فَذَهَبَ بِهٖ إِلَى التَّنْعِيمِ .

''جب حاجی ہدی کا جانور خرید لے اور اسے منیٰ لے جائے، تو اس کے ہدی ہونے پر علما کا اتفاق ہے، اسی طرح اگر وہ حرم سے جانور خریدے اور اسے تنعیم لے جائے، تو وہ بھی ہدی ہی ہے۔''

(رحلة الصِّدّيق إلى البلد العتيق، ص 113)

سوال: کیا لواطت کے ثبوت کے لیے چار گواہ شرط ہیں؟

جواب: لواطت بھی زنا ہے، بلکہ زنا سے بھی قبیح فعل ہے، جس طرح زنا میں حد کے واجب ہونے کے لیے چار گواہ ہونا شرط ہے، اس طرح لواطت میں بھی چار معتبر گواہ ضروری ہیں۔

۞ **علامہ ابن قدامہ رحمہ اللہ (۶۲۰ھ) فرماتے ہیں:**

كُلُّ زِنًا أَوْجَبَ الْحَدَّ، لَا يُقْبَلُ فِيهِ إِلَّا أَرْبَعَةُ شُهُودٍ، بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ؛ لِتَنَاوُلِ النَّصِّ لَهُ، بِقَوْلِهِ تَعَالٰى : ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً﴾(النّور : ٤) وَيَدْخُلُ فِيهِ اللِّوَاطُ .

”ہر وہ زنا جس سے حد واجب ہو، اس میں چار سے کم گواہ قبول نہیں۔ اس پر علما کا اتفاق ہے، کیونکہ اس پر (کتاب اللہ کی) نص صادق آتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَالَّذِينَ يَرْمُونَ الْمُحْصَنَاتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوهُمْ ثَمَانِينَ جَلْدَةً﴾(النّور : ٤) **”وہ لوگ جو پاک دامن عورتوں پر (زنا کی) تہمت لگاتے ہیں، پھر چار گواہ پیش نہیں کرتے، تو انہیں اَسی (۸۰) کوڑے مارو۔“ لواطت کا بھی یہی حکم ہے۔“**

(المُغني : 78/9، الشّرح الكبير : 339/26)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

۞ **سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:**

ثَلَاثٌ هُنَّ عَلَيَّ فَرَائِضُ، وَهُنَّ لَكُمْ تَطَوُّعٌ؛ الْوَتْرُ، وَالنَّحْرُ، وَصَلَاةُ الضُّحٰى .

”تین چیزیں مجھ پر فرض ہے اور آپ (اُمت) کے لیے نفل ہیں؛ نماز وتر، قربانی اور چاشت کی نماز۔“

(مُسند الإمام أحمد : 231/1)

جواب: روایت باطل ہے۔ ابو جناب یحییٰ بن ابی حیہ کلبی ضعیف، منکر الحدیث اور مدلس ہے۔ اس کی ضعیف متابعات بھی ہیں۔

۞ **اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے "ضعیف" کہا ہے۔**

(التّلخيص الحبير لابن حجر : 18/2)

۞ **امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

لَمْ يَثْبُتْ فِي هٰذَا إِسْنَادٌ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ .

"اس بارے میں کوئی سند ثابت نہیں، واللہ اعلم!"

(السّنن الكبرىٰ : 62/7)

۞ **حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

إِنَّهٗ لَا يَثْبُتُ .

"یہ روایت ثابت نہیں۔"

(إعلام العالم، ص 261)

۞ **حافظ ابن صلاح رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

حَدِيثٌ غَيْرُ ثَابِتٍ .

"یہ حدیث ثابت نہیں۔"

(شرح مشكل الوسيط : 505/3)

۞ **حافظ نووی رحمہ اللہ نے "ضعیف" کہا ہے۔**

(المَجموع : 4/20-21، 386/8، خلاصة الأحكام : 1863)

۞ **حافظ عبد الہادی رحمہ اللہ نے "ضعیف" قرار دیا ہے۔**

(تنقيح التّحقيق : 401/2)

۞ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ غَرِيبٌ مُنْكَرٌ .

”یہ غریب اور منکر روایت ہے۔“

(تلخيص المستدرك : 247/1، المُهذّب في اختصار السّنن الكبير : 3846/8)

۞ علامہ ابن مفلح رحمہ اللہ نے ”موضوع“ (من گھڑت) قرار دیا ہے۔

(كتاب الفروع : 196/8)

۞ علامہ ابوزکریا رہونی رحمہ اللہ (۷۷۳ھ) فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُونَ .

”اس حدیث کو اکثر محققین نے ضعیف قرار دیا ہے۔“

(تحفة المسؤول : 177/2)

۞ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے ”ضعیف“ کہا ہے۔

(تحفة الطّالب، ص 97، الفُصول في السِّيرة، ص 308)

۞ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ .

”یہ حدیث ضعیف ہے۔“

(البدر المُنير : 326/4، غاية السّول، ص 88)

۞ نیز فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ، فَلَا أَحْتَجُّ بِهٖ .

’’یہ روایت ثابت نہیں، لہٰذا میں اس سے حجت نہیں پکڑتا۔‘‘

(التّوضیح : 8/177)

❁ نیز فرماتے ہیں:

تَلَخَّصَ ضَعْفُ الْحَدِيثِ مِنْ جَمِيعِ طُرُقِهٖ وَحِينَئِذٍ فَفِي ثُبُوتِ خُصُوصِيَّةِ هٰذِهِ الثَّلَاثَةِ بِهٖ نَظَرٌ، فَإِنَّ الَّذِي يَنْبَغِي وَلَا يُعْدَلُ إِلٰى غَيْرِهٖ أَنْ لَا تَثْبُتَ خُصُوصِيَّةٌ إِلَّا بِدَلِيلٍ صَحِيحٍ .

’’تمام سندوں کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، لہٰذا ان تین چیزوں (وتر، قربانی، نماز چاشت کے وجوب) کو نبی کریم ﷺ کا خاصہ قرار دینا محل نظر ہے۔ کیونکہ یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ خصوصیت کے ثبوت کے لیے صحیح دلیل کا ہونا لازمی اَمر ہے۔‘‘

(غاية السّول، ص 79)

❁ علامہ سراج الدین بلقینی رحمہ اللہ نے ’’ضعیف‘‘ کہا ہے۔

(التّدريب في الفقه الشّافعي : 3/18)

❁ علامہ مقریزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تَبَيَّنَ مِنْ هٰذَا ضَعْفُ الْحَدِيثِ مِنْ جَمِيعِ طُرُقِهٖ .

’’ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حدیث تمام طرق سے ضعیف ہے۔‘‘

(إمتاع الأسماع : 13/12)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَطْلَقَ الْأَئِمَّةُ عَلٰى هٰذَا الْحَدِيثِ الضَّعْفَ كَأَحْمَدَ وَالْبَيْهَقِيِّ

وَابْنِ الصَّلَاحِ وَابْنِ الْجَوْزِيِّ وَالنَّوَوِيِّ وَغَيْرِهِمْ .

”اس حدیث کو امام احمد، امام بیہقی، حافظ ابن صلاح، حافظ ابن الجوزی، حافظ نووی رحمہ اللہ اور دیگر ائمہ نے ضعیف کہا ہے۔“

(التّلخيص الحبير : 45/2)

❁ **نیز فرماتے ہیں:**

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَيْسَ بِثَابِتٍ .

”یہ حدیث غریب اور غیر ثابت ہے۔“

(مُوافقة الخُبر الخبر : 47/2)

سوال: درج ذیل روایت پر اشکال پیش کیا جاتا ہے؟

❁ **سیدنا ابوعسیب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:**

خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلًا، فَمَرَّ بِي، فَدَعَانِي إِلَيْهِ، فَخَرَجْتُ، ثُمَّ مَرَّ بِأَبِي بَكْرٍ فَدَعَاهُ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ، ثُمَّ بِعُمَرَ فَدَعَاهُ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ، فَانْطَلَقَ حَتّٰى دَخَلَ حَائِطًا لِبَعْضِ الْأَنْصَارِ، فَقَالَ لِصَاحِبِ الْحَائِطِ : أَطْعِمْنَا بُسْرًا، فَجَاءَ بِعِذْقٍ فَوَضَعَهٗ، فَأَكَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابُهٗ، ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ بَارِدٍ فَشَرِبَ، فَقَالَ : لَتُسْأَلُنَّ عَنْ هٰذَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، قَالَ : فَأَخَذَ عُمَرُ الْعِذْقَ، فَضَرَبَ بِهِ الْأَرْضَ حَتّٰى تَنَاثَرَ الْبُسْرُ قِبَلَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَئِنَّا لَمَسْئُولُونَ عَنْ هٰذَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالَ : نَعَمْ، إِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ؛ خِرْقَةٍ كَفَّ بِهَا الرَّجُلُ عَوْرَتَهُ، أَوْ كِسْرَةٍ سَدَّ بِهَا جَوْعَتَهُ، أَوْ حَجَرٍ يَتَدَخَّلُ فِيهِ مِنَ الْحَرِّ، وَالْقُرِّ.

''رسول اللہ ﷺ رات کے وقت باہر تشریف لائے اور میرے پاس سے گزرے، مجھے اپنے پاس بلایا، چنانچہ میں باہر آیا، پھر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے، تو انہیں بھی بلایا، وہ بھی حاضر خدمت ہوئے، پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزرے اور انہیں بھی بلایا، وہ بھی آ گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ چلنے لگے، یہاں تک کہ کسی انصاری کے باغ میں داخل ہو گئے اور باغ کے مالک سے فرمایا: ہمیں گدر کھجور کھلایئے۔ تو وہ انصاری صحابی کھجوروں کا ایک گچھا لے آیا اور آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے وہ کھجوریں تناول فرمائیں، پھر آپ ﷺ نے ٹھنڈا پانی منگوایا اور پیا، پھر فرمایا: یقیناً ان نعمتوں کے بارے میں روز قیامت باز پرس ہو گی۔ اس پر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے وہ (باقی ماندہ) گچھا پکڑا اور زمین پر مارا، یہاں تک کہ کھجوریں بکھر کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے تک آ گئیں۔ عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا روز قیامت اس کے بارے میں ہم سے پوچھا جائے گا؟ فرمایا: جی ہاں، البتہ تین چیزوں کے متعلق باز پرس نہیں ہو گی: ① وہ کپڑا جس سے انسان اپنی شرمگاہ کو ڈھانپتا ہے، ② کھانے کی وہ شے، جس سے انسان اپنی بھوک مٹاتا ہے، ③ وہ پناہ گاہ، جس میں آدمی سردی یا گرمی سے

بچاؤ کے لیے داخل ہوتا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 81/5، حلية الأولياء لأبي نعيم : 27/2، وسندهٗ حسنٌ)

بعض روافض کہتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی ہے اور نعوذ باللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر کھجوریں ماری ہیں؟

جواب: حدیث میں ایسا کوئی لفظ نہیں، جس سے یہ ثابت ہوتا ہو کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارکہ پر کھجوریں ماری ہوں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرط جذبات میں کھجوروں کا گچھا زمین پر دے مارا، تو وہ کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھیل گئیں، اس میں چہرے پر کھجوریں مارنے کا کوئی مفہوم نہیں۔

سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ادب کا یہ عالَم تھا کہ حکم قرآن آنے کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اتنی آہستہ گفتگو کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوبارہ پوچھنا پڑتا کہ عمر! آپ کیا کہہ رہے ہیں؟!!

کیا ایسا شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر کھجوریں مار سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ بیان کیا جاتا ہے:

غَمَزَ أَوْرَاكَهَا وَقَالَ : إِنَّهَا لَكَبِيرَةُ الْعَجِيزَةِ .

''(سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے والے) باغی نے (سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی بیوی) نائلہ رحمہا اللہ کے کولھوں پر ہاتھ مارا اور کہنے لگا: اس عورت کے کولھے بہت بڑے ہیں۔''

(الفتنة ووقعة الجمل لسيف بن عمر، تاريخ الطّبري : 391/4، تاريخ ابن عساكر :

(439/39

جواب: یہ جھوٹی کہانی ہے۔ سیف بن عمر تمیمی اسدی ضعیف ومتروک ہے۔ نیز سیف بن عمر نے اسے بغیر سند کے ذکر کیا ہے۔

سوال: ایک مسجد کا امام نماز تراویح کے لیے لوگوں کو مجبور کرتا ہے، وہ نماز عشاء کے بعد مسجد کا دروازہ بند کر دیتا ہے کہ کوئی شخص نماز تراویح پڑھے بغیر باہر نہیں جا سکتا، اس اقدام کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: بلاشبہ نماز تراویح کی بڑی فضیلت ہے۔ خیر و بھلائی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، مگر اس پر اجماع ہے کہ نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے، فرض یا واجب نہیں۔ اس کے ساتھ فرض والا معاملہ نہیں کیا جا سکتا۔ نبی کریم ﷺ، خلفائے راشدین اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تراویح کی ترغیب دی ہے، مگر اسے واجب قرار نہیں دیا۔

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَغِّبُ فِي قِيَامِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَّأْمُرَهُمْ فِيهِ بِعَزِيمَةٍ، فَيَقُولُ: «مَنْ قَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا، غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ»، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ، ثُمَّ كَانَ الْأَمْرُ عَلٰى ذٰلِكَ فِي خِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ، وَصَدْرًا مِّنْ خِلَافَةِ عُمَرَ عَلٰى ذٰلِكَ.

''رسول کریم ﷺ قیام رمضان کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے: جو ایمان سمجھتے ہوئے اور ثواب کی نیت سے قیامِ رمضان کرے گا، اس کے پہلے تمام گناہ

معاف کر دیئے جائیں گے، آپ وجوبی حکم نہیں دیتے تھے، قیام رمضان ا
ٓپ ﷺ کی وفات تک بغیر جماعت کے چلتا رہا، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے
دورِ خلافت اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت کے شروع میں بھی معاملہ
یونہی رہا۔''

(صحیح مسلم : 174/759)

معلوم ہوا کہ نماز تراویح کے لیے ترغیبی اقدامات کیے جا سکتے ہیں، مثلاً : لوگوں کے نماز تراویح کے فضائل بیان کیے جائیں، اچھے قاری کا بندوبست کیا جائے، تا کہ لوگ تلاوت میں رغبت کریں، متوازن مقدار میں قراءت کی جائے، تا کہ عوام کی دلچسپی برقرار رہے، اسی طرح کبھی کبھار ریفریشمنٹ کا بندوبست بھی کر دیا جائے، الخ

البتہ سوال میں جس طرح کی صورت بیان کی جا رہی ہے، وہ اقدام درست معلوم نہیں ہوتا۔ کسی مسنون عمل کے ساتھ واجب والا معاملہ کرنا اسے بدعت بنا دے دیتا ہے، نیز تراویح کے لیے لوگوں کو اس طرح پابند کرنا اختلاف وانتشار کو جنم دے سکتا ہے۔

اس لیے بہتر یہی ہے کہ لوگوں کو تراویح میں شامل ہونے کی ترغیب دی جائے اور اس کی ادائیگی کے لیے وہ سخت اقدامات نہ کیے جائیں، جو فرض نماز کے لیے کیے جاتے ہیں۔

سوال : ایک شخص کا بازو ٹوٹ چکا ہے، وہ نماز میں رفع الیدین کس طرح کرے؟

جواب : جس کا ایک بازو خراب ہو یا اسے اٹھانا ممکن نہ ہو، تو ایک ہی بازو سے رفع الیدین کر سکتا ہے، وہ زخمی ہاتھ کو اٹھانے کا مکلّف نہیں ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے دونوں بازو مجروح ہوں، وہ بھی رفع الیدین کا مکلّف نہیں ہے۔ اس کی نماز بغیر ہاتھ اٹھائے ہی درست ہے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۸۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَعْذَرَ أَبَا بَكْرٍ مِّنْ عَائِشَةَ، وَلَمْ يَظُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنَالَهَا بِالَّذِي نَالَهَا، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ يَدَهٗ فَلَطَمَهَا، وَصَكَّ فِي صَدْرِهَا، فَوَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ : يَا أَبَا بَكْرٍ، مَا أَنَا بِمُسْتَعْذِرِكَ مِنْهَا بَعْدَهَا أَبَدًا .

''نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی شکایت کی، آپ ﷺ کو گمان نہ تھا کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ وہ کریں گے، جو انہوں نے کیا۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو تھپڑ مار دیا اور سینے پر مکا مارا۔ نبی کریم ﷺ کو اس رویہ پر دکھ ہوا، فرمایا: ابوبکر! آئندہ کبھی بھی میں آپ کو عائشہ کی شکایت نہیں کروں گا۔''

(صحیح ابن حبان : 4185)

جواب: سند ضعیف ہے۔

① زہری کا عنعنہ ہے۔

② یحییٰ بن سعید بن عاص نے یہ حدیث سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے نہیں سنی۔

درمیان میں سعید بن عاص کا واسطہ ہے۔

❁ اس کا دوسرا طریق بھی ہے۔

(الجامع لمعمر بن راشد : 20923، فضائل الصّحابة لأحمد بن حنبل : 1629)

سند ضعیف و مرسل ہے۔

① یحییٰ بن سعید بن عاص تابعی بلا واسطہ یہ واقعہ بیان کر رہے ہیں۔

② زہری کا عنعنہ ہے۔

❁ اس کی تیسری سند بھی ہے۔

(مصنّف عبد الرزّاق : 22002، جامع معمر بن راشد : 20924)

سند ضعیف ہے۔

① رجل مبہم ہے۔

② سند معضل ہے، سند میں مسلسل کئی واسطے ساقط ہیں۔

❁ اس کی چوتھی سند بھی ہے۔

(طبقات ابن سعد : 80/8)

سند باطل ہے۔

① محمد بن عمر واقدی متروک و کذاب ہے۔

② زہری کا عنعنہ ہے۔

③ سعید بن مسیّب کی مرسل ہے۔

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❀ احنف بن قیس رحمہ اللہ سے مروی ہے:

لَمَّا ظَهَرَ عَلِيٌّ عَلٰى أَهْلِ الْبَصْرَةِ أَرْسَلَ إِلٰى عَائِشَةَ : ارْجِعِي إِلَى الْمَدِينَةِ وَإِلَى بَيْتِكَ قَالَ : فَأَبَتْ، قَالَ : فَأَعَادَ إِلَيْهَا الرَّسُولَ : وَاللّٰهِ لَتَرْجِعَنَّ أَوْ لَأَبْعَثَنَّ إِلَيْكَ نِسْوَةً مِّنْ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ دَمُهُنَّ شِفَارٌ حِدَادٌ يَأْخُذْنَكَ بِهَا فَلَمَّا رَأَتْ ذٰلِكَ خَرَجَتْ .

”جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ پر چڑھائی کی، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو پیغام بھیجا: ”آپ مدینہ واپس چلی جائیں اور اپنے گھر میں رہیں۔“ لیکن سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انکار کر دیا، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے دوبارہ قاصد کو یہ پیغام دے کر بھیجا: ”اللہ کی قسم! یا تو آپ واپس چلی جائیں یا میں آپ کی طرف قبیلہ بکر بن وائل کی خواتین کو بھیجوں گا، جن کا خون تیز دھار چھریوں کی طرح (گرم) ہے، وہ آپ کو پکڑ کر لے جائیں گی۔ جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ سب محسوس کیا، تو واپس روانہ ہو گئیں۔“

(مصنّف ابن أبي شيبة : 37830)

جواب: سند ضعیف ہے۔

① جحش بن زیاد ضبی کوفی مجہول الحال ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ”الثقات: ٦/ ١٥٧“ میں ذکر کیا ہے۔

② ابوبکر بن عیاش کثیر الخطا ہے۔

❀ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ كَثِيرُ الْغَلَطِ .

”ابوبکر بن عیاش بہت زیادہ غلطیاں کرتے تھے۔“

(سنن التّرمذي، تحت الرقم : 2567)

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❀ **سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:**

لَأَنْ أَحْلِفَ بِاللّٰهِ تِسْعًا، إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُتِلَ قَتْلًا، أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أَحْلِفَ وَاحِدَةً، وَذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اتَّخَذَهُ نَبِيًّا، وَجَعَلَهُ شَهِيدًا .

”میں اس پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کیا گیا ہے، نو بار قسم اٹھاؤں، یہ مجھے ایک بار قسم اٹھانے سے زیادہ محبوب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بھی بنایا ہے اور رتبہ شہادت پر فائز بھی کیا ہے۔“

(مسند الإمام أحمد :408/1)

جواب: سند ضعیف ہے۔ اعمش کا عنعنہ ہے۔

❀ **حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

قَالُوا : لَا يُقْبَلُ تَدْلِيسُ الْأَعْمَشِ .

”محدثین کہتے ہیں کہ اعمش کی تدلیس قبول نہیں۔“(التّمهيد :30/1)

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❀ **سیدنا ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:**

اَلسِّنَّوْرُ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ، وَإِنَّهُ مِنَ الطَّوَّافِينَ، أَوِ الطَّوَّافَاتِ، عَلَيْكُمْ .

''بلی افرادِ خانہ میں سے ہی ہے، یہ آپ کے پاس بار بار چکر لگانے والے مردوں اور عورتوں میں سے ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 309/5)

جواب: سند ضعیف ہے۔

① حجاج بن ارطاۃ ضعیف، مدلس اور مختلط ہے۔

❀ حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ مَا قَالَ أَهْلُ الْحَدِيثِ فِيهِ أَنَّهُ ضَعِيفٌ مُدَلِّسٌ لَا يُحْتَجُّ بِحَدِيثِهِ لِضَعْفِهِ وَسُوءِ نَقْلِهِ عِنْدَهُمْ حَقٌّ .

''محدثین نے جو حجاج بن ارطاۃ کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ ضعیف، مدلس ہے، اس کے ضعف اور سوءِ نقل کی وجہ سے اس کی حدیث سے حجت لینا جائز نہیں، یقیناً ان کی یہ بات حق ہے۔''

(التّمهيد : 75/2)

② قتادۃ بن عبد اللہ بن ابی قتادہ انصاری مجہول الحال ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات : ۷/ ۳۴۱'' میں ذکر کیا ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوف مروی ہے:

إِنَّمَا هُوَ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ .

''بلی تو افرادِ خانہ میں سے ہے۔''

(الطّهور لأبي عبيد : 209)

سند ضعیف ہے۔ میمون بن مہران کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔ حافظ

مغلطائی رحمہ اللہ نے اس کی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کو انقطاع کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے۔

(الإعلام شرح سنن ابن ماجه، ص 280)

❀ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے مروی ہے:

اَلسِّنَّوْرُ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ .

''بلی گھر کا ہی ایک فرد ہے۔''

(مصنّف عبد الرزّاق :371)

سند ضعیف ہے۔

① سفیان ثوری کا عنعنہ ہے۔

② عبدالرزاق بن ہمام کا عنعنہ ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

❀ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَنْزِلُ عَشِيَّةَ عَرَفَةَ عَلٰى جَمَلٍ أَوْرَقَ يُصَافِحُ الرُّكْبَانَ وَيُعَانِقُ الْمُشَاةَ .

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ یوم عرفہ کی شام سرمئی اونٹ پر اترتا ہے، سواری پر سوار حاجیوں سے مصافحہ کرتا ہے اور پیدل چلنے والوں سے معانقہ کرتا ہے۔''

جواب: جھوٹی اور من گھڑت روایت ہے۔ گمراہ باطنی صوفیا کی گھڑنتل ہے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا مِنْ أَعْظَمِ الْكَذِبِ عَلَى اللّٰهِ وَرَسُولِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَائِلُهٗ مِنْ أَعْظَمِ الْقَائِلِينَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَمْ يَرْوِ هٰذَا

الْحَدِيثَ أَحَدٌ مِّنْ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِينَ أَصْلًا بَلْ أَجْمَعَ عُلَمَاءُ الْمُسْلِمِينَ وَأَهْلُ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَدِيثِ عَلٰى أَنَّهٗ مَكْذُوبٌ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

’’یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر بہت بڑا جھوٹ ہے، ایسی روایت بیان کرنے والا بہت بڑی ناحق بات کرنے والا ہے۔ مسلمان علما میں سے کسی نے بھی اس روایت کو نقل نہیں کیا، بلکہ تمام علمائے مسلمین اور حدیث کا علم رکھنے والے علما کا اجماع ہے کہ یہ رسول اللہ ﷺ پر جھوٹ اور گھڑنتل ہے۔‘‘

(مَجموع الفتاویٰ : 385/3)

سوال: کیا اللہ تعالیٰ کی صفات لامتناہی ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ کی صفات کی تعداد معلوم نہیں، اہل سنت والجماعت ان تمام صفات باری تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں، جو کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہیں۔ اشاعرہ اللہ تعالیٰ کے لیے سات صفات ذاتیہ کو مانتے ہیں، باقی میں تاویل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کی تعداد سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ ہم سب پر اجمالاً وتفصیلاً ایمان رکھتے ہیں۔

سوال: پاگل شخص نے اپنا موٹر سائیکل بیچ دیا، کیا یہ بیع معتبر ہے؟

جواب: جس کی عقل زائل ہو چکی ہو اور اسے اپنے کیے کی بھی سمجھ نہ ہو، تو اس کا کوئی معاملہ شرعاً منعقد نہیں ہوتا۔ وہ مرفوع القلم ہے، اس کا کیا گیا سودا منسوخ سمجھا جائے گا، جب تک اس کا سرپرست اس معاملہ کو منعقد نہیں کرتا، سودا طے نہ ہوگا۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَا تَصِحُّ عُقُودُهُ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ، فَلَا يَصِحُّ بَيْعُهُ وَلَا شِرَاؤُهُ وَلَا نِكَاحُهُ وَلَا طَلَاقُهُ وَلَا إِقْرَارُهُ وَلَا شَهَادَتُهُ، وَلَا غَيْرُ ذٰلِكَ مِنْ أَقْوَالِهٖ، بَلْ أَقْوَالُهُ كُلُّهَا لَغْوٌ لَا يَتَعَلَّقُ بِهَا حُكْمٌ شَرْعِيٌّ وَلَا ثَوَابٌ وَلَا عِقَابٌ .

''مجنون کے طے کردہ معاملات معتبر نہیں، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے، لہٰذا مجنون کی خرید وفروخت، نکاح، طلاق، اقرار، گواہی اور دیگر اقوال (شرعاً) درست نہیں۔ بلکہ اس کے تمام اقوال لغو ہوں گے، ان سے شرعی حکم متعلق نہیں ہوتا، نہ ان پر کوئی ثواب یا گناہ مرتب ہوتا ہے۔''

(مَجموع الفتاویٰ: 11/191-192)

سوال: کھڑے کھڑے پانی کی رنگت تبدیل ہوگئی، کیا یہ پانی پاک ہے؟

جواب: وہ پانی جس میں کوئی نجاست نہیں گری اور کئی دن کھڑے کھڑے اپنا رنگ تبدیل کر گیا، تو وہ پانی پاک ہے، یہی حکم بو اور ذائقہ تبدیل ہونے کا ہے۔

✿ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا مَا تَغَيَّرَ بِمُكْثِهٖ وَمَقَرِّهٖ فَهُوَ بَاقٍ عَلٰى طَهُورِيَّتِهٖ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

''جو پانی زیادہ دیر ٹھہرنے کی وجہ سے تبدیل ہو گیا ہے، وہ پانی بدستور پاک ہے، اس پر اہل علم متفق ہیں۔''

(مَجموع الفتاویٰ: 21/36)

البتہ اگر پانی کے اوصاف ثلاثہ (رنگ، بو، ذائقہ) کسی نجس شے کے گرنے کی وجہ سے تبدیل ہوئے ہیں یا ان میں سے کوئی ایک وصف تبدیل ہوا ہے، تو پانی ناپاک ہے، اس

سے طہارت حاصل نہیں کی جاسکتی۔

سوال: ایک شخص کے پاس شرمگاہ ڈھانپنے کے لیے کپڑا نہیں ہے، نماز کا وقت ہوا، تو اس نے برہنہ ہی نماز پڑھ لی، بعد میں اسے کپڑا دستیاب ہو گیا، تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

جواب: جب اس کے پاس بدن ڈھانپنے کے لیے لباس نہیں تھا اور لباس ملنے کی امید بھی نہیں تھی اور اس نے برہنہ حالت میں ہی نماز پڑھ لی، تو اس کی نماز صحیح ہے، بعد میں جب لباس دستیاب ہو گیا، تو اس پر نماز کا اعادہ نہیں۔

سوال: ایک شخص کا نماز فجر سے پہلے آپریشن ہوا، وہ نماز فجر لیٹے لیٹے اشارے سے پڑھ سکتا ہے، جبکہ پانچ گھنٹے بعد اس کے لیے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ممکن ہے، تو کیا وہ پانچ گھنٹے انتظار کر کے کھڑے ہو کر نماز پڑھے یا طلوع آفتاب سے پہلے پہلے لیٹ کر اشاروں سے نماز پڑھ لے؟

جواب: اگر کوئی مریض اتنا بیمار ہو کہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا، تو وہ بیٹھ کر یا لیٹ کر نماز پڑھ سکتا ہے، اس کے لیے بھی وقت کے اندر اندر نماز پڑھنا ضروری ہے، خواہ بیٹھ کر پڑھے یا لیٹ کر۔

لہٰذا صورت مسؤ ولہ میں نماز فجر کو طلوع آفتاب سے مؤخر کرنا جائز نہیں، نماز فجر کو اس کے وقت پر ادا کیا جائے گا، خواہ بیٹھ کر ادا کرے یا کھڑے ہو کر۔

❀ **شیخ الاسلام ابن تیمیہ** رحمہ اللہ **(۷۲۸ھ)** فرماتے ہیں:

الْمَرِيضُ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ يُصَلِّي فِي الْوَقْتِ قَاعِدًا أَوْ عَلٰى جَنْبٍ، إِذَا كَانَ الْقِيَامُ يَزِيدُ فِي مَرَضِهٖ، وَلَا يُصَلِّي بَعْدَ خُرُوجِ الْوَقْتِ قَائِمًا .

”علما کا اتفاق ہے کہ مریض نماز کے وقت کے اندر اندر ہی بیٹھ کر یا پہلو کے بَل نماز ادا کرے گا، اگر کھڑے ہو کر قیام کرنا اس کے مرض میں اضافہ کا باعث بن رہا ہو، نیز وہ نماز کا وقت گزار کر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھے گا۔“

(مَجموع الفتاویٰ: 36/21)

وہ دو نمازیں جو بیک وقت جمع ہو سکتی ہیں، جیسے نماز ظہر اور نماز عصر، اسی طرح نماز مغرب اور نماز عشاء، ان نمازوں میں جمع تقدیم، جمع تاخیر، جمع صوری سبھی جائز ہے۔

سوال: پیشہ ور بھکاریوں کو دینا کیسا ہے؟

جواب: جائز نہیں۔ یہ گناہ پر تعاون ہے، کیونکہ اسلام میں مانگنے کو پیشہ بنانے کی گنجائش نہیں۔ یہ ان کے ساتھ خیر خواہی نہیں، خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں اس رذیل فعل سے باز رکھا جائے اور دیگر جائز پیشے اختیار کرنے کے لیے مجبور کر دیا جائے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا﴾ (البقرة : ٢٧٣)

”وہ لوگوں سے چمٹ کر سوال نہیں کرتے۔“

❁ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ، حَتّٰى يَأْتِيَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَيْسَ فِي وَجْهِهِ مُزْعَةُ لَحْمٍ.

”جو بندہ (بلا ضرورت) لوگوں سے مانگتا رہتا ہے، وہ روز قیامت اس حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت کا ایک ٹکڑا بھی نہیں ہو گا۔“

(صحيح البخاري : 1474، صحيح مسلم : 1040)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ الْمِسْكِينُ الَّذِي تَرُدُّهُ الْأُكْلَةَ وَالْأُكْلَتَانِ، وَلٰكِنِ الْمِسْكِينُ الَّذِي لَيْسَ لَهٗ غِنًى، وَيَسْتَحْيِي أَوْ لَا يَسْأَلُ النَّاسَ إِلْحَافًا .

''مسکین وہ نہیں ہے کہ جو ایک دو لقمے حاصل کرنے کے لیے دربدر بھٹکتا پھرے، بلکہ حقیقی مسکین وہ ہے، جس کے پاس اتنا مال نہ ہو کہ جو اس کی ضرورت پوری کر سکے، مگر وہ لوگوں (کے سامنے ہاتھ پھیلانے) سے شرم محسوس کرتا ہے یا لوگوں سے چمٹ چمٹ کر سوال نہیں کرتا۔''

(صحيح البخاري : 1476، صحيح مسلم : 1039)

❁ سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهٗ، فَأَعْطَانِي، ثُمَّ سَأَلْتُهٗ، فَأَعْطَانِي ثُمَّ قَالَ : يَا حَكِيمُ، إِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ، فَمَنْ أَخَذَهٗ بِسَخَاوَةِ نَفْسٍ بُورِكَ لَهٗ فِيهِ، وَمَنْ أَخَذَهٗ بِإِشْرَافِ نَفْسٍ لَمْ يُبَارَكْ لَهٗ فِيهِ، كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ، الْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى، قَالَ حَكِيمٌ : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا أَرْزَأُ أَحَدًا بَعْدَكَ شَيْئًا حَتّٰى أُفَارِقَ الدُّنْيَا، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، يَدْعُو حَكِيمًا إِلَى الْعَطَاءِ، فَيَأْبٰى أَنْ يَقْبَلَهٗ مِنْهُ، ثُمَّ إِنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ دَعَاهُ لِيُعْطِيَهٗ فَأَبٰى أَنْ يَقْبَلَ مِنْهُ شَيْئًا، فَقَالَ

عُمَرُ : إِنِّي أُشْهِدُكُمْ يَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِينَ عَلٰى حَكِيمٍ، أَنِّي أَعْرِضُ عَلَيْهِ حَقَّهٗ مِنْ هٰذَا الْفَيْءِ فَيَأْبٰى أَنْ يَأْخُذَهٗ، فَلَمْ يَرْزَأْ حَكِيمٌ أَحَدًا مِّنَ النَّاسِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى تُوُفِّيَ .

’’میں نے رسول اللہ ﷺ نے کچھ مانگا، تو رسول اللہ ﷺ مجھے عطا فرمایا۔ میں نے پھر مانگا، تو آپ ﷺ نے پھر عطا فرما دیا، اس کے بعد جب میں نے تیسری بار مانگا، تو آپ ﷺ نے دے دیا، پھر فرمایا: حکیم! یہ مال سرسبز وشاداب اور میٹھا ہوتا ہے، پس جو شخص اسے سوال اور لالچ کے بغیر حاصل کرے گا، اس کے لیے اس میں برکت رکھ دی جاتی ہے اور جو شخص اس میں طمع ولالچ کرتے ہوئے اور مانگ کر حاصل کرے گا، تو اس کے لیے اس میں برکت نہیں ڈالی جاتی، اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے، جو کھاتا رہتا ہے، مگر سیر نہیں ہوتا۔ اوپر والا ہاتھ (دینے والا) نیچے والے ہاتھ (لینے والے) سے کہیں بہتر ہے۔ حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! اس ذات کی قسم، جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، میں آپ کے بعد کسی سے کچھ نہیں لوں گا، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو جاؤں گا۔

چنانچہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے (اپنے دور خلافت میں) سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کو عطیہ دینے کے لیے بلایا، تو انہوں نے لینے سے انکار کر دیا، پھر سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے (اپنے عہد خلافت میں) عطیہ دینے کے لیے بلایا، مگر انہوں نے کچھ بھی لینے سے انکار کر دیا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

مسلمانو! حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کی بات پر گواہ رہنا، میں نے انہیں ان کا مال فے کا حصہ پیش کیا ہے، مگر انہوں نے خود ہی لینے سے انکار کیا ہے۔ پس سیدنا حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی اس بات) کے بعد کبھی کسی سے کچھ نہیں لیا، یہاں تک کہ وفات پا گئے۔“

(صحيح البخاري : 1472، صحيح مسلم : 1035)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَأَنْ يَأْخُذَ أَحَدُكُمْ حَبْلَهٗ، فَيَحْتَطِبَ عَلٰى ظَهْرِهٖ خَيْرٌ لَّهٗ مِنْ أَنْ يَأْتِيَ رَجُلًا، فَيَسْأَلَهٗ أَعْطَاهُ أَوْ مَنَعَهٗ .

”اس ذات کی قسم، جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! کوئی آدمی رسی میں لکڑیوں کا گٹھا باندھے اور اسے اپنی کمر پر رکھ کر لائے (اور فروخت کر کے اپنی ضرورت پوری کر لے) یہ اس شخص سے کہیں بہتر ہے، جو کسی کے پاس جائے اور اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے، اب وہ اسے دے یا نہ دے۔“

(صحيح البخاري : 1470، صحيح مسلم : 1042)

❁ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ نَاسًا مِّنَ الْأَنْصَارِ سَأَلُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَعْطَاهُمْ، ثُمَّ سَأَلُوهُ، فَأَعْطَاهُمْ، ثُمَّ سَأَلُوهُ، فَأَعْطَاهُمْ حَتّٰى نَفِدَ مَا عِنْدَهٗ، فَقَالَ : مَا يَكُونُ عِنْدِي مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ أَدَّخِرَهٗ عَنْكُمْ، وَمَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ، وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ وَمَنْ يَتَصَبَّرْ يُصَبِّرْهُ اللّٰهُ، وَمَا أُعْطِيَ أَحَدٌ عَطَاءً خَيْرًا وَّأَوْسَعَ

مِنَ الصَّبْرِ .

''انصار کے چند لوگوں نے رسول اللہ ﷺ نے مال کا مطالبہ کیا، تو آپ ﷺ نے انہیں دے دیا، انہوں نے پھر سوال کیا، آپ ﷺ نے پھر دے دیا، پھر سوال کیا، تو پھر عطا کر دیا، یہاں تک کہ جو بھی تھا سب ختم ہو گیا، پھر فرمایا: میرے پاس جو مال بھی ہوتا ہے، میں اسے آپ لوگوں سے بچا کر نہیں رکھوں گا، لیکن جو مانگنے سے بچنے کی کوشش کرے گا، تو اللہ اسے فقر سے بچا لے گا اور جو شخص دوسروں سے بے نیاز رہے گا، تو اللہ تعالیٰ اسے غنی کر دے گا اور جو صبر کرنے کی کوشش کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے صبر کی توفیق دے دے گا اور صبر سے بڑی اور وسیع کوئی نعمت کسی کو نہیں دی گئی۔''

(صحيح البخاري : 1469 ، صحيح مسلم : 1053)

❀ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ يَكْفُلُ لِي أَنْ لَا يَسْأَلَ النَّاسَ شَيْئًا، وَأَتَكَفَّلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ؟، فَقَالَ ثَوْبَانُ : أَنَا، فَكَانَ لَا يَسْأَلُ أَحَدًا شَيْئًا .

''جو مجھے یہ ضمانت دے کہ وہ کسی سے کچھ نہیں مانگے گا، تو میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔ تو ثوبان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: میں ضمانت دیتا ہوں (کہ کبھی کسی سے سوال نہیں کروں گا)۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے۔''

(سنن أبي داود : 1643 ، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ (۱۵۰۰) نے مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔

❀ حافظ منذری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔

(التّرغيب والتّرهيب : 1210)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ، وَلٰكِنَّ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ .

''امیری زیادہ مال ودولت سے حاصل نہیں ہوتی، بلکہ امیری تو دل کی امیری ہے (جس میں دوسروں سے مانگنے سے بچا جاتا ہے)۔''

(صحيح البخاري : 6446، صحيح مسلم :1051)

❁ سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ أَسْلَمَ، وَرُزِقَ كَفَافًا، وَقَنَّعَهُ اللّٰهُ بِمَا آتَاهُ .

''وہ آدمی کامیاب ہوگیا، جس نے اسلام قبول کیا، اسے بقدر کفایت رزق دیا گیا اور اللہ نے اسے اپنے دیے پر قناعت عطا کی۔''

(صحيح مسلم : 1054)

❁ سیدنا مقدام رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا أَكَلَ أَحَدٌ طَعَامًا قَطُّ، خَيْرًا مِّنْ أَنْ يَّأْكُلَ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ، وَإِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، كَانَ يَأْكُلُ مِنْ عَمَلِ يَدِهٖ .

''سب سے بہترین رزق وہ ہے، جو ہاتھ کی کمائی ہوتی ہے۔ اللہ کے نبی داود علیہ السلام اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے۔''

(صحيح البخاري : 2072)

❁ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

أَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنْ عِلْمٍ لَا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَا يَخْشَعُ،

وَمِنْ نَفْسٍ لَا تَشْبَعُ، وَمِنْ دَعْوَةٍ لَا يُسْتَجَابُ لَهَا .

”اللہ! میں غیر نافع علم سے تیری پناہ میں آتا ہوں، ایسے دل سے پناہ چاہتا ہوں، جس میں تیرا ڈر نہ ہو اور ایسے نفس سے پناہ مانگتا ہوں، جو سیر ہی نہ ہو اور ایسی دعا سے بھی پناہ مطلوب ہے، جو مستجاب نہ ہو۔“

(صحيح مسلم : 2722)

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْأَرْبَعِ؛ مِنْ عِلْمٍ لَّا يَنْفَعُ، وَمِنْ قَلْبٍ لَّا يَخْشَعُ، وَمِنْ نَفْسٍ لَّا تَشْبَعُ، وَمِنْ دُعَاءٍ لَّا يُسْمَعُ .

”یا اللہ! چار چیزوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں؛ غیر مفید علم سے، ایسے دل سے، جس میں تیرا ڈر نہ ہو، ایسے نفس سے، جو سیر ہی نہ ہو اور ایسی دعا سے جو مستجاب نہ ہو۔“

(مسند الإمام أحمد : 340/2، سنن أبي داود : 1548، سنن النّسائي : 5467، سنن ابن ماجه : 3837، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ (۱۰۴/۳) نے ”صحیح“ قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

❀ سیدنا قبیصہ بن مخارق ہلالی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

يَا قَبِيصَةُ إِنَّ الْمَسْأَلَةَ لَا تَحِلُّ إِلَّا لِأَحَدِ ثَلَاثَةٍ رَجُلٍ، تَحَمَّلَ حَمَالَةً، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيبَهَا، ثُمَّ يُمْسِكُ،

وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ جَائِحَةٌ اجْتَاحَتْ مَالَهُ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتَّى يُصِيبَ قِوَامًا مِنْ عَيْشٍ ـأَوْ قَالَـ : سِدَادًا مِّنْ عَيْشٍ وَرَجُلٌ أَصَابَتْهُ فَاقَةٌ حَتّٰى يَقُومَ ثَلَاثَةٌ مِّنْ ذَوِي الْحِجَا مِنْ قَوْمِهِ : لَقَدْ أَصَابَتْ فُلَانًا فَاقَةٌ، فَحَلَّتْ لَهُ الْمَسْأَلَةُ حَتّٰى يُصِيبَ قِوَامًا مِّنْ عَيْشٍ ـأَوْ قَالَ : سِدَادًا مِنْ عَيْشٍ فَمَا سِوَاهُنَّ مِنَ الْمَسْأَلَةِ يَا قَبِيصَةُ سُحْتًا يَأْكُلُهَا صَاحِبُهَا سُحْتًا .

''قبیصہ! تین لوگوں کے علاوہ کسی کے لیے سوال کرنا جائز نہیں؛ پہلا وہ شخص جس نے کسی تاوان کا بوجھ اٹھا رکھا ہو، تو اس کے لیے مانگنا جائز ہے، تاوقتیکہ وہ اپنی ذمہ داری ادا کر لے، پھر سوال کرنے سے باز آ جائے۔ دوسرا وہ شخص جس پر کوئی آفت ٹوٹی اور اس کا مال ہلاک ہو گیا (اور کچھ باقی نہیں بچا)، تو اس کے لیے مانگنا جائز ہے، تا آنکہ اسے گزر بسر کے لیے مناسب سہارا مل جائے۔ تیسرا وہ آدمی جسے فقر و فاقہ نے آن لیا ہو، یہاں تک کہ اس کی قوم کے تین سمجھدار لوگ گواہی دے دیں (کہ یہ شخص واقعی تنگدست ہے)، تو اس کے لیے مانگنا جائز ہے، یہاں تک کہ وہ اپنی مناسب گزران کو حاصل کر لے۔ اے قبیصہ! ان تین صورتوں کے علاوہ جو بھی سوال کیا جائے گا، وہ حرام ہو گا۔ اسے کھانے والا حرام کھاتا ہے۔''

(صحیح مسلم : 1044)

معلوم ہوا کہ بھکاری پیشہ اختیار کرنا سنگین جرم ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ سے ڈرنا چاہیے، جو بلاضرورت مانگ کر کھاتے ہیں، یہ لوگ حرام کھا رہے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ

عزت کے ساتھ محنت مشقت کریں اور حلال روزی کمائیں۔اس میں عزت بھی ہے اور برکت بھی۔

سوال: کیا قنوت نازلہ منسوخ ہے؟

جواب:قنوت نازلہ منسوخ نہیں۔ ائمہ محدثین میں سے کوئی بھی قنوت نازلہ کی منسوخیت کا قائل نہیں۔محدثین کرام کے علم کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث کو سمجھا جائے گا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قنوت کرتے تھے، یہ دلیل ہے کہ قنوت نازلہ منسوخ نہیں۔

بعض لوگوں نے اسے منسوخ قرار دیا ہے۔ان کے جواب میں علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب فرماتے ہیں:

لَعَلَّهٗ لَيْسَ بِصَوَابٍ .

”لگتا یہی ہے کہ نسخ کا دعویٰ درست نہیں۔“

(الأمالي على سنن أبي داود : 162/2)

سوال: کیا نماز وتر سے سلام پھیر کر سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ کے الفاظ پڑھنا ثابت ہیں؟

جواب:نماز وتر کا سلام پھیرنے کے بعد سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ پڑھنا مسنون عمل ہے۔احادیث میں اس کا ثبوت ہے۔

❀ سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُوتِرُ بِثَلَاثِ رَكَعَاتٍ، كَانَ يَقْرَأُ فِي الْأُولٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى، وَفِي

الثَّانِيَةِ بِقُلْ يَآ أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، وَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ، فَإِذَا فَرَغَ، قَالَ عِنْدَ فَرَاغِهِ : سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ يُطِيلُ فِي آخِرِهِنَّ .

''رسول اللہ ﷺ تین رکعت وتر ادا فرماتے، پہلی رکعت میں سورت اعلیٰ، دوسری میں کافرون اور تیسری میں سورت اخلاص پڑھتے۔ وتروں کے بعد تین مرتبہ سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ پڑھتے، اس طرح کہ آخری مرتبہ آواز لمبی کرتے۔''

(سنن النّسائي : 1700، سنن ابن ماجة : 1182، وسندهٗ صحيحٌ)

سنن دارقطنی (1644) میں سفیان ثوری کی متابعت فطر بن خلیفہ نے کی ہے اور فطر ثقہ ہیں۔

❁ سنن النسائی (1733، وسندہ صحیح) کی ہیں:

''نبی کریم ﷺ سلام پھیرتے تو تین مرتبہ سُبْحَانَ الْمَلِكُ الْقُدُّوسِ کہتے، تیسری بار اونچی آواز سے کہتے۔''

❁ اس دعا کے بعد رَبُّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوحِ کہنا بھی ثابت ہے۔

(سنن الدارقطني : 1644، السّنن الكبرىٰ للبَيهقي : 40/3، وسندهٗ صحيحٌ)

تنبیہ:

یاد رہے کہ مذکورہ روایت میں صرف وَيَقْنُتُ قَبْلَ الرُّكُوعِ کے الفاظ پر کلام ہے۔ یہ الفاظ وہم ہیں، البتہ باقی حدیث صحیح ہے۔

❁ سیدنا عبدالرحمٰن بن ابزیٰ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهٗ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوِتْرَ، فَقَرَأَ فِي الْأُوْلٰى بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى، وَفِي الثَّانِيَةِ قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُونَ، وَفِي الثَّالِثَةِ قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ، فَلَمَّا فَرَغَ، قَالَ : سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ ثَلَاثًا، يَمُدُّ صَوْتَهٗ بِالثَّالِثَةِ .

''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وتر پڑھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی رکعت میں سورت اعلیٰ، دوسری میں سورت کافرون اور تیسری میں سورت اخلاص پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر سے فارغ ہوئے، تو تین دفعہ «سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوسِ» پڑھا، تیسری دفعہ آواز بلند کی۔''

(مسند الإمام أحمد : 3/406، سنن النّسائي : 1734، شرح معاني الآثار للطّحاوي :1/392، وسندهٗ صحيحٌ)

معلوم ہوا کہ وتر کے بعد سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ پڑھنا ثابت ہے۔ یہ سنت مہجورہ ہے، بہت کم لوگ ہیں جو وتر کے بعد بآواز بلند یہ دعا پڑھتے ہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۸۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: اجماع کے ثابت ہونے کے لیے کن لوگوں کا اتفاق ضروری ہے؟

جواب: اجماع میں اہل حق کے علمائے حل وعقد کا متفق ہونا شرط ہے، اس سے عام عوام مراد نہیں، یہ علما ہی کے تابع ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر کسی مسئلہ پر علمائے حق کا اتفاق ہو جائے، تو یہ پوری اُمت کا ہی اتفاق سمجھا جاتا ہے۔

یاد رہے کہ اہل علم، جو ہر وقت حصول علم اور نشر علم میں مشغول رہتے ہیں، وہ اپنے علاقے کے علما سے مکمل آگاہ ہوتے ہیں، نیز دوسرے علاقوں کے اہل علم کی علمی آراء بھی معلوم کرتے رہتے ہیں، پھر جا کر وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ فلاں مسئلہ پر تمام علاقوں کے علما متفق ہیں، اس لیے علم والے علمی طور پر ایک دوسرے سے رابطہ میں رہتے ہیں، وہ ایک دوسرے کے مؤقف پر مطلع ہوتے ہیں، یوں اہل علم کے اتفاق کا علم ہونا بعید نہیں۔

❀ قاضی ابو یعلی فراء رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْإِجْمَاعَ يَنْعَقِدُ عِنْدَنَا بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ، وَإِذَا اتَّفَقُوا جُمْلَةً كَانَتِ الْعَامَّةُ تَابِعَةً لَّهُمْ، وَيُمْكِنُ مَعْرِفَةُ اتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ؛ لِأَنَّ مَنِ اشْتَغَلَ بِالْعِلْمِ حَتّٰى صَارَ مِنْ أَهْلِ الْاِجْتِهَادِ فِيهِ، لَمْ يَخَفْ أَمْرُهٗ عَلٰى أَهْلِ بَلَدِهٖ وَجِيرَانِهٖ، وَلَمْ يَخَفْ حُضُورُهٗ

وَغَيْبَتُهُ .

”ہمارے نزدیک اجماع کا انعقاد علما کے متفق ہونے سے ہو جاتا ہے، کیونکہ جب تمام علما متفق ہو جائیں، تو عوام انہی کے تابع ہوتے ہیں۔ نیز (کسی مسئلہ پر) اہل علم کے اتفاق کی معرفت ممکن ہے، کیونکہ جو شخص علم میں مشغول رہے، یہاں تک کہ مجتہد کے درجہ تک پہنچ جائے، تو اس پر اپنے اور پڑوسی علاقے کے علمائے کی آراء مخفی نہیں رہتیں، نیز ان علما کا حاضر ہونا اور ان کا غائب ہونا مخفی نہیں رہتا۔“

(العُدّة: 1089/4)

✿ یہی بات خطیب ابوبکر بغدادی رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) نے بھی فرمائی ہے۔

(الفَقيه والمُتَفَقِّه: 425/1)

سوال: درج ذیل روایت کا معنی کیا ہے؟

❀ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

كَانَ إِذَا سَمِعَ الصَّارِخَ، قَامَ فَصَلّٰى .

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب پکارنے والے کی آواز سنتے، تو اٹھ کر نماز پڑھتے۔“

(صحيح مسلم: 741)

اس حدیث میں ”صارخ“ سے کیا مراد ہے؟

جواب: اس حدیث میں صارخ (پکارنے والے) سے مراد مرغ ہے۔

✿ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

الصَّارِخُ هُنَا هُوَ الدِّيكُ بِاتِّفَاقِ الْعُلَمَاءِ .

''علما کا اتفاق ہے کہ یہاں صارخ سے مراد مرغ ہے۔''

(شرح مسلم : 23/6)

مرغ نماز کے لیے جگاتا ہے، اسی وجہ سے اسے برا بھلا کہنے کی ممانعت آئی ہے۔

❀ سیدنا زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَسُبُّوا الدِّيكَ فَإِنَّهٗ يُوقِظُ لِلصَّلَاةِ .

''مرغ کو برا بھلا مت کہیں، وہ تو نماز کے لیے بیدار کرتا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 115/4، سنن أبي داوٗد : 5101، عمل اليوم واللّيلة للنّسائي : 945، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن حبان رحمہ اللہ (۵۷۳۱) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

❀ امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے اس حدیث کے متصل ہونے کو ''صحیح'' کہا ہے۔

(عِلَل الحديث : 2559)

سوال: انسان اللہ تعالیٰ کا کتنا ذکر کرے، تو وہ ''ذاکرین'' میں شامل ہوتا ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے ذکر اور اہل ذکر کے بڑے فضائل بیان فرمائے ہیں۔

❀ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا ہے:

﴿وَالذَّاكِرِينَ اللّٰهَ كَثِيرًا وَالذَّاكِرَاتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَغْفِرَةً وَاَجْرًا عَظِيمًا﴾ (الأحزاب : ٣٥)

''اللہ تعالیٰ نے کثرت سے ذکر کرنے والے مردوں اور عورتوں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

جس طرح ایمان والوں کے درجات ہیں، اسی طرح اللہ کا ذکر کرنے والوں کے بھی

مراتب ہیں۔ البتہ جو شخص صبح وشام کے مسنون اذکار، فرض نماز کے بعد مسنون اذکار اور مختلف مواقع اور اوقات کے ساتھ خاص مسنون اذکار کا اہتمام کرے، تو وہ یقینی طور پر ''ذاکرین'' میں شامل ہو جائے گا۔

یاد رہے کہ ذکر صرف زبان سے سبحان اللہ یا الحمد للہ کہنے کا نام نہیں، بلکہ نماز اور قرآن سب سے بڑا اذکر ہے۔ ان کا اہتمام کیے بغیر کوئی شخص اللہ کے ذکر کرنے والے بندوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔

دوسری اہم بات کہ ذکر مفرد جیسے ''اللہ ھو'' یا صرف ''ھو ھو'' شرعی اصطلاح میں کوئی ذکر نہیں، اس پر کوئی ثواب مرتب نہیں ہوتا، بلکہ یہ ذکر کی بدعی صورت ہے، جیسا کہ گمراہ باطنی صوفیا کا وطیرہ ہے۔

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ نبیح عنزی رحمہ اللہ سے مروی ہے:

اِشْتَرَی ابْنُ عُمَرَ بَعِیرَیْنِ فَأَلْقَاهُمَا فِي إِبِلِ الصَّدَقَةِ فَسَمِنَا وَعَظُمَا، وَحَسُنَتْ هَيْئَتُهُمَا قَالَ : فَرَآهُمَا عُمَرُ فَأَنْكَرَ هَيْئَتَهُمَا فَقَالَ : لِمَنْ هٰذَانِ؟ قَالُوا : لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ فَقَالَ : بِعْهُمَا وَخُذْ رَأْسَ مَالِكِ، وَرُدَّ الْفَضْلَ فِي بَيْتِ الْمَالِ .

''سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے دو اونٹ خریدے اور انہیں صدقے کے اونٹوں میں (چرنے کے لیے) چھوڑ دیا، (ایک وقت کے بعد) وہ دونوں اونٹ فربہ اور بڑے ہو گئے اور خوب رو ہو گئے۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ان پر نظر پڑ گئی، تو ان اونٹوں کی حالت کو اجنبی جانا۔ چنانچہ پوچھ لیا: یہ اونٹ کس کے

ہیں؟ لوگوں نے کہا : یہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے اونٹ ہیں، تو آپ رضی اللہ عنہ نے (اپنے بیٹے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے) فرمایا : انہیں فروخت کر دیجئے اور اپنی اصل قیمت وصول کر لیجئے اور باقی قیمت بیت المال میں جمع کرا دیں۔‘‘

(مصنّف ابن أبي شيبة : 32916)

جواب : سند ضعیف ہے۔

① سفیان ثوری کا عنعنہ ہے۔

② نبیح بن عبد اللہ عنزی کا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سماع ممکن نہیں۔

سوال : درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے :

دَخَلَتْ عَلَيَّ امْرَأَةٌ مِّنَ الْيَهُودِ، فَقَالَتْ : إِنَّ عَذَابَ الْقَبْرِ مِنَ الْبَوْلِ، فَقُلْتُ : كَذَبْتِ، فَقَالَتْ : بَلٰى، إِنَّا لَنَقْرِضُ مِنْهُ الْجِلْدَ وَالثَّوْبَ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلَاةِ وَقَدِ ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُنَا، فَقَالَ : مَا هٰذَا؟ فَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَالَتْ، فَقَالَ : صَدَقَتْ، فَمَا صَلّٰى بَعْدَ يَوْمِئِذٍ صَلَاةً إِلَّا قَالَ فِي دُبُرِ الصَّلَاةِ : رَبَّ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ وَإِسْرَافِيلَ أَعِذْنِي مِنْ حَرِّ النَّارِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ .

’’ایک یہودی عورت میرے پاس آئی، اس نے کہا کہ پیشاب کی وجہ سے عذاب قبر ہوتا ہے، میں نے کہا : تو جھوٹ بولتی ہے۔ اس نے کہا : ہاں، ہم

(جہاں پیشاب لگ جاتا، وہاں سے) جلد اور کپڑا کاٹ دیتے تھے، بعدازاں نبی کریم ﷺ نماز کے لیے تشریف لائے، ہماری آوازیں بلند ہو رہی تھیں، آپ ﷺ نے فرمایا: یہ شور کیسا؟ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کو اس یہودی عورت کی بات بتائی، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ سچ کہتی ہے، اس کے بعد نبی کریم ﷺ (ہر فرض) نماز کے بعد یہ دعا ضرور پڑھتے تھے:

رَبَّ جِبْرِيلَ، وَمِيكَائِيْلَ، وَإِسْرَافِيْلَ، أَعِذْنِي مِنْ حَرِّ النَّارِ، وَعَذَابِ الْقَبْرِ.

''اے جبریل، میکائیل اور اسرافیل کے ربّ! مجھے جہنم کی گرمی اور عذاب قبر سے بچالے۔''

(سنن النّسائي: 1346، 5521، مسند الإمام أحمد: 61/6)

جواب: سند ضعیف ہے۔

① قدامہ بن عبداللہ عامری مجہول الحال ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات: ۳۴۰/۷'' میں ذکر کیا ہے۔

② جسرہ بنت دجاجہ سے مروی بعض روایات منکر ہیں۔

❀ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عِنْدَ جَسْرَةَ عَجَائِبُ.

''جسرہ کی بعض روایات منکر ہیں۔''

(التّاريخ الكبير: 67/2)

❀ قدامہ کی متابعت ابوحسان افلت بن خلیفہ عامری نے کی ہے۔

(سنن النّسائي : 5519)

سند ضعیف ہے۔سفیان بن سعید ثوری کا عنعنہ ہے۔

❁ اس کی دوسری سند بھی ہے۔

(مسند أبي يعلٰی : 4779)

سند باطل ہے۔

① عبید اللہ بن ابی حمید متروک ہے۔

② سفیان بن وکیع ضعیف ہے۔

سوال: امام ابو عبد اللہ دقاق رحمہ اللہ (۵۱۶ھ) کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: سنی محدث اور حافظ دقاق رحمہ اللہ کے مختصر حالات ملاحظہ ہوں؛

نام ونسب:

ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن محمد اصبہانی دقاق رحمہ اللہ

ولادت:

آپ رحمہ اللہ سن ۴۳۸ھ کو اصبہان کے قصبہ جرواوان میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ:

حافظ دقاق رحمہ اللہ نے طلب علم کے لیے نیشاپور، طوس، سرخس، مرو، ہراۃ، بلخ، جرجان، بخاری، سمرقند اور کرمان کے اسفار کیے اور وہاں کے ہزاروں اہل سنت مشائخ سے کسب فیض کیا۔جن میں مشہور نام یہ ہیں؛ امام ابو القاسم عبد الرحمٰن بن محمد بن اسحاق بن محمد بن یحییٰ بن مندہ اصبہانی، حافظ عبد اللہ بن شبیب ضبی، علامہ ابو بکر احمد بن فضل باطرقانی، حافظ ابو الفضل عبد الرحمٰن بن احمد رازی رحمہم اللہ وغیرہم شامل ہیں۔

❁ حافظ دقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَمَّا الْمَشَايِخُ الَّذِينَ رَأَيْتُهُمْ، وَكَتَبْتُ عَنْهُمْ، أَوْ سَمِعْتُ مِنْهُمْ بِأَصْبَهَانَ مِنْ أَهْلِهَا وَالْوَارِدِينَ إِلَيْهَا، أَكْثَرُ مِنْ أَلْفِ شَيْخٍ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى .

”اصبہان میں رہنے والے اور اصبہان میں وارد ہونے والے جن مشائخ عظام سے میں نے ملاقات کی ہے، ان سے احادیث لکھیں یا ان سے سماع کیا، ان کی تعداد ایک ہزار سے بھی زیادہ ہوگی، ان شاءاللہ!“

(الرّسالة، ص 129)

تلامذہ:

آپ رحمہ اللہ کے کئی تلامذہ ہیں، جن میں مشہور اور نامور حافظ ابوالقاسم اسماعیل سلفی، حافظ ابوسعد اصبہانی صائغ، حافظ ابوموسیٰ المدینی اصبہانی اور حافظ خلیل بن بدر رارانی ہیں۔

مدح وثناء:

آپ رحمہ اللہ سنی العقیدہ تھے۔ اپنے زمانہ کے بلند پایہ محدث تھے۔

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْحَافِظُ الْأَوْحَدُ، الْمُفِيْدُ، الرَّحَّالُ ...... كَانَ الدَّقَّاقُ صَالِحًا، مُحَدِّثًا، سُنِّيًّا، أَثَرِيًّا، قَانِعًا بِالْيَسِيرِ، فَقِيرًا مُتَقَلِّلًا .

”دقاق رحمہ اللہ حافظ، نابغہ روزگار، مفید (علمی فیض رسانی کرنے والے) اور (طلب علم میں) بہت زیادہ سفر کرنے والے تھے۔......حافظ دقاق رحمہ اللہ نیک

وصالح، محدث، سنی العقیدہ، آثار کے پیرو، تھوڑے مال پر قناعت کرنے والے اور فقر و فاقہ پر گزر بسر کرنے والے تھے۔''

(سِيَر أعلام النُّبلاء : 475/19، تاریخ الإسلام :265/11، تذکرۃ الحُفّاظ : 36/4)

کتابیں:

آپ رحمہ اللہ کی کتابوں میں ''الرسالہ''، معجم المشایخ، مجلس الامالی فی رؤیۃ اللہ تبارک وتعالیٰ۔ یہ تینوں کتابیں مطبوع ہیں۔ ان کے علاوہ بھی آپ رحمہ اللہ کی غیر مطبوع کتابوں کا ذکر ملتا ہے۔

حافظ دقاق رحمہ اللہ سے ''الرسالۃ'' باسند صحیح تواتر کی حد تک ثابت ہے۔

عقیدہ ومنہج:

حافظ دقاق رحمہ اللہ نے وہی عقیدہ بیان کیا ہے، جو ائمہ اہل سنت والجماعت کا اتفاقی اور اجماعی ہے، جن میں اللہ کے عرش پر مستوی ہونے اور باری تعالیٰ کی صفات کے اثبات کا عقیدہ شامل ہے۔

اسی طرح آپ رحمہ اللہ نے کئی مقامات پر اہل بدعت اور ان کے نظریات کا رد کیا ہے، بالخصوص باطنی صوفیا، روافض اور صحابہ کے معاندین۔ اسی طرح صفات باری تعالیٰ میں اہل سنت کے منہج سے منحرفین کو بھی آڑے ہاتھوں لیا ہے۔ آپ رحمہ اللہ کی کتاب ''الرسالہ'' اس پر شاہد ہے۔

✿ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

يُؤْذِي الْأَشْعَرِيَّةَ .

’’حافظ دقاق رحمہ اللہ (علمی رد وجرح کے ساتھ) اشعری عقائد رکھنے والوں کو تکلیف پہنچاتے تھے۔‘‘

(تذکِرة الحُفّاظ : 36/4)

❀ چنانچہ حافظ دقاق رحمہ اللہ اپنی کتاب ’’الرسالۃ‘‘ کے مقدمہ میں فرماتے ہیں:

اَلَّذِي اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ فَوْقَ سَبْعِ سَمٰوَاتٍ، بِالْحُجَجِ وَالْآيَاتِ وَالدَّلَالَاتِ، رَغْمًا عَلَى الزَّنَادِقَةِ أَهْلِ الْبِدَعِ وَالضَّلَالَاتِ، قَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى : ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمَاوَاتِ﴾(الْأَنْعَامُ : ٣)، وَيَنْزِلُ كُلَّ لَيْلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا بِالذَّاتِ وَالصِّفَاتِ، بَاسِطَ الْيَدَيْنِ بِالْعَطَايَا، وَبِهِمَا خَلَقَ أَبَانَا آدَمَ أَبَا الْبَشَرِ تَخْصِيصًا وَّتَشْرِيفًا لَهٗ مِنْ بَنِي الْبَرِيَّاتِ، وَكَلَّمَهٗ فِي أَجَلِّ مَوْضِعٍ وَأَعَزِّ جَنَّاتٍ عَلَيْهِ سَلَامُ اللّٰهِ وَصَلَوَاتُهُ الْمُبَارَكَاتُ، لَهُ السَّمْعُ وَالْبَصَرُ وَالْكَلَامُ وَالْقُدْرَةُ وَالْإِرَادَاتُ، مُنَزِّلُ الْكُتُبِ عَلٰى رُسُلِهٖ وَأَنْبِيَائِهٖ بِالْبَرَاهِينِ وَالْبَيِّنَاتِ، وَأَمَرَ الْخَلَائِقَ بِالْعِبَادَةِ إِيَّاهُ وَالطَّاعَاتِ.

ثُمَّ الصَّلَاةُ عَلٰى رَسُولِهِ الْمُصْطَفٰى مُحَمَّدٍ خَيْرِ الْأَوَّلِينَ وَخَيْرِ الْآخِرِينَ، خَاتَمِ النَّبِيِّينَ وَسَيِّدِ الْمُرْسَلِينَ، أَشْرَفِ الْخَلَائِقِ أَجْمَعِينَ، الْمَبْعُوثِ إِلٰى كَافَّةِ النَّاسِ بِالْهُدٰى وَالرَّحْمَةِ وَالْبَرَكَاتِ، وَعَلٰى جَمِيعِ الْأَنْبِيَاءِ وَالرُّسُلِ أَتَمُّ الصَّلَوَاتِ،

وَعَلَى الطَّاهِرِينَ مِنْ آلِهٖ أَجْزَلُ التَّحِيَّاتِ، وَعَلٰى سَائِرِ صَحْبِهٖ أَفْضَلُ الْكَرَامَاتِ، وَعَلٰى أَزْوَاجِهِ الطَّيِّبَاتِ الطَّاهِرَاتِ الْأُمَّهَاتِ، الْبِكْرِ مِنْهُنَّ أَوَّلًا وَالثَّيِّبَاتِ ؛ فَعَلٰى أَعْدَآءِ الصَّحَابَةِ وَالصَّحَابِيَّاتِ مِنْ أَهْلِ الْبِدَعِ الْمَارِقَةِ وَالْمَارِقَاتِ لَعَائِنُ اللّٰهِ وَلَعْنَةُ اللَّاعِنِينَ تَتْرٰى مُتَوَالِيَاتٍ .

’’اللہ وہ ذات ہے، جو اپنے عرش پر سات آسمانوں کے اوپر بلند ہے، یہ عقیدہ حجتوں، نشانیوں اور دلائل کے ساتھ ثابت ہے، خواہ زندیقوں، اہل بدعت اور گمراہوں کو یہ ناگوار گزرے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمَاوَاتِ﴾ (الْأَنْعَامُ : ۳) ’’وہی اللہ ہے آسمانوں میں۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہر رات اپنی ذات اور صفات کے ساتھ آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوتا ہے، اپنے دونوں ہاتھوں کو عطا وبخشش کے لیے پھیلاتا ہے۔ انہی ہاتھوں سے ہمارے باپ آدم علیہ السلام جو تمام انسانوں کے والد ہیں، کو پیدا کیا، تاکہ انہیں مخلوقات میں مخصوص فضیلت اور شرف عطا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں سب سے بلند مقام اور عزت والی جنت میں کلام سے نوازا۔ ان پر اللہ کی سلامتی اور برکتوں والی رحمت ہو۔ اللہ تعالیٰ کے لیے صفت سمع، صفت بصر، صف کلام، صفت قدر اور صفت ارادہ ثابت ہیں۔ اس نے اپنے رسولوں اور انبیا پر واضح دلائل اور روشن نشانیوں کے ساتھ کتابیں نازل فرمائیں اور تمام مخلوقات کو اپنی عبادت اور اطاعت کا حکم دیا۔

اس کے بعد درود وسلام ہوں اللہ کے برگزیدہ رسول، محمد مصطفیٰ ﷺ پر، جو اولین و آخرین میں سب سے بہترین، خاتم النبیین، سید المرسلین اور تمام مخلوقات میں سب سے اشرف ہیں، جو تمام انسانوں کے لیے ہدایت، رحمت اور برکت کے ساتھ بھیجے گئے۔ نیز تمام انبیاء ورسل پر مکمل درود وسلام، ان کے پاکیزہ اہل بیت پر عظیم تحیات، ان کے تمام صحابہ پر بلند درجات اور ان کی پاکیزہ ازواج پر، جو کہ امت کی مائیں ہیں۔ (ان میں) وہ تمام ازواج شامل ہیں، جو (نبی کریم ﷺ کے حرم نکاح میں آنے سے) پہلے کنواری تھیں یا شوہر دیدہ تھیں۔

چنانچہ صحابہ اور صحابیات کے دشمنوں پر، جو کہ اہل بدعت، دین سے خارج ہونے والے اور گمراہ لوگ ہیں، اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ان پر مسلسل نازل ہوتی رہے۔''

(الرِّسالة، مقدمة، ص 71-72)

❁ ایک نیشاپوری حافظ کے متعلق فرماتے ہیں:

لَهٗ جَمْعٌ فِي الْاِسْتِوَاءِ، وَذَكَرَ فِيهِ مَقَالَةَ الْمُتَكَلِّمِينَ وَرَاءَ الْأَشْعَرِيِّ وَمِمَّنْ يَقُولُ فِي اللّٰهِ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى بِالْجِسْمِ وَالْجَوْهَرِ وَالْبِدْعَةِ، سَمَّاهُ «مَسْأَلَةَ الْاِسْتِوَاءِ»، وَإِنْ لَّمْ يَجْمَعْهَا لَكَانَ خَيْرًا لَهٗ.

''اس نے اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کے لیے ایک کتاب لکھی، جس میں اشاعرہ کے ساتھ ساتھ متکلمین کے عقائد ونظریات کا ذکر کر دیا اور ان

لوگوں کے نظریات بھی جمع کر دیے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے بارے میں جسم، جوہر اور بدعی نظریات کے قائل ہیں۔ اس نے اس کتاب کا نام ''مسألۃ الاستواء'' رکھا ہے، اگر وہ یہ کتاب جمع نہ کرتا، تو اس کے حق میں بہتر ہوتا۔''

(الرِّسالة، ص 108)

❁ ابوالفضل محمد بن فضل حلاوی کے متعلق فرماتے ہیں:

يُذْكَرُ عَنْهُ أَنَّهُ تَكَلَّمَ بِجَهْلِهِ فِي أَكَابِرِ الصَّحَابَةِ بِطَعْنٍ فِي نَفْسِهِ لَا فِيهِمْ، وَتَكَلَّمَ أَيْضًا فِي أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ لَا أُمِّهِ وَأُمِّ الْمُبْتَدِعِينَ الضَّالِّينَ، عَائِشَةَ بِقَدْحٍ.

''اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے اپنی جہالت کی بنا پر اکابر صحابہ پر طعن کیا ہے، یہ طعن صحابہ پر نہیں، بلکہ خود اس پر ذات ہے۔ اسی طرح اس نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر بھی جرح کی ہے، جو مؤمنوں کی ماں ہیں، اس اور اس جیسے گمراہ بدعتیوں کی ماں نہیں ہیں۔''

(الرِّسالة، ص 80)

❁ حلاوی کے بیٹے عبید اللہ کے بارے میں لکھا ہے:

قَالَ عِنْدَ ذِكْرِ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ «عَلَيْهِ السَّلَامُ»، وَلَمْ يَذْكُرْ عِنْدَ ذِكْرِ غَيْرِهِ مِنَ الصَّحَابَةِ شَيْئًا.

''عبید اللہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ذکر پر ''علیہ السلام'' کہا، لیکن دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذکر پر کوئی لفظ نہیں بولا۔''

(الرِسالة، ص 83)

۞ نیز حلاوی کے بیٹے کے متعلق فرماتے ہیں:

صَاهَرَ ابْنُهُ عُبَيْدُ اللّٰهِ مَعَ إِنْسَانٍ كَلْبٍ، مِمَّنْ عُرِفَ بِمَذْهَبِ الْبَاطِنِيَّةِ أَهْلَكَهُمُ اللّٰهُ .

''حلاوی کے بیٹے عبید اللہ نے ایک کتے نما انسان کے ہاں سسرالی رشتہ قائم کر لیا (کہ ان کی بیٹی یا بہن سے شادی کر لی)، جو باطنی مذہب میں معروف تھے، اللہ ان باطنیوں کو ہلاک کرے۔''

(الرِسالة، ص81)

وفات حسرت آیات:

آپ رحمہ اللہ ماہ شوال میں بروز جمعہ سن ۵۱۶ھ کو وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۞ حافظ دقاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَسْأَلُ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَنْ يُنقِذَنا مِنَ الْجَهْلِ وَالْعَمٰى، وَمِنَ التَّرَدُّدِ فِي الضَّلالَةِ وَالرَّدٰى، وَأَنْ يُمِيتَنا عَلَى السُّنَّةِ وَالْهُدٰى، وَيُوَفِّقَنا لِمَا يُوجِبُ لَنَا رِضْوَانَهُ وَالْحُسْنٰى، وَلَهُ الْحَمْدُ فِي الْآخِرَةِ وَالْأُولٰى، صَلَوَاتُهُ عَلٰى رَسُولِهِ الْمُصْطَفٰى مُحَمَّدٍ وَعَلٰى آلِهِ، مَا نَطَقَ نَاطِقٌ، وَذَرَّ شَارِقٌ إِلٰى يَوْمِ الْجَزَاءِ وَالزُّلْفٰى، وَعَلٰى أَصْحَابِهِ أَهْلِ الْحِلْمِ وَالْعِلْمِ وَالنُّهٰى، وَأَدْعُو اللّٰهَ وَأَعْلَمُ أَنَّهُ يَرٰى وَيَسْمَعُ وَيُجِيبُ لِمَنْ دَعَا، وَهُوَ بِالْمَنْظَرِ الْأَعْلٰى، عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى، لَيْسَ وَرَاءَهُ مَرْمًى وَلَا

مُنْتَهًى، وَهُوَ حَسْبِي وَكَفٰى، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ وَلَا حِيلَةَ وَلَا تَوْفِيقَ وَلَا احْتِيَالَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ، لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ مِنْ فَوْقِ عَرْشِهٖ إِلٰى تَحْتِ الثَّرٰى .

وَلَيْسَ عِندِي شَيْءٌ أَرْجٰى مِنْ كَثْرَةِ مَا كَتَبْتُ مِنَ الصَّلَاةِ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ، كَمَا يُحِبُّ رَبُّنَا وَيَرْضٰى، فَوْقَ الرِّضَا .

”میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے سوال کرتا ہوں کہ وہ ہمیں جہالت اور اندھے پن سے نجات دے۔ گمراہی اور ہلاکت میں پڑنے سے محفوظ رکھے۔ ہمیں سنت اور ہدایت پر موت عطا فرمائے اور ہمیں ان اعمال کی توفیق دے، جو ہمیں اس کی رضا اور جنت کا مستحق بنا دیں۔ دنیا اور آخرت میں اسی کے لیے تمام تعریفات ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوتی رہیں اس کے چنیدہ رسول محمد ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر، جب تک کوئی بولنے والا بولے اور جب تک سورج چمکتا رہے، یعنی قیامت کے دن تک۔ آپ ﷺ کے اصحاب پر بھی رحمتیں ہوں، جو حلم، علم اور سمجھ بوجھ والے ہیں۔

میں اللہ سے دعا کرتا ہوں اور جانتا ہوں کہ وہ دیکھتا، سنتا ہے اور دعا کرنے والے کی دعا قبول فرماتا ہے اور وہ بلند ترین منظر میں ہے، یعنی عرش پر بلند ہے، اس سے آگے کوئی ہدف یا انتہا نہیں۔ وہی میرے لیے کافی ہے اور وہی

میرا سہارا ہے۔ اللہ عظیم کے بغیر کوئی طاقت ہے نہ کوئی قوت، نہ کوئی حیلہ وسیلہ اور نہ کوئی کامیابی اور نہ ہی کوئی تدبیر۔ عرش سے لے کر زمین کی تہہ تک اس کے لیے کوئی شے مخفی نہیں۔

میرے پاس کوئی پر اُمید عمل نہیں ہے، سوائے اس کے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر کثرت کے ساتھ درود لکھا ہے۔ آپ اور آپ کی آل پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور سلام ہوں، پاکیزہ اور بابرکت سلام، جیسے ہمارا رب پسند کرتا ہے اور جس پر راضی ہوتا ہے۔''

(الرّسالة، ص 129-130)

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❀ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كَانَ لَا يُولَدُ لِأَحَدٍ مَوْلُودٌ إِلَّا أُتِيَ بِهِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَعَا لَهُ فَأُدْخِلَ عَلَيْهِ مَرْوَانُ بْنُ الْحَكَمِ، فَقَالَ: هُوَ الْوَزَغُ بْنُ الْوَزَغِ الْمَلْعُونُ ابْنُ الْمَلْعُونِ.

''عہد نبوی میں جو بھی بچہ پیدا ہوتا، تو اسے نبی کریم ﷺ کے پاس لایا جاتا، آپ ﷺ اس کے لیے دعا کرتے، چنانچہ مروان بن حکم (کی پیدائش پر اسے) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بھی چھپکلی ہے اور اس کا باپ (حکم) بھی چھپکلی ہے، یہ بھی ملعون ہے اور اس کا باپ (حکم) بھی ملعون ہے۔''

(المستدرك للحاكم: 8477)

(جواب): باطل روایت ہے۔ میناء بن ابی میناء قرشی ضعیف ومتروک وکذاب ہے۔

❀ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، رَوٰى أَحَادِيثَ فِي أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنَاكِيرَ، لَا يُعْبَأُ بِحَدِيثِهٖ، كَانَ يَكْذِبُ .

''یہ منکرالحدیث راوی ہے، اس نے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کے بارے میں کئی منکر روایات بیان کی ہیں، اس کی حدیث پر وقت ضائع نہیں کیا جائے گا، یہ جھوٹ بولتا تھا۔''

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم: 8/395)

(سوال): درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدہ اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

مَرَّ بِي ذَاتَ يَوْمٍ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: إِنِّي قَدْ كَبِرْتُ وَضَعُفْتُ، أَوْ كَمَا قَالَتْ، فَمُرْنِي بِعَمَلٍ أَعْمَلُهٗ وَأَنَا جَالِسَةٌ، قَالَ: سَبِّحِي اللّٰهَ مِائَةَ تَسْبِيحَةٍ، فَإِنَّهَا تَعْدِلُ لَكِ مِائَةَ رَقَبَةٍ تُعْتِقِينَهَا مِنْ وَلَدِ إِسْمَاعِيلَ، وَاحْمَدِي اللّٰهَ مِائَةَ تَحْمِيدَةٍ، تَعْدِلُ لَكِ مِائَةَ فَرَسٍ مُسْرَجَةٍ مُلْجَمَةٍ، تَحْمِلِينَ عَلَيْهَا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، وَكَبِّرِي اللّٰهَ مِائَةَ تَكْبِيرَةٍ، فَإِنَّهَا تَعْدِلُ لَكِ مِائَةَ بَدَنَةٍ مُقَلَّدَةٍ مُتَقَبَّلَةٍ، وَهَلِّلِي اللّٰهَ مِائَةَ تَهْلِيلَةٍ، قَالَ ابْنُ خَلَفٍ: أَحْسِبُهٗ قَالَ، تَمْلَأُ مَا بَيْنَ

السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ، وَلَا يُرْفَعُ يَوْمَئِذٍ لِأَحَدٍ مِثْلُ عَمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَ بِمِثْلِ مَا أَتَيْتِ بِهِ.

”ایک دن کی بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا میرے پاس سے گزر ہوا، تو میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں بوڑھی اور کمزور ہو گئی ہوں، مجھے کوئی بافضیلت عمل بتا دیں، جسے میں بیٹھے بیٹھے انجام دے سکوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (اُم ہانی) سو مرتبہ سبحان اللہ پڑھا کریں، آپ کو ولد اسماعیل سے سو غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا۔ سو مرتبہ الحمد للہ پڑھا کریں، اس سے آپ کو سامان سے لدے اور لگام ڈالے سو اونٹ راہِ خدا میں بھیجنے کا ثواب ملے گا۔ سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھیں، اس پر آپ کو سو اونٹ قربان کرنے کا ثواب ملے گا، جنہیں (بیت اللہ کی طرف بھیجنے کے لیے) ہار پہنائے گئے ہوں اور انہیں قبول کر لیا گیا ہو۔ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھا کریں، (راوی) ابن خلف کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے اس کا اجر یہ بیان فرمایا کہ اس سے زمین و آسمان کا خلا بھر جائے گا اور روز قیامت آپ جتنے اعمال کوئی نہیں لے کر آئے گا، علاوہ اس شخص کے جس نے آپ کی طرح یہ کلمات پڑھے ہوں۔“

(مسند الإمام أحمد: 344/6، السّنن الكبرىٰ للنّسائي: 10613)

جواب: سند ضعیف ہے۔ ابو صالح باذام ضعیف و متروک ہے۔ اس روایت کی دیگر سندیں بھی ضعیف ہیں۔

سوال: میاں بیوی کا ایک دوسرے کے متعلق دعا کرنا کیسا ہے؟

جواب: میاں بیوی کا رشتہ سب سے قریبی ہوتا ہے، اگر یہ رشتہ محبت والفت،

احساس، درگزر اور احترام پر قائم ہو، تو یہ انسان کی زندگی کو جنت بنا دیتا ہے۔

ہمارے لیے نبی کریم ﷺ کی زندگی بہترین نمونا ہے۔ آپ ﷺ عبادات کی طرح آپ ﷺ کی خاندانی اور عائلی زندگی بھی ہمارے لیے مشعل راہ ہے۔

نبی کریم ﷺ جب بھی خوش وخرم ہوتے، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دعا کی درخواست کرتیں، آپ ﷺ سیدہ کے حق میں دعا فرماتے، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مارے خوشی کے لوٹ پوٹ ہوتیں اور سر گود میں رکھ لیتیں۔ میاں بیوی کے درمیان محبت اور اُلفت کی یہ اعلیٰ مثال ہے، جو ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

لَمَّا رَأَيْتُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طِيبَ نَفْسٍ، قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، ادْعُ اللّٰهَ لِي، فَقَالَ : اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَائِشَةَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهَا وَمَا تَأَخَّرَ، مَا أَسَرَّتْ وَمَا أَعْلَنَتْ، فَضَحِكَتْ عَائِشَةُ حَتّٰى سَقَطَ رَأْسُهَا فِي حِجْرِهَا مِنَ الضَّحِكِ، قَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : أَيَسُرُّكِ دُعَائِي؟، فَقَالَتْ : وَمَا لِي لَا يَسُرُّنِي دُعَاؤُكَ فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَاللّٰهِ إِنَّهَا لَدُعَائِي لِأُمَّتِي فِي كُلِّ صَلَاةٍ .

”جب میں نبی کریم ﷺ کو خوش طبعی کے حالت میں دیکھتی، تو عرض کرتی: اللہ کے رسول! میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرما دیجیے، تو آپ ﷺ بایں الفاظ دعا فرماتے: اللہ! عائشہ کے گزشتہ، آئندہ، پوشیدہ اور اعلانیہ سبھی گناہوں

کو معاف فرما دے۔ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا مسکراتی، اتنی کہ ہنس ہنس کر اپنا سر گود میں رکھ دیتیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھتے: کیا آپ میری دعا کی وجہ سے خوش ہو رہی ہیں؟ تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عرض کرتیں: (جی ہاں) بھلا میں آپ کی دعا دینے پر خوش کیوں نہ ہوں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کی قسم! یہی دعا میں ہر نماز میں اپنی اُمت کے لیے بھی مانگتا ہوں۔''

(صحیح ابن حبان: 7111، وسندہٗ حسنٌ)

سوال: کیا جنت کی کسی حور کا نام ''لائبہ'' ثابت ہے؟

جواب: جنت کی کسی حور کا نام ''لائبہ'' کتبِ حدیث میں مذکور نہیں۔ البتہ ایک باطل روایت میں ''لُعبہ'' مذکور ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو؛

❁ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

إِنَّ فِي الْجَنَّةِ حَوْرَاءَ يُقَالُ لَهَا: اللُّعْبَةُ، كُلُّ حُورِ الْجِنَانِ يُعْجَبْنَ بِهَا يَضْرِبْنَ بِأَيْدِيهِنَّ عَلَى كَتِفِهَا وَيَقُلْنَ طُوبٰى لَكِ يَا لُعْبَةُ لَوْ يَعْلَمُ الطَّالِبُونَ لَكِ لَجَدُّوا، بَيْنَ عَيْنَيْهَا مَكْتُوبٌ: «مَنْ كَانَ يَبْتَغِي أَنْ يَكُونَ لَهُ مِثْلِي فَلْيَعْمَلْ بِرِضَاءِ رَبِّي عَزَّ وَجَلَّ».

''جنت میں ایک حور ہے، جسے ''لعبہ'' کہتے ہیں۔ جنت کی تمام حوریں اس حور پر رشک کرتی ہیں اور اس کی ران پر ہاتھ مار کر کہتی ہیں: لعبہ! تمھاری کیا بات ہے! اگر تمھیں چاہنے والے (تمھارے بارے میں) جان لیں، تو وہ (تمھیں حاصل کرنے کے لیے) بڑی محنت اور مشقت کریں گے۔ اس حور کے ماتھے پر یہ لکھا ہوا ہے: ''جو شخص چاہتا ہے کہ اسے میری جیسی حور نصیب ہو، تو اسے

چاہیے کہ میرے رب عزوجل کی رضا کے مطابق عمل کرے۔‘‘

(صِفة الجَنّة لابن أبي الدّنيا : 298)

روایت باطل ہے۔

① علاء بن عبید اللہ کے حالات زندگی نہیں ملے۔

② موسیٰ بن حصین مجہول ہے۔

③ حسان بن عطیہ کا سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ٦٨٦)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کھڑے ہو کر پیشاب کرنا کیسا ہے؟

جواب: کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے۔ صحیح احادیث اور آثار صحابہ و تابعین سے ثابت ہے۔ اس کی ممانعت پر کوئی معتبر دلیل نہیں۔

❀ علامہ انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں:

أَقُولُ : إِنَّ فِي الْبَوْلِ قَائِمًا رُخْصَةً، وَيَنْبَغِي الْآنَ الْمَنْعُ عَنْهُ لِأَنَّهُ عَمَلُ غَيْرِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ، لِأَنَّ الْفُتْيَا يَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الْأَزْمِنَةِ وَالْحَالَاتِ .

”میں کہتا ہوں کہ بلاشبہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی رخصت ہے، مگر اب اس سے باز رہنا چاہیے، اس لیے کہ یہ غیر مسلموں کا عمل بن گیا ہے اور فتویٰ زمانوں اور حالات کے بدلنے سے تبدیل ہو جاتا ہے۔“

(العَرف الشّذي : 57/1)

❀ علامہ محمد عبدالرحمٰن مبارک پوری رحمہ اللہ (١٣٥٣ھ) فرماتے ہیں:

قُلْتُ : بَعْدَ التَّسْلِيمِ أَنَّ الْبَوْلَ قَائِمًا رُخْصَةٌ لَا وَجْهَ لِلْمَنْعِ عَنْهُ فِي هٰذَا الزَّمَانِ وَأَمَّا عَمَلُ غَيْرِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ عَلَيْهِ فَلَيْسَ مُوجِبًا لِّلْمَنْعِ.

''میں کہتا ہوں: یہ تسلیم کر لینے کے بعد کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا جائز ہے، پھر اسے اس زمانہ میں ممنوع کہنے کی کوئی وجہ نہیں، رہا غیر مسلموں کا اس پر عمل کرنا، تو اس سے کوئی (جائز) عمل منع نہیں ہوتا۔''

(تُحفة الأحوذي :60/1)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

اَلَّذِي عَلَيْهِ أَئِمَّةُ الْإِسْلَامِ أَنَّ مَا كَانَ مَشْرُوعًا لَمْ يُتْرَكْ لِمُجَرَّدِ فِعْلِ أَهْلِ الْبِدَعِ، لَا الرَّافِضَةِ وَلَا غَيْرِهِمْ.

''ائمہ مسلمین کا عقیدہ ہے کہ جو عمل مشروع ہو، اسے صرف اس وجہ سے ترک نہیں کیا جائے گا، کہ اس پر روافض یا دیگر اہل بدعت عمل پیرا ہیں۔''

(مِنهاج السّنة النّبوية : 149/4)

سوال: امام بخاری رحمہ اللہ نے عمران بن حطان سدوسی خارجی سے صحیح میں روایت کیوں لی ہے؟

جواب: عمران بن حطان سدوسی بصری کی توثیق ہوئی ہے، یہ خارجی تھا۔ ائمہ محدثین بدعتی راویوں سے روایت لے لیتے تھے، بشرطیکہ وہ سچا ہو اور اس کا حفظ مضبوط ہو۔ عمران بن حطان کی صحیح بخاری میں صرف دو روایات ہیں، ایک متابعت میں آئی ہے۔ (۵۸۳۵) اور دوسری روایت (۵۹۵۲) اصالۃ آئی ہے۔ اس حدیث کا تعلق احکام

سے ہے، فکر خوارج کا اس حدیث سے دور دور تک تعلق نہیں۔ لہٰذا ایسی روایت کو قبول کرنے میں کوئی حرج نہیں، جب نقل کرنے والا بدعتی حافظ اور سچا ہو۔ اس جیسا بدعتی راوی روایت حدیث میں معتبر ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّمَا أَخْرَجَ لَهُ الْبُخَارِيُّ عَلٰى قَاعِدَتِهٖ فِي تَخْرِيجِ أَحَادِيثِ الْمُبْتَدِعِ إِذَا كَانَ صَادِقَ اللَّهْجَةِ مُتَدَيِّنًا .

''امام بخاری رحمہ اللہ نے عمران بن حطان سے روایت اپنے معروف قاعدہ کے تحت لی ہے کہ آپ رحمہ اللہ اس بدعتی کی روایت لے لیتے ہیں، جو سچا اور عادل ہو۔''

(فتح الباري : 290/10)

امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ کا شمار ماہرین علل حدیث اور نقاد میں ہوتا ہے۔ آپ دونوں نے احادیث کی تنقیح کی ہے، بدعتی راویوں کی وہ روایات ذکر کی ہیں، جن کے صحیح ہونے پر قرائن وشواہد موجود تھے اور ان بدعتیوں کی بدعت ان روایات میں اثر انداز نہیں ہوئی۔ جس طرح ایک ناقد امام پہچان جاتا ہے کہ فلاں ثقہ راوی نے یہاں غلطی کی ہے اور فلاں ضعیف راوی نے یہ حدیث صحیح اور درست بیان کی ہے، اسی طرح ناقد امام کو بدعتیوں راویوں کی روایات کا بھی علم ہو جاتا ہے۔

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

يَا أُمَّةَ مُحَمَّدٍ، وَالَّذِي بَعَثَنِي بِالْحَقِّ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَدَقَةً مِّنْ رَجُلٍ وَلَهٗ قَرَابَةٌ مُحْتَاجُونَ إِلٰى صَدَقَتِهٖ، وَيَصْرُفُهَا

إِلٰى غَيْرِهِمْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

”اے امت محمد! اس ذات کی قسم، جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ایسے شخص کا صدقہ قبول نہیں کرے گا، جس کے قرابت دار صدقہ کے محتاج ہوں اور وہ دوسرے لوگوں پر خرچ کرتا پھرے، اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اللہ قیامت کے دن اس کی طرف دیکھے گا بھی نہیں۔“

(المُعجم الأوسط للطّبراني : 8828)

جواب: سند باطل ہے؛

① مقدام بن داود ابوعمرو رعینی مصری ضعیف ہے، خصوصاً جب یہ خالد بن نزار سے روایت کرے۔ مذکورہ روایت بھی خالد بن نزار سے ہی ہے۔

② عبداللہ بن عامر اسلمی ضعیف ہے۔

③ خالد بن نزار کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُغْرِبُ وَيُخْطِئُ .

”منکر روایات لاتا ہے اور غلطیاں کرتا ہے۔“

(الثّقات : 223/8)

④ زہری کا عنعنہ ہے۔

سوال: کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تھی؟

جواب: انبیائے کرام علیہم السلام کو خصوصیت حاصل ہے کہ ان کا متروکہ مال وراثت نہیں بنتا، بلکہ مسلمانوں میں صدقہ ہو جاتا ہے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے اپنی بیویوں اور اولادوں کو زر و زمین کا وارث نہیں بنایا۔ احادیث صحیحہ اور اجماعِ اُمت اس پر دلیل ہیں۔

❁ حافظ ابو محمد، ابن بزیزہ مالکی رحمہ اللہ (٦٦٢ھ) فرماتے ہیں:

’’تمام اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی وراثت نہیں ہے، اور آپ ﷺ کا متروکہ مال سارے کا سارا صدقہ ہے۔ بعض امامیہ اور روافض نے اس سلسلہ میں شاذ مؤقف اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا مال وراثت بنایا جاتا ہے، جنہوں نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو میراث نہیں دی، وہ ظالم ہیں۔

یہ نظریہ باطل پر سینہ زوری، خالص نفس پرستی اور حق سے عدول ہے۔ صحابہ کا اس کے خلاف اجماع ہے۔ (یعنی عدم میراث رسول پر اجماع ہے۔)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس میراث طلب کرنا ثابت ہے، جیسا کہ بخاری (٣٠٩٢) و مسلم (١٧٥٩) میں ہے۔ لیکن بعض امامیہ نے اس روایت میں کچھ من گھڑت اضافے کئے ہیں، جن سے حدیث کے معنی اور مقصد میں تحریف ہوتی ہے۔ بغداد میں امامیہ نے کسی اہل سنت عالم کے ساتھ خلیفہ کی مجلس میں مناظرہ کیا، تو امامیہ کے جمہور علماء نے کہا کہ روایت «لَا يُورَثُ مَا تَرَكْنَا صَدَقَة» میں ’’ما‘‘ کا لفظ ’’یورث‘‘ کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہے۔ اور ’’صدقۃ‘‘ حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔ اس روایت کے مطابق حدیث کا معنی یہ ہوگا کہ انبیا جس چیز کو بطور صدقہ چھوڑ دیں، وہ میراث نہیں بنتا اور جسے بطور صدقہ نہ چھوڑیں، وہ وراثت بن جاتا ہے۔ جبکہ جمہور کہتے ہیں کہ یہ کلام دو جملوں پر مشتمل ہے؛ ’’ما‘‘ مبتدا ہونے کی وجہ سے مقام رفع میں ہے، جبکہ ’’صدقۃ‘‘ خبر ہے۔ اس کا معنی ہے کہ جو ہم چھوڑیں، وہ سب صدقہ ہے۔

یہ جملہ ابتدائیہ ہے اور اس کا حکم یہیں سے جاری ہو رہا ہے۔

لیکن امامیہ کی ذکر کردہ روایت باطل ہے، کیونکہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے سامنے اس وقت پیش کیا تھا، جب وہ ان سے میراث لینے آئی تھیں، اگر یہ حدیث میراث کی ممانعت پر نہ ہوتی، تو سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس سے دلیل ہی اخذ نہ کرتے اور نہ ہی وہاں موجود صحابہ اسے تسلیم کرتے۔ سو اس روایت میں ''ما'' کا مرفوع ہونا ہی درست ہے، نہ کہ منصوب ہونا، بلکہ اسی حدیث کے بعض الفاظ میں ہے کہ ''ہم انبیا کی جماعت ہیں، ہماری وراثت نہیں ہوتی۔'' اسی طرح سنن ابی داود کے الفاظ ہیں: ''نبی کا سارا مال صدقہ ہوتا ہے، سوائے اس کے جو نبی کے اہل خانہ کے کھانے پہنانے میں صرف ہو، نبی کی وراثت نہیں ہوتی۔''

(مَطامِح الأفهام شرح كتاب الأحكام: 2/316-317)

سوال: ماں کی خدمت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب: ماں اور باپ کی خدمت فرض ہے۔ ان سے حسن سلوک کی تلقین کی گئی ہے۔ انہیں راضی کرنے سے رب راضی ہوتا ہے، انہیں ناراض کرنے پر رب ناراض ہو جاتا ہے۔ ماں باپ جب بڑھاپے میں پہنچ جائیں، تو خصوصی طور پر ان کی دیکھ بھال کرنے کا حکم ہے، ان کی تند و ترش گفتگو کو صبر سے برداشت کریں کہ اس میں بڑا اجر ہے۔

ماں باپ کے احسانات کا بدلہ کوئی نہیں دے سکتا، ذیل میں ایک مثال سے اس مسئلہ کو سمجھایا گیا ہے، ملاحظہ ہو؛

❀ ابو بردہ بن ابی موسیٰ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ شَهِدَ ابْنَ عُمَرَ وَرَجُلٌ يَمَانِيٌّ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ، حَمَلَ أُمَّهُ وَرَاءَ ظَهْرِهِ، يَقُولُ:

«إِنِّي لَهَا بَعِيرُهَا الْمُذَلَّلُ ...... إِنْ أُذْعِرَتْ رِكَابُهَا لَمْ أُذْعَرِ»

ثُمَّ قَالَ: يَا ابْنَ عُمَرَ أَتُرَانِي جَزَيْتُهَا؟ قَالَ: لَا، وَلَا بِزَفْرَةٍ وَاحِدَةٍ.

''میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس تھا، ایک یمنی شخص کعبۃ اللہ کا طواف کر رہا تھا، اس نے اپنی ماں کو اپنی پیٹھ پر اٹھا رکھا تھا اور شعر پڑھتا تھا:

«إِنِّي لَهَا بَعِيرُهَا الْمُذَلَّلُ ...... إِنْ أُذْعِرَتْ رِكَابُهَا لَمْ أُذْعَرِ»

''میں اس (ماں) کا فرمانبردار اونٹ ہوں، اس کی سواری کو ڈرا کر بھگایا جا سکتا ہے، مگر میں ڈر کر بھاگنے والا نہیں ہوں۔''

پھر اس آدمی نے عرض کیا: ابن عمر! کیا میں نے ماں کا حق ادا کر دیا ہے؟ فرمایا: بالکل بھی نہیں، بلکہ زچگی کے ایک سانس کا بھی نہیں۔''

(الأدب المفرد للبخاري: 11، البِرّ والصِّلة للحسين بن حرب: 37، مكارم الأخلاق لابن أبي الدنيا: 235، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا بشر (بشیر) بن عقربہ جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اُسْتُشْهِدَ أَبِي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ غَزَوَاتِهِ فَمَرَّ بِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَبْكِي، فَقَالَ لِي: اسْكُتْ! أَمَا تَرْضٰى أَنْ أَكُونَ أَبَاكَ وَعَائِشَةُ أُمَّكَ؟ قُلْتُ:

بَلٰى بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

’’میرے والد ایک غزوہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ شریک تھے، وہ اس غزوہ میں شہید ہو گئے، نبی کریم ﷺ میرے پاس سے گزرے، تو میں رو رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: چپ ہو جائیں، کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ میں آپ کا والد اور عائشہ آپ کی ماں ہوں۔ میں نے عرض کیا: کیوں نہیں، میرے ماں باپ آپ پر قربان!‘‘

(التّاريخ الكبير للبخاري : 78/2)

جواب: سند ضعیف ہے؛

① عبداللہ بن عوف القاری مجہول الحال ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ’’الثقات: ۴۲/۵‘‘ میں ذکر کیا ہے۔

② حجر بن حارث غسانی بھی مجہول الحال ہے۔ اسے بھی صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ’’الثقات: ۲۱۲/۸‘‘ میں ذکر کیا ہے۔

③ عبداللہ بن عثمان بن عطاء خراسانی میں کلام ہے۔

❀ اس کی ایک دوسری سند بھی ہے۔

(مُسند البزّار [كشف الأستار] : 1910)

سند ضعیف ہے۔

① ابو الاسعد کون ہے؟ معلوم نہیں۔

❀ حافظ ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِيهِ مَنْ لَّا يُعْرَفُ . ’’اس میں غیر معروف راوی ہے۔‘‘

(مَجمع الزَّوائد : 161/8)

② اس سند میں سقط بھی ہے۔

❀ اس کی ایک تیسری سند بھی ہے۔

(تاریخ دِمَشق لابن عَساکِر : 300/10)

یہ سند مجہول راویوں پر مشتمل ہے۔

لہٰذا مذکورہ روایت ضعیف وغیر ثابت ہے۔

سوال: بعض بریلوی حضرات روافض کی طرح غلو آمیز گفتگو کرتے ہیں، انہیں کیا نصیحت کریں گے؟

جواب: غلو ایک متعدی بیماری ہے، جو ایک دفعہ لاحق ہو جائے، تو پھر اسے بڑھنے سے کوئی نہیں روک پاتا اور حق سے دور کرنے میں غلو کا جتنا بڑا کردار ہے، شاید ہی کسی اور بیماری کا ایسا کردار رہا ہو۔

غلو بھلے کسی بھی قسم کا ہو، ہر حال میں قبیح ہے۔ ہمیشہ سے شرک غلو کے رستے سے آیا، غلو نے ہی تعصب مذہبی اور منافرت کے ماحول کو جنم دیا۔ حالانکہ دین بہت سادہ تھا، اس میں خوبیاں تھیں، نرمی تھی اور ہر انسان کو سمجھ میں آنے والا تھا، لیکن پھر مختلف گروہی تعصّبات اور اپنے بتوں کے غلو نے آج صورت حال یہ کر دی ہے کہ عام آدمی کو پریشان کر دیا ہے، وہ سمجھ نہیں پاتا کہ کس کی بات لی جائے کس کی بات کو چھوڑ دیا جائے، اس کا سادہ سا حل تو آج بھی موجود ہے کہ تمام گروہوں کو چھوڑ کو ائمہ سنت کے اجماعی دین کو لے لیا جائے اور وہ اجماعی دین ائمہ سنت اپنی کتابوں میں پوری تفصیل کے ساتھ لکھ گئے ہیں۔ اصول السنہ کے نام سے ہمارے ائمہ نے اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ونظریہ واضح کر دیا ہے۔ جسے کوئی بھی

شخص پڑھ کر اس پر اپنے ایمان وعقیدہ کی بنیاد رکھ سکتا ہے، امام احمد کی اصول السنہ، ابن ابی عاصم، لالکائی کی، ابوزرعہ وابوحاتم کی یا امام حمیدی واصبہانی رحمہم اللہ وغیرہ کی اصول السنہ ہو۔ ان ائمہ نے عقیدہ اہل سنت اور امت کے اجماعی مسائل شرح وبسط کے ساتھ ذکر کر دیے ہیں، جو ان کو حرز جان بنالے گا، فلاح پا جائے گا، باقی سب تکلفات ہیں، پریشانیاں ہیں، سنت سے دوری اور عقیدہ وعمل کی خرابی ہے۔

ہمارے بریلوی بھائیوں کے ساتھ غلو کا مسئلہ بہت زیادہ ہے۔ جس نے انہیں بہت سے معاملات میں اصول السنہ سے بہت دور لے جا کر کھڑا کر دیا ہے۔ ویسے تو اور بھی بہت سے معاملات میں ان حضرات میں غلو پایا جاتا ہے، لیکن اس وقت ہمارا روئے سخن اہل بیت کے حوالے سے پائے جانے والے غلو کی طرف ہے۔

اس وقت غلو کی وجہ سے بہت سے بریلوی حضرات بالکل روافض کی صف میں کھڑے ہوتے نظر آتے ہیں، اس کی دیگر وجوہات کے ساتھ ساتھ خانقاہی نظام بھی رافضیت کے لیے سہولت کاری کی انتہا پر ہے، کیونکہ خانقاہوں کے گدی نشین عموما تقیہ باز روافض ہوتے ہیں جو سنی بن کر سنیوں میں گھس جاتے ہیں، پھر سنیوں کے عقائد خراب کرنا شروع کر دیتے ہیں، یہی معاملہ ہمارے معاشروں میں عام ہو رہا ہے۔

بریلوی حضرات میں اس غلو کی ایک مثال پچھلے دنوں میں ہمارے سامنے آئی، جب بریلویوں میں سے ایک صاحب نے کہہ دیا کہ مطالبہ فدک کے حوالے سے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اجتہادی خطا پر تھیں، گو ہمیں اس تعبیر سے اتفاق نہیں، کیونکہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تو لاعلمی کی وجہ سے گئی تھیں اور علم ہونے پر واپس لوٹ آئی تھیں، انہوں نے اختلاف کیا ہی نہیں تھا، اس کے بعد تاریخ کی کشیدہ کاریاں ہیں، جن کا حقیقت سے دور تک

کوئی تعلق نہیں۔ جن روایات میں سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے غضب وہجران کا ذکر ہے، وہ محدثین کی تحقیق میں سرے سے ثابت ہی نہیں ہیں۔

البتہ اگر کوئی اس معاملے کو اجتہادی خطا سے تعبیر کر بھی دیتا ہے، تو اس کے کہنے کا مقصد تو یہی ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ سادہ سی بات ہے کہ اگر سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حدیث سنائی ہے، تو اس حدیث کے سننے کے بعد ممکن ہی نہیں کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے مطالبہ سے رجوع نہ کریں، یا تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جھوٹا سمجھا جائے نعوذ باللہ! جبکہ ایسا اگر کوئی خیال کرتا ہے، تو اس کے ایمان کا مسئلہ کھڑا ہو سکتا ہے اور ایک سنی اس طرح کی گھٹیا سوچ رکھ ہی نہیں سکتا۔

لیکن بریلوی حضرات میں چونکہ اس حوالے سے غلو پایا جاتا ہے، انہوں نے اسے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی گستاخی پر محمول کر لیا اور پھر جلالی صاحب بیچارے کو جیل کی ہوا کھانا پڑی، یعنی ایک ایسی بات جو اہل سنت کا ہی مقدمہ ہے، اسے بیان کر کے کوئی شخص جیل میں چلا جاتا ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ گو بریلوی حضرات میں اس کے خلاف آوازیں اٹھیں، لیکن ان آوازوں میں بھی ایک طرح کا غلو تھا۔ موضوع قسم کی روایات کو دلیل کی بنیاد بنایا جا رہا تھا، جو کہ اپنی طرح کا الگ سے غلو ہے۔

اسی طرح اہل بیت کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام کے لاحقہ لگانا، روافض کی اقتداء میں، ہمارے معاشرے میں یہ لاحقہ انبیا کے لئے خاص ہے، روافض تو اہل بیت کو معصوم عن الخطا مانتے ہیں، سو، وہ علیہ السلام کا لاحقہ لگائیں، بات سمجھ آتی ہے، مگر اہل سنت کیوں اس طرح کے لاحقے لگائیں، اس پر پھر بہانے بنائے جاتے ہیں کہ مراد سلامتی کی دعا ہے، فلاں کتاب میں بھی لکھا ہے، جو بعض کتابوں میں لکھا ہے وہ تو نساخ کے کام ہیں، ائمہ سنت اسے لاحقے

نہیں لگاتے تھے، بلکہ ان کے ہاں رضی اللہ عنہ استعمال ہوتا تھا تمام صحابہ کے لئے۔

یہ تو ایک چھوٹی چیز ہے، بڑی بڑی مثالیں ہیں غلو کی، جن کا پورا ربط رافضیت سے بنتا ہے، مگر بنام سنیت اپنائی جا چکی ہیں، بعض حضرات تو اہل بیت کے متعلق معصوم کا لفظ بھی استعمال کرتے نظر آتے ہیں، جو کہ سراسر رافضیت ہے۔ ''مولا علی مدد'' کی پکار کرنا کب اہل سنت کا عقیدہ رہا؟ ہمارے ائمہ کی کسی کتاب میں اس طرح کی کسی بات کا کوئی ذکر نہیں رہا، لیکن ہمارے ان بھائیوں کا ماٹو ہے۔

بعض حضرات خانقاہی نظام میں یہ بھی کہتے پائے گئے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ روحانی خلیفہ اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ دنیوی اور انتظامی خلیفہ ہیں، مقصد ان کا بھی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا انکار ہی ہے، لیکن ذرا دوسرے لفظوں میں، کیونکہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور اس امت کے سب سے زیادہ فضیلت والے شخص ہیں۔

اسی طرح کچھ لوگ روافض کی طرح سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی سیدنا ابوبکر پر فضیلت کی باتیں کرتے ہیں، جس کے متعلق ائمہ سنت نے واضح لکھا ہے کہ ایسے شخص کے تو شاید عمل ہی اللہ کے قبول نہ ہوں، پھر انہی خانقاہی نظاموں میں سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی ذات پر کیچڑ اچھالنے والے پیروں اور گدی نشینوں کی ایک بڑی فہرست ہے، کچھ حسینیت اور یزیدیت جیسے نعرے لگاتے نظر آتے ہیں، جن کا اہل سنت سے کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس پورے مبحث میں ان حضرات کی ایک بڑی تعداد سر پھٹول کرتی نظر آتی ہے، افضلیت ابوبکر پر مناظرے ہوتے ہیں اور ایک فریق جو خود کو بریلوی کہتا ہے، وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل ثابت کر رہا ہوتا ہے، دین میں ایسے گھس پیٹھیوں کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے، یا اس طرح کے رویوں کو کیا نام دیا جا سکتا ہے، ائمہ سنت کا طریقہ اس سے یکسر جدا ہے۔

اسی طرح ابوبکر پاک، فاطمہ پاک، علی پاک، ان مبارک ہستیوں کے متعلق یہ الفاظ بھی غیر درست ہیں، کیونکہ ائمہ سنت نے استعمال نہیں کیئے۔ان دوستوں نے اہل سنت اور رفض کے درمیان حائل دیوار کو ختم کر دیا ہے، جس کی وجہ سے روافض ان کے ایمان وعقیدہ میں گھس گئے ہیں۔

بعض بریلوی بھائی روافض کی تعریف کرتے ہیں، ان کی مجالس کو رونق بخشتے ہیں، ان کے قصیدے پڑھتے ہیں، باوجود اس کہ روافض کئی کفریات کا مظہر ہیں۔اس کا بنیادی وجہ شاید یہی ہے کہ بعض بریلویوں میں بھی روافض کی طرح اہل بیت کی شان میں غلو آ چکا ہے۔

بعض بریلوی خطباء کو سنا جائے تو وہ واقعہ کربلا اس طرح بیان کرتے ہیں کہ روافض بھی شرما جائیں، ایسی بے سروپا باتیں، اس طرح کے جھوٹے اور من گھڑت قصے جن کا نا تو سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سے تعلق ہے اور نا ہی ان کی شہادت سے، سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بے شک حق ہے، مگر اس کو لے کر قصہ سازی کا عمل سراسر رافضیت ہے۔

لہٰذا ہماری اپنے ان بھائیوں کے لئے یہی نصیحت ہے کہ ازراہ کرم ایک دفعہ پیچھے مڑ کر دیکھیں، وہ اپنی اس غلو پسندی میں کیا کیا گنوا چکے ہیں یا گنوا رہے ہیں۔دنیا میں جتنے بھی بدعتی ہیں، ان کا مسلک غلو پر کھڑا ہے، وہ اگر غلو ترک کر دیں تو ان کا مسلک دھڑام سے زمین پر گر جائے گا۔

صرف اہل سنت نام رکھ لینا کافی نہیں ہوتا، بلکہ اہل سنت کے رستے پر چلنا لازم ہے۔اہل سنت کا رستہ دیکھنے کے لیے آپ اصول السنہ پر لکھی گئی ائمہ کی کتابوں کا مطالعہ کر لیں، محدثین کے اصولوں پر کھلے دل سے ایک دفعہ نظر کر لیں، اللہ ہمارے رستے ایک کر دے گا۔ان شاءاللہ!

سوال: امام حکم بن معبد خزاعی رحمہ اللہ کا عقیدہ کیا ہے؟

جواب: امام حکم بن معبد خزاعی رحمہ اللہ (۲۹۵ھ) اہل سنت کے ائمہ میں سے ہیں، آپ رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ پر تھے، آپ رحمہ اللہ نے اپنا عقیدہ ایک قصیدہ میں بیان کیا ہے؛

❀ امام ابوالشیخ ابن حیان رحمہ اللہ (۳۶۹ھ) بیان کرتے ہیں کہ امام ابوعبداللہ حکم بن معبد خزاعی رحمہ اللہ نے ہمارے لیے ایک قصیدہ کہا:

مَنَحْتُكُمْ يَا أَهْلَ وُدِّي نَصِيحَتِي

وَإِنِّي بِهَا فِي الْعَالَمِينَ لَمُشْتَهِرٌ

وَأَظْهَرْتُ قَوْلَ الْحَقِّ وَالسُّنَّةِ الَّتِي

عَنِ الْمُصْطَفَى قَدْ صَحَّ عِنْدِي بِهَا الْخَبَرُ

أَلَا إِنَّ خَيْرَ النَّاسِ بَعْدَ مُحَمَّدٍ

عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْعَشِيِّ وَبِالْبِكْرِ

أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ لِلّٰهِ دُرَّهٗ

عَلٰى رُغْمِ مَنْ عَادٰى وَمِنْ بَعْدِهٖ عُمَرُ

وَبَعْدَهُمَا عُثْمَانُ تَمَّتَ بَعْدَهٗ

أَبُو الْحَسَنِ الْمَرْضِيُّ مِنْ أَفْضَلِ الْبَشَرِ

أُولٰئِكَ أَعْلَامُ الْهُدٰى وَرُءُ وسُهٗ

وَأَفْضَلُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يَمْشِي عَلَى الْعُفْرِ

وَحُبُّهُمْ فَرْضٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ
وَحُبُّهُمْ فَخْرُ الْفَخُورِ إِذَا افْتَخَرَ
وَحُبُّ الْأُولٰى قَدْ هَاجَرُوا ثُمَّ جَاهَدُوا
فَفَرْضٌ وَمَنْ آوَى النَّبِيَّ وَمَنْ نَصَرَ
وَأَشْهَدُ أَنَّ اللّٰهَ لَا رَبَّ غَيْرُهُ
لَهُ الْفَضْلُ وَالنِّعْمَاءُ وَالْحَمْدُ وَالشُّكْرُ
سَيَبْدُو لَنَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَارِزًا
فَنُبْصِرُهُ جَهْرًا كَمَا نُبْصِرُ الْقَمَرَ
وَإِنَّ كَلامَ اللّٰهِ لَيْسَ بِمُحْدَثٍ
وَمَنْ قَالَ: مَخْلُوقٌ فَبِاللّٰهِ قَدْ كَفَرَ
أَدِينُ بِقَوْلِ الْهَاشِمِيِّ مُحَمَّدٍ
وَمَا بِمَقَالِ الْجَهْمِ دِنْتُ وَلَا الْقَدَرِ
وَلا الرَّفْضِ وَالْإِرْجَاءِ دِينِي وَإِنَّنِي
لَبَانٍ عَلَى التَّنْزِيلِ ثُمَّ عَلَى الْأَثَرِ
فَدِينِي دِينٌ قَيِّمٌ قَدْ عَرَفْتُهُ
أَبُوحُ بِهِ إِنْ مُلْحِدٌ دِينَهُ سَتَرَ
بِهٰذَا أَرْجُو مِنْ إِلَهِي عَفْوَهُ

وَأَرْجُو بِهٰذَا الْفَوْزَ يَا رَبِّ مِنْ سَقَرَ

أَجِرْنِي يَا رَحْمَنُ إِنَّكَ سَيِّدِي

وَجَارُكَ فِي أَمْنٍ وَفِي أَعْظَمِ الْخَيْرِ

''اے مجھ سے محبت کرنے والو! میں آپ کو نصیحت کرنے جا رہا ہوں، جو کہ پورے عالم میں مشہور ہو۔

میں قول حق اور رسول اللہ ﷺ سے منقول و ماثور طریقہ واضح کر رہا ہوں، جس کی سند میرے نزدیک صحیح ہے۔

خبردار! محمد ﷺ کے بعد دن اور رات میں سب سے افضل شخصیت؛

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، بھلے ان کے دشمنوں کے ناک خاک آلود ہوں، آپ رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہیں۔

ان کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں، پھر سیدنا ابوالحسن علی رضی اللہ عنہ کا نمبر ہے، جو پسندیدہ ہیں اور (اصحاب ثلاثہ کے بعد) افضل البشر ہیں۔

یہ حضرات ہدایت کے ستارے اور سرخیل ہیں اور (انبیاء و رسل کے بعد) زمین کی پشت پر چلنے والی تمام مخلوقات میں افضل ہیں۔

ان کی محبت ہر مسلمان پر فرض ہے اور جب کوئی فخر کرنا چاہے، تو ان کی محبت سب سے بڑا فخر ہے۔

ان کی محبت فرض ہے، جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اور جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی نصرت کی اور آپ ﷺ کو ٹھکانہ فراہم کیا۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی رب نہیں، اس کے لیے تمام تر فضل،

نعمتیں، حمد اور شکر ہے۔

ہمارا رب قیامت میں عنقریب ہمارے سامنے ظاہر ہوگا، ہم اسے بالکل اسی طرح سامنے دیکھیں گے، جیسے چاند کو دیکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا کلام مخلوق نہیں ہے (بلکہ اللہ کی حقیقی صفت ہے)۔ جو اسے مخلوق کہتا ہے، وہ اللہ کے ساتھ کفر کرتا ہے۔

میں محمد رسول اللہ ﷺ ہاشمی کی حدیث کو دین بناتا ہوں، میں جہم کے قول کو دین نہیں بناتا، نہ ہی تقدیر کا انکار کرتا ہوں۔

رافضیت اور ناصبیت میرا دین نہیں، بلکہ میرا دین وحی الٰہی اور آثار پر قائم ہے۔

میرا دین تو دین قیم ہے، جسے میں پوری طرح جانتا ہوں، جبکہ ملحد کے دین میں جھول ہے۔

میں اس دین کے ساتھ اپنے معبود سے معافی کا طلب گار ہوں اور اسی سے فلاح کی امید رکھتا ہوں۔

اے رحمٰن! مجھے اجر دے، تو میرا مالک ہے، تیرے قرب والا امن میں ہے اور سب سے بڑے سرور میں ہے۔''

(طَبَقات المُحدثین بأصفهان : 53/4)

سوال: کیا جنت اور جہنم کی تخلیق ہو چکی ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ جنت اور جہنم مخلوق ہیں اور انہیں پیدا کر دیا گیا ہے۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ جنت و جہنم کی ابھی تخلیق نہیں ہوئی، انہیں روز قیامت پیدا کیا جائے گا۔ یہ نظریہ کتاب وسنت کے متواتر دلائل کے خلاف ہے، نیز نصوص کا ظاہر اور

اُمت کا فہم اس نظریہ کی تردید کرتا ہے۔

❁ علامہ ابن ہمام حنفی رحمہ اللہ (٨٦١ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ بَعْضُ الْمُعْتَزِلَةِ : إِنَّمَا يُخْلَقَانِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لِأَنَّ خَلْقَهُمَا قَبْلَ يَوْمِ الْجَزَاءِ لَا فَائِدَةَ فِيهِ، وَلِأَنَّهُمَا لَوْ خُلِقَتَا لَهَلَكَتَا، لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ﴾ (القَصَص : ٨٨) وَالْجَوَابُ : تَخْصِيصُهُمَا مِنْ آيَةِ الْهَلَاكِ جَمْعًا بَيْنَ الْأَدِلَّةِ، كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى فِي الْجَنَّةِ : ﴿أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (آل عمران : ١٣٣)، وَفِي النَّارِ : ﴿أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ (البقرة : ٢٤)، فِي آيٍ كَثِيرَةٍ ظَاهِرَةٍ فِي وُجُودِهِمَا الْآنَ، كَقِصَّةِ آدَمَ وَحَوَّاءَ، وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى لَهٗ : ﴿اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾ (البقرة : ٣٥)، إِلٰى أَنْ قَالَ : ﴿وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ﴾(طٰهٰ : ١٢١) وَحَمْلُ مِثْلِهٖ عَلٰى بُسْتَانٍ مِنَ بَسَاتِينِ الدُّنْيَا يُشْبِهُ التَّلَاعُبَ، أَوِ الْعِنَادَ إِذِ الْمُبَادَرَةُ الْمَفْهُومُ مِنْ لَفْظِ الْجَنَّةِ بِاللَّامِ فِي إِطْلَاقِ الشَّارِعِ لَيْسَ إِلَّا الْمَوْعُودَةُ بِالسُّنَّةِ، وَكَثْرَةٍ مِنَ الظَّوَاهِرِ لَا تُكَادُ تُحْصٰى لِلْمُسْتَقْرِئِ، تُفِيدُ ذٰلِكَ وَتُسَيِّرُهَا قَطْعِيَّةً، وَالْإِجْمَاعُ مِنَ الصَّحَابَةِ عَلٰى فَهْمِ ذٰلِكَ وَطَرِيقُهُ التَّتَبُّعُ، وَقَالَ تَعَالٰى : ﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا﴾ (البقرة : ٣٨) اَمْرٌ بِالنُّزُولِ إِلَى

الدُّنْيَا، وَلَوْ كَانَتْ فِيهَا لَمْ يَقُلْ إِلَّا : اُخْرُجُوا؛ وَقَوْلُهُ تَعَالٰى : ﴿اُخْرُجْ مِنْهَا﴾ (الأعراف : ١٨) لَا يَسْتَلْزِمُ نَفْيَهُ، لِأَنَّهُ يُجَامِعُ الْهُبُوطَ، وَنَفْيُ الْفَائِدَةِ مَمْنُوعٌ، إِذْ هِيَ دَارُ نَعِيمٍ أَسْكَنَهَا مَنْ يُوَحِّدُهُ وَيُسَبِّحُهُ، بِلَا فَتْرَةٍ مِنَ الْحُورِ وَالْوِلْدَانِ وَالطَّيْرِ .

''بعض معتزلہ نے جنت اور جہنم کے متعلق کہا ہے کہ انہیں قیامت کے دن تخلیق کیا جائے گا، کیونکہ یوم جزا سے قبل تخلیق کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور اگر وہ تخلیق کر بھی لی جائیں، تو بھی ہلاک ہو جائیں گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾(القصص :٨٨)''ہر چیز ہلاک ہو جائے گی، سوائے اس کے چہرے کے۔''

تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہلاکت والی آیت سے جنت اور جہنم کا استثناء ہو جائے گا، کیونکہ دلائل کے درمیان تطبیق اسی طرح ممکن ہے۔ چنانچہ فرمان الٰہی ہے: ﴿أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾(آل عمران : ١٣٣) ''جنت متقی لوگوں کے لئے تیار کی گئی ہے۔''اسی طرح جہنم کے بارے میں ارشاد ربانی ہے : ﴿أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾(البقرة : ٢٤)''وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔'' جنت اور جہنم کے اس وقت موجود ہونے پر بہت سی آیات دلالت کرتی ہیں، جیسے آدم علیہ السلام اور حواء رضی اللہ عنہا کے قصہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ﴿اُسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ﴾(البقرة : ٣٥)''تم اور تمہاری بیوی جنت میں سکونت اختیار کرو۔'' اور پھر فرمایا: ﴿وَطَفِقَا يَخْصِفَانِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ

الْجَنَّةِ﴾(طٰهٰ : ۱۲۱)''وہ جنت کے پتوں سے ڈھانپنے لگے۔'' ان جیسی آیات کو دنیا کے کسی باغیچے پر محمول کرنا تو فقط آیات کے ساتھ کھلواڑ اور عناد ہے، کیونکہ الف لام کے ساتھ جب لفظ جنت بولا جاتا ہے، تو اس کا مفہوم متبادر وہی ہوتا ہے، جو شارع نے لیا ہے اور احادیث میں اس کا وعدہ ہوا ہے، اسی طرح کئی نصوص کا ظاہر اس پر مشتمل ہے، جنہیں گننے سے قاری کا فائدہ بھی ہے اور وہ اسے قطعی حقیقت بنا دیتی ہیں۔ پھر اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع اور تتبع بھی دلالت کناں ہیں۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَمِيعًا﴾(البقرة : ۳۸)''ہم نے کہا، تم دونوں اس سے نیچے چلے جاؤ۔'' تو یہ حکم دنیا میں نزول کا ہے۔ اگر جنت اور جہنم دنیا ہی میں ہوتیں، تو کہا جاتا کہ تم اس سے نکل جاؤ۔ جس فرمان باری تعالیٰ میں: ﴿اُخْرُجْ مِنْهَا﴾(الأعراف : ۱۸)''اس سے نکل جا۔'' کے الفاظ ہیں، اس سے آسمان میں ہونے کی نفی نہیں ہوتی، کیونکہ لفظ خروج میں جنت سے نکال کر نیچے بھیجنے کا معنی بھی پایا جاتا ہے، اور یہ کہنا کہ جنت اور جہنم کی موجودگی کا کوئی فائدہ نہیں ہے، تو یہ بات بالکل غلط ہے، کیونکہ جنت تو حور، بچوں اور پرندوں کے بغیر بھی نعمتوں کا گھر ہے، جس میں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو رکھے گا، جو اس کی تسبیح کرتے ہیں اور اس کی توحید کو مانتے ہیں۔''

(المُسَايَرة، ص 123-124)

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ٦٨٧)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: عقیدہ ختم نبوت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو خاتم النبیین بنایا ہے، آپ ﷺ اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول پیدا نہ ہوگا۔ یہ عقیدہ قرآن، احادیث متواترہ، آثار صحابہ اور اُمت کے اجماع سے ثابت ہے۔ ہر دور کے اہل علم نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

❀ علامہ ابن بزیزہ رحمہ اللہ (٦٦٢ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ انْعَقَدَ إِجْمَاعُ جَمِيعِ الْأُمَّةِ عَلَيْهِ .

''نبی کریم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے پر پوری امت کا اجماع ہے۔''

(مَطامح الأفهام: 702/1)

جو نبی کریم ﷺ کے بعد دعویٰ نبوت کرے یا مدعی نبوت کی تصدیق کرے، وہ کافر و مرتد ہے، اور جو شخص جانتے بوجھتے مدعی نبوت اور اس کی تصدیق کرنے والے کو کافر و مرتد نہ کہے، وہ بھی ان جیسا مرتد کافر ہے۔

سوال: نماز میں صف بندی کا کیا حکم ہے؟

جواب: باجماعت نماز میں صفیں درست کرنا ضروری ہے، فاصلہ ختم کرنا اور پاؤں سے پاؤں ملانا نبی کریم ﷺ، خلفائے راشدین اور صحابہ و تابعین کا طریقہ ہے۔ یہ

باجماعت نماز کا حسن ہے، اس کے بغیر صفیں منقطع اور متفرق ہو جاتی ہیں۔ شیطان داخل ہو جاتا ہے اور دل ٹیڑھے ہو جاتے ہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں منقول ہے۔

خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صف بندی کا اس قدر اہتمام کرتے کہ جب تک مقتدی صحیح طرح صف بندی نہ کر لیتے، نماز شروع نہ کرواتے تھے، خود بھی صف بندی کرواتے اور اس کے لیے مختلف لوگوں کی ڈیوٹی بھی لگا رکھی ہوتی تھی۔

❁ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

كَانَ إِذَا مَرَّ بَيْنَ الصَّفَّيْنِ، قَالَ اسْتَوُوا، حَتَّى إِذَا لَمْ يَرَ فِيهِنَّ خَلَلًا تَقَدَّمَ فَكَبَّرَ.

''آپ رضی اللہ عنہ جب دو صفوں کے درمیان سے گزرتے تو فرماتے: صفیں سیدھی کر لیں، جب آپ رضی اللہ عنہ دیکھتے کہ صفوں کے درمیان کوئی خلاء باقی نہیں رہ گیا تو آگے بڑھ کر اللہ اکبر کہتے۔''

(صحيح البخاري : 3700)

صف بندی کا حکم ہر باجماعت نماز کے لیے ہے، خواہ وہ فرض نماز ہو یا نفل وتراویح، حتی کہ نماز جنازہ میں بھی صف بندی کا حکم ہے۔

مگر ہمارے زمانہ میں عوام الناس صف بندی کا اس طرح اہتمام نہیں کرتے، جیسا کہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، نہ ائمہ مساجد اس قدر اہتمام کرواتے ہیں۔ یہ المیہ ہے اور شاید مسجد کے نمازیوں میں پھوٹ پڑنے کی بڑی وجہ بھی یہی ہے۔

❁ سیدنا ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُ مَنَاكِبَنَا فِي الصَّلَاةِ،

وَيَقُولُ : اسْتَوُوا وَلَا تَخْتَلِفُوا، فَتَخْتَلِفَ قُلُوبُكُمْ ...... قَالَ أَبُو مَسْعُودٍ : فَأَنْتُمُ الْيَوْمَ أَشَدُّ اخْتِلَافًا .

''رسول اللہ ﷺ نماز میں ہمارے کندھوں کو اپنے دست مبارک سے برابر کرتے اور فرماتے: سیدھے ہو جایئے، ٹیڑھے نہ ہوں، ورنہ دل ٹیڑھے ہو جائیں گے۔...... ابومسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آج آپ سخت اختلاف کا شکار ہو۔''

(صحیح مسلم : 432)

معلوم ہوا کہ صفیں ٹیڑھی ہوں، تو دل بھی ٹیڑھے ہو جاتے ہیں، مودّت ومحبت ختم ہو جاتی ہے، دشمنی اور عداوت در آتی ہے، دلوں کو بغض، حسد اور عناد جیسی مہلک بیماریاں گھیر لیتی ہیں، بھائی بھائی کا دشمن بن جاتا ہے، دوستی رنجشوں میں بدل جاتی ہے، دلوں میں ایسی پھوٹ پڑتی ہے کہ ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنا گوارا نہیں ہوتا۔ آج بھی اختلاف وانتشار کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ حدیث کو فیصل وحاکم مان کر اس پر عمل نہیں کیا جاتا۔ ائمہ مساجد اپنی ذمہ داری سے غافل ہیں، صفوں کی درستی پر توجہ نہیں دیتے۔ ایسوں کو اللہ تعالیٰ روز قیامت ضرور پوچھے گا۔ ائمہ کو اس وقت تک نماز شروع نہیں کرنی چاہیے، جب تک صفیں درست نہ ہو جائیں۔

سوال: رجب کے کونڈوں کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: روافض کے ہاں رجب کی کونڈوں کی ایک رسم ہے، جنہیں وہ سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کی وفات کی خوشی میں مناتے ہیں۔ جس کا اقرار روافض نے خود کیا ہے۔

❀ شیعہ عالم شیخ مفید (۴۱۳ھ) نے لکھا ہے:

فِي الْيَوْمِ الثَّانِي وَالْعِشْرِينَ مِنْهُ سَنَةَ سِتِّينَ (٦٠) مِنَ الْهِجْرَةِ

كَانَ هَلَاكُ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ وَسِنُّهُ يَوْمَئِذٍ ثَمَانٍ وَّ سَبْعُونَ سَنَةً وَهُوَ يَوْمُ مَسَرَّةٍ لِلْمُؤْمِنِينَ وَحُزْنٍ لِأَهْلِ الْكُفْرِ وَالطُّغْيَانِ .

”بائیس رجب سن ۶۰ ہجری کو معاویہ بن ابی سفیان کی وفات ہوئی، اس وقت ان کی عمر ۷۸ سال تھی، یہ دن مومنوں (مراد شیعہ ہیں) کے لئے مسرت اور خوشی کا دن ہے، اور اہل کفر وطغیان کے لئے غم کا دن ہے۔“

(مَسَارُّ الشِّيعة، ص 59)

سوال: **درج ذیل طویل روایت کی سند کیسی ہے؟**

❁ **سیدنا ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:**

مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْكَهْفِ، فَهُوَ مَعْصُومٌ ثَمَانِيَةَ أَيَّامٍ مِّنْ كُلِّ فِتْنَةٍ تَكُونُ فَإِنْ خَرَجَ الدَّجَّالُ فِي تِلْكَ الثَّمَانِيَةِ الْأَيَّامِ عَصَمَهُ اللّٰهُ مِنْ فِتْنَةِ الدَّجَّالِ، وَمَنْ قَرَأَ عِنْدَ مَضْجَعِهٖ : ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ﴾ (الكهف : ١١٠) إِلٰى آخِرِهَا كَانَ لَهٗ نُورٌ يَتَلَأْلَأُ إِلٰى مَكَّةَ، حَشْوُ ذٰلِكَ النُّورِ مَلَائِكَةٌ يُصَلُّونَ عَلَيْهِ حَتّٰى يَقُومَ مِنْ مَضْجَعِهٖ وَإِنْ كَانَ مَضْجَعُهٗ بِمَكَّةَ كَانَ لَهٗ نُورٌ يَتَلَأْلَأُ إِلَى الْبَيْتِ الْمَعْمُورِ، حَشْوُ ذٰلِكَ النُّورِ مَلَائِكَةٌ يُصَلُّونَ عَلَيْهِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ مَرْيَمَ، أُعْطِيَ عَشْرَ حَسَنَاتٍ بِعَدَدِ مَنْ كَذَّبَ زَكَرِيَّا وَصَدَّقَ بِهٖ وَيَحْيٰى وَمَرْيَمَ وَعِيسٰى وَإِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَمُوسٰى وَهَارُونَ وَإِسْمَاعِيلَ

وَإِدْرِيسَ، وَبِعَدَدِ مَنْ دَعَا لِلّٰهِ وَلَدًا لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَبِعَدَدِ مَنْ لَمْ يَدْعُ لِلّٰهِ وَلَدًا، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ طٰهٰ، أَعْطَاهُ اللّٰهُ ثَوَابَ الْمُهَاجِرِينَ، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْأَنْبِيَاءِ، حَاسَبَهُ اللّٰهُ حِسَابًا يَّسِيرًا، وَصَافَحَهٗ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ كُلُّ مَنْ ذُكِرَ اسْمُهٗ فِيهَا، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْحَجِّ، أُعْطِيَ مِنَ الْأَجْرِ بِعَدَدِ مَنْ حَجَّ وَاعْتَمَرَ فِيمَا مَضٰى وَفِيمَا بَقِيَ، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْمُؤْمِنِينَ، بَشَّرَتْهُ الْمَلَائِكَةُ بِرَوْحٍ وَرَيْحَانٍ وَمَا تُقَرُّ عَيْنُهٗ عِنْدَ نُزُولِ الْمَوْتِ، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ النُّورِ، كَانَ لَهٗ مِنَ الْأَجْرِ عَشْرُ حَسَنَاتٍ بِعَدَدِ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَمُؤْمِنَةٍ، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْفُرْقَانَ، بُعِثَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ مُوقِنٌ بِأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيْبَ فِيهَا، وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ الشُّعَرَاءِ، كَانَ لَهٗ مِنَ الْحَسَنَاتِ بِعَدَدِ مَنْ صَدَّقَ مُوسٰى وَكَذَّبَ بِهٖ، وَإِبْرَاهِيمَ، وَنُوحًا، وَّهُودًا، وَصَالِحًا، وَّلُوطًا، وَشُعَيْبًا، وَبِعَدَدِ مَنْ دَعَا لِلّٰهِ وَلَدًا وَمَنْ لَمْ يَدْعُ لِلّٰهِ وَلَدًا، وَبِعَدَدِ مَنْ صَدَّقَ عِيسٰى وَكَذَّبَ بِهٖ، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ طٰسٓ كَانَ لَهٗ مِنَ الْأَجْرِ عَشْرُ حَسَنَاتٍ بِعَدَدِ مَنْ كَذَّبَ مُوسٰى، وَسُلَيْمَانَ، وَصَدَّقَهٗ، وَصَالِحًا، وَلُوطًا، وَيَخْرُجُ مِنْ قَبْرِهٖ وَهُوَ يُنَادِي: «لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ»، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْقَصَصِ،

كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ عَشْرُ حَسَنَاتٍ بِعَدَدِ مَنْ صَدَّقَ مُوسٰى
وَكَذَّبَ، وَلَمْ يَبْقَ مَلَكٌ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ إِلَّا شَهِدَ لَهُ
أَنْ كَانَ صَادِقًا أَنْ ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ، لَهُ الْحُكْمُ
وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ﴾(القصص : ٨٨)، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْعَنْكَبُوتِ،
كَانَ لَهُ بِعَدَدِ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُنَافِقِينَ، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ الرُّومِ،
كَانَ لَهُ مِنَ الْأَجْرِ عَشْرُ حَسَنَاتٍ، وَأَدْرَكَ مَا ضَيَّعَ يَوْمَهُ
وَلَيْلَتَهُ، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ لُقْمَانَ، كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَفِيقًا
وَأُعْطِيَ مِنَ الْحَسَنَاتِ عَشْرًا بِعَدَدِ مَنْ عَمِلَ بِالْمَعْرُوفِ
وَعَمِلَ بِالْمُنْكَرِ، وَمَنْ قَرَأَ السَّجْدَةَ أُعْطِيَ مِنَ الْأَجْرِ كَأَنَّمَا
أَحْيَا لَيْلَةَ الْقَدْرِ، وَمَنْ قَرَأَ الْأَحْزَابَ وَعَلَّمَهَا مَا مَلَكَتْ يَمِينُهُ
وَأَهْلَهُ أُعْطِيَ أَمَانًا مِّنْ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَمَنْ قَرَأَ سَبَأَ، لَمْ يَبْقَ
رَسُولٌ، وَلَا نَبِيٌّ، إِلَّا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَفِيقًا وَّمُصَافِحًا،
وَمَنْ قَرَأَ الْمَلَائِكَةَ، دَعَتْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ مِّنْ أَبْوَابِ
الْجَنَّةِ يَدْخُلُ مِنْ أَيِّهَا شَاءَ، وَمَنْ قَرَأَ سُورَةَ يٰس، قَالَ : قَالَ
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ لِكُلِّ شَيْءٍ قَلْبًا
وَقَلْبُ الْقُرْآنِ يٰس، وَمَنْ قَرَأَ يٰس يُرِيدُ بِهِ اللّٰهَ غُفِرَ لَهُ وَأُعْطِيَ
مِنَ الْأَجْرِ كَأَنَّمَا أَظُنُّهُ قَرَأَ الْقُرْآنَ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ مَرَّةً، وَأَيُّمَا

مُسْلِمٍ قُرِئَتْ عِنْدَهٗ إِذْ نَزَلَ بِهٖ مَلَكُ الْمَوْتِ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ لَهٗ بِعَدَدِ كُلِّ حَرْفٍ مِّنْ سُورَةِ يٰسٓ عَشَرَةُ أَمْلَاكٍ يَقُومُونَ بَيْنَ يَدَيْهِ صُفُوفًا يُصَلُّونَ عَلَيْهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهٗ وَيَشْهَدُونَ غُسْلَهٗ وَيُشَيِّعُونَ جَنَازَتَهٗ وَيَشْهَدُونَ دَفْنَهٗ، وَأَيُّمَا مُسْلِمٍ قُرِئَتْ عِنْدَهٗ يٰسٓ وَهُوَ فِي سَكَرَاتِ الْمَوْتِ، أَوْ قَرَأَهَا لَمْ يَقْبِضْ مَلَكُ الْمَوْتِ رُوحَهٗ حَتّٰى يَجِيئَهٗ رِضْوَانُ خَازِنُ الْجَنَّةِ بِشَرْبَةٍ مِّنْ شَرَابِ الْجَنَّةِ يَشْرَبُهَا وَهُوَ عَلٰى فِرَاشِهٖ وَقَبَضَ مَلَكُ الْمَوْتِ رُوحَهٗ وَهُوَ رَيَّانُ، فَيَمْكُثُ فِي قَبْرِهٖ وَهُوَ رَيَّانُ، وَيُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَهُوَ رَيَّانُ، وَلَا يَحْتَاجُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلٰى حَوْضٍ مِّنْ حِيَاضِ الْأَنْبِيَاءِ حَتّٰى يَدْخُلَ الْجَنَّةَ وَهُوَ رَيَّانُ.

”جس نے سورت کہف پڑھی، وہ آٹھ دنوں تک ہر فتنے سے محفوظ رہے گا اور اگر ان آٹھ دنوں میں دجال نکل آئے، تو اللہ تعالیٰ اسے فتنۂ دجال سے محفوظ رکھے گا۔ اور جو شخص سونے سے پہلے بستر پر یہ آیت: ﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ......﴾ (الکھف:۱۱۰) ”(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔“ آخر تک پڑھے گا، تو اس کے لیے ایک نور پیدا ہو جائے گا، جو (اس کی رہائش سے) مکہ تک روشن ہوگا اور اس نور کے اندر فرشتے ہوں گے جو اس پر درود بھیجتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ اپنی خواب گاہ سے اٹھ جائے، اور اگر اس کے آرام کرنے کی جگہ مکہ میں ہو، تو اس کے لیے ایک نور ہوگا، جو

بیت المعمور تک چمکے گا اور اس نور کے اندر فرشتے ہوں گے، جو اس کے لیے رحمت کی دعا کرتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے۔ جس نے سورت مریم پڑھی، اسے اتنی نیکیوں کی تعداد کا دس گناہ ثواب دیا جائے گا، جتنے لوگ زکریا علیہ السلام کو جھٹلانے والے اور ان کی تصدیق کرنے والے، یحییٰ، مریم، عیسیٰ، ابراہیم، اسحاق، یعقوب، موسیٰ، ہارون، اسماعیل اور ادریس علیہم السلام کو جھٹلانے اور ان کی تصدیق کرنے والے تھے اور جتنے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ثابت کی اور جتنے لوگوں نے اولاد ثابت نہیں کی۔ جس نے سورت طٰہٰ پڑھی، اللہ تعالیٰ اسے مہاجرین کی طرح ثواب عطا فرمائے گا۔ جس نے سورت انبیاء پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کا آسان حساب لے گا اور وہ ان تمام انبیاء کے ساتھ مصافحہ کرے گا، جن کا نام اس سورت میں مذکور ہے۔ جس نے سورت حج پڑھی، اسے اتنا اجر دیا جائے گا، جتنے لوگوں نے اب تک حج اور عمرہ کیا ہے اور جتنے آئندہ کریں گے۔ جس نے سورت مؤمنون پڑھی، فرشتے اسے خوشخبری دیں گے کہ اسے راحت، خوشبو اور ہر وہ چیز نصیب ہوگی، جس سے اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملے گی، جب اس پر موت نازل ہو رہی ہوگی۔ جس نے سورت نور پڑھی، اسے تمام مؤمن مردوں اور عورتوں کی تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں ملیں گی۔ جس نے سورت فرقان پڑھی، وہ قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اسے یقین ہوگا کہ قیامت ضرور آئے گی اور وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوگا۔ جس نے سورت شعراء پڑھی، اسے اتنی تعداد میں نیکیاں ملیں گی، جتنے موسیٰ علیہ السلام کو سچا ماننے اور جھٹلانے والے تھے اور

ابراہیم، نوح، ہود، صالح، لوط اور شعیب علیہم السلام کو ماننے اور جھٹلانے والے تھے، نیز جتنے لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا دعویٰ کیا اور جنھوں نے ایسا نہیں کیا اور جتنے عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے اور جھٹلانے والے تھے۔ جس نے سورت طٰس (سورت نمل) پڑھی، اسے اس تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں ملیں گی، جو تعداد موسیٰ، سلیمان، صالح اور لوط علیہم السلام کو جھٹلانے اور ماننے والوں کی تھی اور وہ اپنی قبر سے اس حال میں نکلے گا کہ لا الہ الا اللہ پکار رہا ہوگا۔ جس نے سورت قصص پڑھی، اسے اس تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں ملیں گی، جو تعداد موسیٰ علیہ السلام کو ماننے اور جھٹلانے والوں کی تھی اور آسمان و زمین میں کوئی فرشتہ ایسا نہ ہوگا، جو اس کے حق میں گواہی نہ دے کہ وہ سچ کہہ رہا تھا: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهٗ، لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ (القَصص : ۸۸) جس نے سورت عنکبوت پڑھی، اسے اتنی نیکیاں ملیں گی، جتنی مومنوں اور منافقوں کی تعداد ہے۔ جس نے سورت روم کی تلاوت کی، اسے دس نیکیاں ملیں گی اور اس دن اور رات میں جو اس سے چھوٹ گیا تھا، وہ بھی پا لے گا۔ جس نے سورت لقمان پڑھی، قیامت کے دن وہ لقمان رضی اللہ عنہ کا رفیق ہوگا اور اسے اس تعداد سے دس گنا زیادہ نیکیاں ملیں گی، جو اچھے اعمال کرنے والوں اور برے اعمال کرنے والوں کی تعداد ہے۔ جس نے سورت سجدہ پڑھی، اسے اتنا اجر دیا جائے گا، جیسے اس نے شب قدر میں شب بیداری کی ہو۔ جس نے سورت احزاب پڑھی اور اسے اپنے غلاموں اور گھر والوں کو سکھایا، تو اسے عذابِ قبر سے اَمان حاصل ہو جائے گی۔ جس نے سورت سبأ پڑھی، قیامت

کے دن ہر رسول اور نبی اس کا رفیق ہوگا اور اس سے مصافحہ کرے گا۔ جس نے سورت ملائکہ (فاطر) پڑھی، قیامت کے دن جنت کے آٹھوں دروازے اسے پکاریں گے کہ وہ جس دروازے سے چاہے داخل ہو جائے۔ جس نے اللہ کو راضی کرنے کے لیے سورت یاسین پڑھی، اس کے تمام گناہ معاف کر دیے جائیں گے اور اسے اتنا اجر دیا جائے گا، جیسے اس نے بارہ مرتبہ قرآن پڑھا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر چیز کا ایک دل ہوتا ہے اور قرآن کا دل سورت یاسین ہے۔ اگر کسی مسلمان کے پاس موت کے وقت سورت یاسین پڑھی جائے، تو جتنے حروف اس میں ہیں، ہر حرف کے بدلے دس فرشتے اس کے پاس صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے، اس کے لیے رحمت کی دعا کریں گے، اس کے لیے استغفار کریں گے، اس کے غسل میں شریک ہوں گے، اس کے جنازے کو لے کر جائیں گے اور اس کے دفن میں موجود ہوں گے۔ جو مسلمان موت کے سکرات میں ہو اور اس کے پاس سورت یاسین پڑھی جائے، یا وہ خود اسے پڑھے، تو ملک الموت اس وقت تک اس کی روح نہیں نکالے گا، جب تک جنت کے خازن رضوان اس کے پاس نہ آ جائیں اور اسے جنت کا ایک گھونٹ نہ پلائیں، چنانچہ وہ بستر مرگ پر ہی (جنت کے مشروب کا) گھونٹ پیئے گا، پھر جب ملک الموت اس کی روح قبض کرے گا، تو وہ سیراب ہوگا، وہ قبر میں بھی سیراب رہے گا اور قیامت کے دن بھی سیراب ہو گا اور اسے کسی نبی کے حوض پر جانے کی حاجت نہ ہوگی، یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا، جبکہ وہ سیراب ہوگا۔"

(ترتيب الأمالي الخميسية للشّجري : 476)

جواب: روایت منکر و باطل ہے۔

① ہارون بن کثیر مجہول و نامعلوم ہے۔

❀ اسے امام ابن عدی رحمہ اللہ نے ''غیر معروف'' کہا ہے۔

(الكامل في ضعفاء الرّجال : 440/8)

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ''مجہول'' کہا ہے۔

(ميزان الاعتدال : 286/4، ديوان الضّعفاء : 4436)

② زید بن سالم غیر معروف ہے۔

❀ اسے امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے مجہول قرار دیا ہے۔

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 1880)

بعض سندوں میں اسے زید بن اسلم لکھا گیا ہے، یہ تصحیف ہے، درست زید بن سالم ہے، جو کہ مجہول ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ نے تنبیہ کی ہے۔

(لِسان الميزان : 555/3)

③ زید بن سالم کے والد سالم کے حالات زندگی بھی نہیں ملے۔

❀ اسے بھی امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے مجہول قرار دیا ہے۔

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 1880)

④ سالم مجہول کا سیدنا ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے سماع معلوم نہیں۔

⑤ یوسف بن عطیہ باہلی کوفی ضعیف و متروک ہے۔

⑥ اسماعیل بن عمرو بن نجیح بجلی ضعیف ہے۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعَّفَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ .

''کئی محدثین نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(ديوان الضّعفاء : 430)

۞ اس روایت کے متعلق امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ غَيْرُ مَحْفُوظٍ .

''یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 440/8)

۞ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ حَدِيثٌ بَاطِلٌ، وَلَا يُعْرَفُ هَارُونُ، وَلَعَلَّهُ الْآفَةُ .

''یہ حدیث باطل ہے، ہارون غیر معروف ہے، شاید کہ اس حدیث میں خرابی کی وجہ یہی ہے۔''

(تاريخ الإسلام : 532/4)

تنبیہ:

قرآن کریم کی بعض سورتوں کی خاص فضیلت ثابت ہے، ہر ہر سورت کی فضیلت ثابت نہیں، اس سلسلہ میں جو روایات بھی پیش کی جاتی ہیں، اصول محدثین کی روشنی میں پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔ اس سلسلہ میں ہماری کتاب «مِفْتَاحُ النَّجَاةِ فِي فَضَائِلِ السُّوَرِ وَالْآيَاتِ» کا مطالعہ مفید رہے گا۔

سوال: کیا خچر حلال ہے؟

جواب: خچر حرام ہے۔ یہ گھریلو گدھے کی ہی نسل ہے، کیونکہ خچر گدھے اور گھوڑے

کے ملاپ سے پیدا ہوتا ہے، اس لیے جو حکم گدھے کا ہوگا، وہی خچر کا ہوگا۔ گھوڑے کے متعلق الگ نص آ چکی ہے کہ وہ حلال ہے۔

❁ علامہ ابوبکر جصاص حنفی رحمہ اللہ (۳۷۰ھ) فرماتے ہیں:

اِتِّفَاقُ الْجَمِيعِ عَلٰى أَنَّ لَحْمَ الْبَغْلِ لَا يُؤْكَلُ .

''اس پر سب فقہا متفق ہیں کہ خچر کا گوشت نہیں کھایا جائے گا۔''

(أحكام القرآن : 239/3)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ (۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:

لَحْمُ الْبَغْلِ حَرَامٌ عِنْدَنَا وَبِهٖ قَالَ جَمِيعُ الْأَئِمَّةِ .

''ہمارے (شوافع کے) نزدیک خچر کا گوشت حرام ہے، ساری اُمت بھی یہی کہتی ہے۔''

(المَجموع : 8/9)

❁ علامہ مظہری حنفی رحمہ اللہ (۷۲۷ھ) فرماتے ہیں:

لَحْمُ الْبَغْلِ وَالْحِمَارِ حَرَامٌ بِالْاِتِّفَاقِ .

''خچر اور گدھے کا گوشت بالاتفاق حرام ہے۔''

(المَفاتيح شرح المَصابيح : 487/4)

❁ علامہ ابن ملک رحمہ اللہ (۸۵۴ھ) فرماتے ہیں:

هُمَا حَرَامَانِ بِالْاِتِّفَاقِ .

''گدھا اور خچر بالاتفاق حرام ہیں۔''

(شرح المَصابيح : 521/4)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَلِجُوا عَلَى الْمُغِيبَاتِ، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مِنْ أَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ، قُلْنَا : وَمِنْكَ؟ قَالَ : وَمِنِّي، وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمُ .

''ان خواتین کے گھر داخل مت ہوں، جن کے خاوند موجود نہ ہوں، کیونکہ شیطان ہر ایک کے خون میں دوڑتا ہے۔ہم نے عرض کیا: کیا آپ کے بھی؟ فرمایا: جی ہاں، میرے بھی، مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اس پر دسترس دے دی ہے، چنانچہ میں اس سے محفوظ ہو گیا ہوں۔''

(مسند الإمام أحمد : 309/3، 397، سنن التّرمذي : 1172)

جواب: سند ضعیف ہے۔مجالد بن سعید سیء الحفظ ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

❀ حافظ بوصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ ضَعِيفٌ .

''یہ سند ضعیف ہے۔''

(اتّحاف الخِيَرة المَهَرة : 47/6)

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَلِجُوا عَلَى الْمُغِيبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِي مَجْرَى الدَّمِ .

''ان خواتین کے گھر داخل مت ہوں، جن کے خاوند موجود نہ ہوں، کیونکہ شیطان خون میں دوڑتا ہے۔''

(حِلية الأولياء لأبي نُعَيْم : 305/8)

سند ضعیف ہے۔

① مصعب بن ہلقام مجہول الحال ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات: ۹/ ۱۹۷'' میں ذکر کیا ہے۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا أَعْرِفُهُ . ''میں اسے نہیں پہچانتا۔''

(میزان الاعتدال : 118/4)

② ابو بکر بن عیاش کثیر الخطا ہے۔

❀ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ كَثِيرُ الْغَلَطِ .

''ابو بکر بن عیاش بہت زیادہ غلطیاں کرتے تھے۔''

(سنن التّرمذي، تحت الرقم : 2567)

سوال: امام ابو احمد عسال رحمہ اللہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: امام ابو احمد عسال رحمہ اللہ اہل سنت کے چوٹی کے امام ہیں، آپ حافظ، متقن اور ثقہ ثبت محدث ہیں۔ تفسیر، حدیث، عقیدہ اور اُمور عامہ پر مکمل مہارت رکھتے تھے، آپ رحمہ اللہ اپنے عہد میں بڑے قاضی رہے۔ آپ رحمہ اللہ کثیر التصانیف ہیں، ہر دور کے اہل علم نے آپ رحمہ اللہ کے فضل و علم اور قابلیت کا اعتراف کیا ہے۔ ذیل کی سطور میں آپ رحمہ اللہ کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے؛

نام و نسب:

آپ رحمہ اللہ ابو احمد، محمد بن احمد بن ابراہیم بن سلیمان بن محمد اصبہانی عسال ہیں۔

ولادت:

آپ رحمہ اللہ ۲۶۹ھ کو اصبہان میں پیدا ہوئے۔

اساتذہ:

آپ رحمہ اللہ نے کئی کبار ائمہ و محدثین سے کسب فیض کیا، جن میں؛

۱۔ ابو بکر ابن ابی عاصم نبیل ۲۔ حسن بن علی سری ۳۔ عبدان بن احمد اہوازی

۴۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل ۵۔ ابو شعیب حرانی ۶۔ ابو القاسم بغوی

۷۔ یحییٰ بن زکریا ساجی ۸۔ محمد بن ایوب ابن ضریس رازی

۹۔ محمد بن عباس مؤدب ۱۰۔ ابراہیم بن زہیر حلوانی

۱۱۔ بکر بن سہل دمیاطی ۱۲۔ ابو مسلم کجی

اور آپ رحمہ اللہ کے والد احمد بن ابراہیم عسال رحمہ اللہ قابل ذکر ہیں۔

تلامذہ:

آپ رحمہ اللہ چونکہ وقت کے محدث تھے، اس سے آپ رحمہ اللہ سے اصبہان اور دیگر علاقوں کے حفاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے علم حاصل کیا ہے، جن میں بعض بڑے نام یہ ہیں؛

۱۔ ابو الشیخ اصبہانی ۲۔ ابو نعیم اصبہانی ۳۔ ابو بکر احمد ابن مردویہ اصبہانی

۴۔ ابو بکر ابن مقرئ ۵۔ ابو عبداللہ ابن مندہ ۶۔ ابو سعید نقاش

۷۔ ابو بکر محمد بن احمد ذکوانی ۸۔ ابن عدی ۹۔ احمد بن ابراہیم قصار

۱۰۔ آپ رحمہ اللہ کا بیٹا ابوفضل عباس بن محمد عسال رحمہم اللہ

آپ رحمہ اللہ کے دیگر بیٹوں نے بھی آپ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے۔

توثیق وتوصیف:

امام ابو احمد عسال رحمہ اللہ بالاتفاق ثقہ محدث اور امام ہیں۔ کئی محدثین اور حفاظ نے آپ رحمہ اللہ کی توثیق اور مدح کی ہیں؛

❀ امام ابوالشیخ ابن حیان اصبہانی رحمہ اللہ (۳۶۹ھ) فرماتے ہیں:

مِنْ كِبَارِ النَّاسِ فِي الْعِلْمِ وَالْإِتْقَانِ وَالْحِفْظِ وَالْمَعْرِفَةِ، مَقْبُولُ الْقَوْلِ، اسْتُقْضِي وَحَكَمَ بَيْنَ النَّاسِ، وَصَنَّفَ الشُّيُوخَ وَعَامَّةَ الْمُسْنَدِ.

”امام عسال رحمہ اللہ کا شمار علم، اتقان، حفظ اور معرفت میں کبار لوگوں میں ہوتا ہے۔ آپ رحمہ اللہ کی بات معتبر ہے، آپ رحمہ اللہ کو قاضی مقرر کیا گیا، آپ نے لوگوں میں فیصلے کیے، آپ رحمہ اللہ نے شیوخ اور عام مسند کو مرتب کیا۔“

(طَبَقات المُحدثين بأصبهان : 227/4)

❀ حافظ ابن مندہ رحمہ اللہ (۳۹۵ھ) فرماتے ہیں:

كَتَبْتُ عَنْ أَلْفِ شَيْخٍ لَمْ أَرَ فِيهِمْ أَتْقَنَ مِنْ أَبِي أَحْمَدَ الْعَسَّالِ.

”میں نے ایک ہزار شیوخ سے علم لکھا، ان میں مجھے ابو احمد عسال رحمہ اللہ جیسا متقن کوئی نہ ملا۔“

(تاريخ بغداد للخطيب : 89/2، وسندهٗ حسنٌ)

❀ نیز فرماتے ہیں:

طُفْتُ الدُّنْيَا شَرْقًا وَّغَرْبًا فَلَمْ أَرَ مِثْلَ أَبِي أَحْمَدَ الْعَسَّالِ .

’’میں مشرق ومغرب پوری دنیا گھومی، مجھے ابواحمد عسال رحمہ اللہ جیسا کوئی نہ ملا۔‘‘

(الأنساب للسّمعاني : 292/9)

❁ امام ابوعبداللہ حاکم رحمہ اللہ (۴۰۵ھ) فرماتے ہیں:

أَحَدُ أَئِمَّةِ أَهْلِ الْحَدِيثِ .

’’آپ رحمہ اللہ کا شمار ائمہ اہل حدیث میں ہوتا ہے۔‘‘

(مَعرفة عُلوم الحديث، ص 228)

❁ حافظ ابن مردویہ رحمہ اللہ (۴۱۰ھ) فرماتے ہیں:

كَانَ أَبُو أَحْمَدَ العَسَّالُ المُعَدِّلُ يَتَوَلَّى الْقَضَاءَ خَلِيْفَةً لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بنِ أَحْمَدَ الطَّبرِيِّ، هُوَ أَحَدُ الْأَئِمَّةِ فِي الْحَدِيْثِ فَهْمًا، وَّإِتْقَاناً، وَأَمَانَةً .

’’عادل امام ابواحمد عسال رحمہ اللہ خلیفہ عبدالرحمٰن بن احمد طبری کے دور میں عہدہ قضا پر براجمان ہوئے۔ آپ رحمہ اللہ ائمہ حدیث میں سے تھے، وہ فقیہ، متقن اور امین تھے۔‘‘

(سِيَر أعلام النّبلاء للذهبي : 8/16)

❁ حافظ ابوسعید نقاش رحمہ اللہ (۴۱۴ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ نَرَ مِثْلَهٗ فِي الْإِتْقَانِ وَالْحِفْظِ .

’’ہم نے اتقان وحفظ میں آپ جیسا کوئی نہ دیکھا۔‘‘

(سِيَر أعلام النّبلاء للذّهبي : 8/16)

۞ قاضی ابوبکر بن ابی علی ذکوانی رحمہ اللہ (۴۱۹ھ) فرماتے ہیں:

الثِّقَةُ، الْمَأْمُوْنُ، الكَبِيْرُ فِي الْحِفْظِ وَالْإِتْقَانِ .

''آپ رحمہ اللہ ثقہ، مامون تھے اور حفظ واتقان میں بلند پایہ مقام رکھتے تھے۔''

(سِيَر أعلام النّبلاء للذهبي : 8/16)

۞ حافظ ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ (۴۳۰ھ) فرماتے ہیں:

مَقْبُولُ الْقَوْلِ، مِنْ كِبَارِ النَّاسِ فِي الْمَعْرِفَةِ وَالْإِتْقَانِ وَالْحِفْظِ، صَنَّفَ الشُّيوخَ، وَالتَّأْرِيخَ، وَالتَّفْسِيرَ، وَعَامَّةَ الْمُسْنَدِ .

''امام عسال رحمہ اللہ کا قول معتبر ہے، آپ کا شمار معرفت، اتقان اور حفظ میں کبار ائمہ میں ہوتا ہے، آپ رحمہ اللہ نے شیوخ، تاریخ، تفسیر اور عام مسند پر تصانیف لکھیں۔''

(تاريخ أصبهان : 253/2)

۞ حافظ خلیلی رحمہ اللہ (۴۴۶ھ) فرماتے ہیں:

حَافِظٌ، مُتْقِنٌ، عَالِمٌ بِهٰذَا الشَّأْنِ، كَانَ عَلٰى قَضَاءِ أَصْبَهَانَ مِنْ شَرْطِ الصِّحَاحِ، لَقِيْتُ ابْنَهُ أَحْمَدَ بِالرَّيِّ، فَحَدَّثَنِي عَنْ أَبِيهِ .

''آپ رحمہ اللہ حافظ، متقن اور فن حدیث کے عالم تھے۔ آپ رحمہ اللہ اصبہان کے قاضی تھے، صحیح درجہ کے راوی ہیں۔ میں نے آپ رحمہ اللہ کے بیٹے احمد سے ''ری'' میں ملاقات کی، تو انہوں نے مجھے اپنے والد کے واسطہ سے حدیثیں بیان کیں۔''

(سِيَر أعلام النّبلاء للذّهبي : 9/16)

❀ حافظ ابوعبداللہ دقاق رحمہ اللہ (۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

اَلثِّقَةُ الْمَأْمُونُ . ”آپ رحمہ اللہ ثقہ مامون ہیں۔“

(الرِسالة، ص 78)

❀ حافظ سمعانی رحمہ اللہ (۵۶۲ھ) فرماتے ہیں:

إِمَامٌ كَبِيرٌ، جَلِيلُ الْقَدْرِ، أَحَدُ أَئِمَّةِ الْحَدِيثِ فَهْمًا وَّإِتْقَانًا وَأَمَانَةً .

”آپ رحمہ اللہ بڑے چوٹی کے امام تھے، جلیل قدر تھے، ائمہ حدیث میں سے تھے، آپ رحمہ اللہ فقیہ، متقن اور امین تھے۔“

(الأنساب : 292/9)

❀ حافظ ابوموسیٰ مدینی رحمہ اللہ (۵۸۱ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ إِمَامُ دَهْرِهٖ وَحَافِظُ وَقْتِهٖ .

”آپ رحمہ اللہ اپنے زمانہ کے امام اور حافظ حدیث تھے۔“

(ذكر الإمام أبي عبد اللّٰه ابن منده، ص 33)

تصانیف:

آپ رحمہ اللہ کی کئی تصانیف ہیں؛ جن میں تفسیر القرآن، کتاب التاریخ، تاریخ النساء، المعجم، کتاب السنۃ، کتاب الامثال، کتاب الرؤیۃ، کتاب العظمۃ، کتاب الجزیۃ، کتاب الرقائق، مسند الابواب، کتاب الابواب، حروف القراء ات، کتاب الآیات وکرامات الاولیاء، کتاب من تجمع حدیثہ من المقلین، طرق غسل یوم الجمعۃ، احادیث مالک، کتاب الفوائد، احادیث منصور بن المعتمر، ومحمد بن جحادۃ، وقرۃ بن خالد۔

(سِير أعلام النبلاء للذهبي : 11/16)

عقیدہ:

آپ رحمہ اللہ اہل سنت والجماعت کے عقیدہ پر تھے۔ آپ رحمہ اللہ کی کتابیں کے متعلق اہل علم یہی گواہی دیتے ہیں۔

وفات حسرت آیات:

آپ رحمہ اللہ نے ۸۰ سال کی عمر میں ماہِ رمضان میں سن ۳۴۹ھ کو وفات پا گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون!

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ٦٨٨)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل روایت کی کیا حقیقت ہے؟

❀ نبی کریم ﷺ سے منسوب ہے:

مَنْ قَالَ : إِنِّي كُلِّي بَشَرٌ فَقَدْ كَفَرَ، وَمَنْ قَالَ : لَسْتُ بِبَشَرٍ فَقَد كَفَرَ .

''جس نے یہ کہا کہ میں کلی طور پر بشر ہوں، وہ کافر ہے اور جس نے یہ کہا کہ میں بالکل بھی بشر نہیں ہوں، وہ بھی کافر ہے۔''

جواب: من گھڑت روایت ہے۔ حدیث کی کسی کتاب میں مذکور نہیں۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ كَذِبٌ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ .

''یہ حدیث جھوٹ ہے، اس پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔''

(مَجموع الفتاویٰ : 385/3)

سوال: کیا ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے نبی کریم ﷺ کے والدین کو کافر قرار دینا ثابت ہے؟

جواب: امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے منسوب کتاب ''الفقہ الاکبر'' کی عبارت ہے:

وَالِدَا رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا كَافِرَيْنِ .

”رسول اللہ ﷺ کے والدین حالت کفر میں فوت ہوئے۔“

الفقہ الاکبر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے منسوب کتاب ہے۔اس کی نسبت امام صاحب کی طرف جھوٹی ہے،لہٰذا امام صاحب اس قول سے بری ہیں۔

یہ کتاب مختلف سندوں سے امام صاحب کی طرف منسوب ہے،ان میں کوئی سند بھی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچتی،اس سلسلہ میں ہمارا تفصیلی مضمون ”امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابیں“ کا مطالعہ مفید رہے گا۔

ہمارے دور کے بعض لوگوں نے یہ کہا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی اس عبارت میں ”ماتا“ سے پہلے ”ما“ گر گیا ہے،تو اس کا ترجمہ یوں بنے گا:”رسول اللہ ﷺ کے والدین کفر پر فوت نہیں ہوئے۔“

یہ بات خلاف حقیقت ہے،علمی دنیا میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔فقہ اکبر کے شارحین میں سے کسی نے یہاں ”ما“ نافیہ کے گرنے کی بات نہیں کی،بلکہ سب نے یہ مؤقف امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی طرف اثبات ہی میں منسوب کیا ہے۔

❀ علامہ ابن عابدین شامی حنفی رحمہ اللہ (۱۲۵۲ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْإِمَامُ فِي الْفِقْهِ الْأَكْبَرِ مِنْ أَنَّ وَالِدَيْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ.

”امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے الفقہ الاکبر میں فرمایا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کفر پر فوت ہوئے ہیں۔“

(فتاویٰ شامی:184/3)

تیرھویں صدی تک کسی نے اس عبارت میں ”ما“ نافیہ کے گرنے کی بات نہیں کی۔

کئی اہل علم نے صراحت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین ملت عبد المطلب پر تھے، جو کہ کافر ملت تھی، اس مؤقف پر صحیح احادیث موجود ہیں۔

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَخْتَلِفُ الْمُسْلِمُونَ أَنَّ عَبْدَ الْمُطَّلِبِ مَاتَ كَافِرًا .

''اس میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں کہ عبد المطلب کفر پر فوت ہوا۔''

(الموضوعات :283/1)

❀ امام بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

جَدُّ أَبِيهَا : عَبْدُ الْمُطَّلِبِ بْنُ هَاشِمٍ وَكَيْفَ لَا يَكُونُ أَبَوَاهُ وَجَدُّهُ بِهٰذِهِ الصِّفَةِ فِي الْآخِرَةِ، وَكَانُوا يَعْبُدُونَ الْوَثَنَ حَتّٰى مَاتُوا، وَلَمْ يَدِينُوا دِينَ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ؟ وَأَمْرُهُمْ لَا يَقْدَحُ فِي نَسَبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؛ لِأَنَّ أَنْكِحَةَ الْكُفَّارِ صَحِيحَةٌ، أَلَا تَرَاهُمْ يُسْلِمُونَ مَعَ زَوْجَاتِهِمْ فَلَا يَلْزَمُهُمْ تَجْدِيدُ الْعَقْدِ، وَلَا مُفَارَقَتُهُنَّ إِذَا كَانَ مِثْلُهُ يَجُوزُ فِي الْإِسْلَامِ .

''سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے والد محترم کے دادا عبد المطلب بن ہاشم تھے۔ آپ ﷺ کے والد اور دادا مرتے دَم تک بتوں کی پوجا کرتے رہے۔ انہوں نے سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کا دین قبول نہیں کیا تھا۔ البتہ ان کا یہ معاملہ رسول اللہ ﷺ کے نسب میں کوئی عیب کا باعث نہیں، کیونکہ کفار کے کیے گئے نکاح درست ہیں۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں کہ کفار جب اپنی بیویوں سمیت مسلمان ہوتے ہیں، تو ان

کو نیا نکاح یا اپنی بیویوں سے جُدائی اختیار نہیں کرنی پڑتی، کیونکہ اسلام میں اس طرح کی صورت جائز ہے۔''

(دلائل النّبوۃ: 1/192-193)

❁ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ (۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ أَبَوَيْهِ كَانَا مُشْرِكَيْنِ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مشرک تھے۔''

(تهذيب الآثار [مسند علي]: 3/109)

❁ امام بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

أَبَوَاهُ كَانَا مُشْرِكَيْنِ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین مشرک تھے۔''

(السّنن الكبرىٰ: 7/308، دلائل النّبوة: 1/192)

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَيْنَ أَبِي؟ قَالَ: فِي النَّارِ، فَلَمَّا قَفّٰى دَعَاهُ، فَقَالَ: إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ .

''ایک شخص نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے باپ کا ٹھکانہ کیا ہے؟ فرمایا: جہنم میں۔ جب وہ واپس پلٹا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے واپس بلایا اور فرمایا: میرے اور آپ کے والد جہنم میں ہیں۔''

(صحيح مسلم: 203)

❁ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْمُجْمَعُ عَلٰى صِحَّتِہٖ .

''اس حدیث کے صحیح ہونے پر اجماع ہے۔''

(أدلّة معتقد أبي حنيفة، ص 132)

علامہ ابن ہبیرہ رحمہ اللہ (٥٦٠ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّہٗ لَوْ كَانَ وَلَدٌ يَنْفَعُ وَالِدًا مُشْرِكًا، لَكَانَ الْأَوْلٰى بِذٰلِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا صَرَّحَ بِأَنَّ أَبَاهُ فِي النَّارِ، قَطَعَ بِهٰذِهِ الْكَلِمَةِ ظُنُونَ الظَّانِّينَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ .

''اگر اولاد اپنے مشرک والد کو نفع پہنچا سکتی ہوتی، تو اس کے سب سے زیادہ حق دار رسول اللہ ﷺ کے تھے، جب آپ ﷺ نے صراحت کر دی کہ آپ ﷺ کے والد جہنم میں ہیں، تو اس جملہ سے قیامت تک گمان کرنے والوں کے تمام گمان ختم ہو گئے۔''

(الإفصاح : 355/5)

حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

فِيهِ أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى الْكُفْرِ، فَهُوَ فِي النَّارِ، وَلَا تَنْفَعُهٗ قَرَابَةُ الْمُقَرَّبِينَ، وَفِيهِ أَنَّ مَنْ مَاتَ فِي الْفَتْرَةِ عَلٰى مَا كَانَتْ عَلَيْهِ الْعَرَبُ مِنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ، فَهُوَ مِنْ أَهْلِ النَّارِ، وَلَيْسَ هٰذَا مُؤَاخَذَةً قَبْلَ بُلُوغِ الدَّعْوَةِ، فَإِنَّ هٰؤُلَاءِ كَانَتْ قَدْ بَلَغَتْهُمْ دَعْوَةُ إِبْرَاهِيمَ وَغَيْرِهٖ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسَلَامُهٗ

عَلَيْهِمْ، وَقَوْلُهُ : صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «إِنَّ أَبِي وَأَبَاكَ فِي النَّارِ»، هُوَ مِنْ حُسْنِ الْعِشْرَةِ لِلتَّسْلِيَةِ بِالْاِشْتِرَاكِ فِي الْمُصِيبَةِ .

''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص کفر پر مرے گا، وہ جہنم میں ہوگا اور قریبی رشتہ داری بھی اسے کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ نیز اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو لوگ فترۃ کے دوران بت پرستی کرتے ہوئے مرے، وہ جہنم میں ہیں، کیونکہ ان تک سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی تھی۔ فرمان نبوی: ''میرے اور آپ کے والد جہنم میں ہیں۔'' دراصل حسن معاشرت کا ایک انداز تھا، تاکہ (سائل کو) تسلی دی جائے کہ (اس) مصیبت میں (ہم) دونوں شریک ہیں۔''

(شرح مسلم : 79/3)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا لَيْسَ خَبَرًا عَنْ نَارٍ يَخْرُجُ مِنْهَا صَاحِبُهَا كَأَهْلِ الْكَبَائِرِ؛ لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ كَذٰلِكَ لَجَازَ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُمَا وَلَوْ كَانَ قَدْ سَبَقَ فِي عِلْمِ اللّٰهِ إِيمَانُهُمَا لَمْ يَنْهَهُ عَنْ ذٰلِكَ فَإِنَّ الْأَعْمَالَ بِالْخَوَاتِيمِ وَمَنْ مَّاتَ مُؤْمِنًا فَإِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ لَهُ فَلَا يَكُونُ الْاِسْتِغْفَارُ لَهُ مُمْتَنِعًا .

''اس حدیث میں اس جہنم کے متعلق خبر نہیں دی گئی، جس سے لوگ (ایک وقت کے بعد) باہر نکال لیے جائیں گے، جیسے اہل کبائر کا معاملہ ہے، کیونکہ

اگر معاملہ ایسا ہوتا، تو نبی کریم ﷺ کو اپنے والدین کے لیے استغفار کی اجازت ہوتی، اگر اللہ تعالیٰ کے علمِ سابق میں آپ ﷺ کے والدین کا ایمان لانا گزر چکا ہوتا، تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو استغفار سے منع نہ کرتا، کیونکہ اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہوتا ہے۔ جو ایمان پر فوت ہو، تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے، لہٰذا ایسے شخص کے حق میں استغفار کرنا ممنوع نہیں ہے۔''

(مَجموع الفتاویٰ : 326/4)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

زَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ أُمِّهٖ، فَبَكٰى وَأَبْكٰى مَنْ حَوْلَهٗ، فَقَالَ : اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي، وَاسْتَأْذَنْتُهٗ فِي أَنْ أَزُورَ قَبْرَهَا فَأُذِنَ لِي، فَزُورُوا الْقُبُورَ فَإِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ .

''نبی کریم ﷺ نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی، خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رولا دیا، فرمایا: میں نے اپنے رب سے ماں کے لیے استغفار کی اجازت مانگی، مگر اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی، البتہ قبر کی زیارت کی اجازت مانگی، تو اجازت دے دی، لہٰذا قبروں کی زیارت کیا کریں، یہ موت یاد دلاتی ہیں۔''

(صحیح مسلم : 976)

❁ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ بِلَا شَكٍّ .

''یہ حدیث صحیح ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔''

(شرح مسلم : 46/7)

❁ اس حدیث پر امام نسائی رحمہ اللہ نے تبویب کی ہے:

زِيَارَةُ قَبْرِ الْمُشْرِكِ .

''مشرک کی قبر کی زیارت کرنا۔''

(سنن النّسائي، قبل الرّقم : 2034)

❁ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ نے بایں الفاظ عنوان قائم کیا ہے:

بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ قُبُورِ الْمُشْرِكِينَ .

''مشرکین کی قبر کی زیارت کا بیان۔''

(سنن ابن ماجه، قبل الرقم : 1572)

❁ امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یوں عنوان قائم کیا ہے:

بَابُ بَيَانِ مُشْكِلِ مَا رُوِيَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْاِسْتِغْفَارِ لِلْمُشْرِكِينَ مِنْ نَهْيٍ أَوْ إِبَاحَةٍ .

''اس مشکل مسئلہ کی وضاحت کے جو رسول اللہ ﷺ سے مشرکین کے حق میں استغفار کرنے کی ممانعت یا اباحت منقول ہے۔''

(شرح مشكل الآثار : 279/6)

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ نے اس حدیث سے مشرک والدین کے ساتھ بعد از وفات حسن سلوک کا استدلال کیا ہے۔

(إكمال المُعلم : 452/3)

❁ نیز فرماتے ہیں:

بُكَاؤُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى مَا فَاتَهَا مِنْ لِحَاقِ أَيَّامِهٖ وَالْإِيمَانِ بِهٖ .

''نبی کریم ﷺ کے رونے کی وجہ یہ تھی کہ ان کی والدہ آپ ﷺ کے نبوت کے ایام نہ پاسکیں اور آپ ﷺ پر ایمان نہ لاسکیں۔''

(إکمال المُعلم : 452/3)

❁ علامہ ابن ملک حنفی رحمہ اللہ (۸۵۴ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهَا كَانَتْ كَافِرَةً، وَالْاِسْتِغْفَارُ لِلْكَافِرِينَ لَا يَجُوزُ؛ لِأَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَنْ يَغْفِرَ لَهُمْ أَبَدًا .

''نبی کریم ﷺ کی والدہ کافرہ تھیں اور کافروں کے حق میں استغفار کرنا جائز نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا۔''

(شرح المَصابیح : 389/2)

❁ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا دَلِيلٌ صَرِيحٌ فِي أَنَّ أُمَّهُ مَاتَتْ كَافِرَةً أَنَّهَا فِي النَّارِ دَاخِلَةٌ مُخَلَّدَةٌ، وَهُوَ الَّذِي اعْتَقَدَهُ أَبُو حَنِيفَةَ، وَذَكَرَهُ فِي فِقْهِهِ الْأَكْبَرِ مِنْ أَنَّ وَالِدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَا عَلَى الْكُفْرِ .

''یہ حدیث صریح دلیل ہے کہ نبی کریم ﷺ کی والدہ حالت کفر میں فوت ہوئیں اور وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گی۔ یہی عقیدہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے، جو انہوں نے اپنی کتاب ''الفقہ الاکبر'' میں ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین حالت کفر میں فوت ہوئے۔''

(شرح مسند أبي حنيفة :334/1)

تنبیہ:

بعض لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کیا گیا تھا اور انہوں نے نبی کریم ﷺ کا کلمہ پڑھا اور ایمان قبول کر کے دوبارہ فوت ہوئے۔ یہ بے حقیقت بات ہے، اس سلسلہ میں بعض من گھڑت اور باطل روایات بھی بیان کی جاتی ہیں، اصول محدثین کی روشنی میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مَّوْضُوعٌ بِلَا شَكٍّ، وَالَّذِي وَضَعَهٗ قَلِيلُ الْفَهْمِ، عَدِيمُ الْعِلْمِ، إِذْ لَوْ كَانَ لَهٗ عِلْمٌ لَّعَلِمَ أَنَّ مَنْ مَّاتَ كَافِرًا لَّا يَنْفَعُهٗ أَنْ يُّؤْمِنَ بَعْدَ الرَّجْعَةِ، لَا بَلْ لَّوْ آمَنَ عِنْدَ الْمُعَايَنَةِ لَمْ يَنْتَفِعْ، وَيَكْفِي فِي رَدِّ هٰذَا الْحَدِيثِ قَوْلُهٗ تَعَالٰى : ﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾، وَقَوْلُهٗ فِي الصَّحِيحِ : اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لِأُمِّي، فَلَمْ يَأْذَنْ .

”اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ حدیث من گھڑت ہے۔ جس شخص نے اسے گھڑا ہے، وہ کم عقل اور علم سے کورا تھا۔ اگر اس کے پاس علم ہوتا، تو اسے ضرور معلوم ہوتا کہ جو شخص کفر کی حالت میں فوت ہو جائے، اس کو دنیا میں دوبارہ لوٹائے جانے کے بعد ایمان کوئی فائدہ نہیں دے گا، بلکہ اگر وہ ملک الموت کو دیکھنے کے وقت بھی ایمان لے آئے، تو اس کے لیے مفید نہیں۔ اس من گھڑت

حدیث کے ردّ میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہی کافی ہے: ﴿فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ﴾ (البقرۃ: ۲۱۷) (جو کفر کی حالت میں مر جائیں [وہ ہمیشہ کے جہنمی ہیں])۔ اسی طرح صحیح مسلم (۹۷۶) میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: میں نے اپنے ربّ سے اپنی والدہ کے لیے دُعائے مغفرت کی اجازت طلب کی، تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت نہیں دی۔''

(المَوْضوعات: 284/1)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ ذٰلِكَ عَنْ أَحَدٍ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ؛ بَلْ أَهْلُ الْمَعْرِفَةِ مُتَّفِقُونَ عَلٰى أَنَّ ذٰلِكَ كَذِبٌ مُخْتَلَقٌ ...... فَلَا نِزَاعَ بَيْنَ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ أَنَّهُ مِنْ أَظْهَرِ الْمَوْضُوعَاتِ كَذِبًا كَمَا نَصَّ عَلَيْهِ أَهْلُ الْعِلْمِ وَلَيْسَ ذٰلِكَ فِي الْكُتُبِ الْمُعْتَمَدَةِ فِي الْحَدِيثِ؛ لَا فِي الصَّحِيحِ وَلَا فِي السُّنَنِ وَلَا فِي الْمَسَانِيدِ وَنَحْوِ ذٰلِكَ مِنْ كُتُبِ الْحَدِيثِ الْمَعْرُوفَةِ وَلَا ذَكَرَهُ أَهْلُ كُتُبِ الْمَغَازِي وَالتَّفْسِيرِ وَإِنْ كَانُوا قَدْ يَرْوُونَ الضَّعِيفَ مَعَ الصَّحِيحِ، لِأَنَّ ظُهُورَ كَذِبِ ذٰلِكَ لَا يَخْفٰى عَلٰى مُتَدَيِّنٍ فَإِنَّ مِثْلَ هٰذَا لَوْ وَقَعَ لَكَانَ مِمَّا تَتَوَافَرُ الْهِمَمُ وَالدَّوَاعِي عَلٰى نَقْلِهٖ.

''(نبی کریم ﷺ کے والدین کے زندہ ہو کر ایمان لانے کی) یہ بات محدثین میں سے کسی سے ثابت نہیں، بلکہ علم والے اس پر متفق ہیں کہ یہ جھوٹا گھڑا ہوا

افسانہ ہے۔......لہٰذا اہل علم ومعرفت کے مابین اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ یہ واضح ترین جھوٹ ہے، جیسا کہ اہلِ علم نے اس کی تصریح کی ہے۔ اور یہ حدیث کی معتبر کتابوں میں بھی موجود نہیں ہے، نہ صحیحین میں، نہ سنن میں، نہ مسانید میں، اور نہ ہی دیگر معروف کتبِ حدیث میں۔ نیز مغازی اور تفسیر کی کتابوں کے مصنفین نے بھی اسے ذکر نہیں کیا، حالانکہ وہ ضعیف روایات کو صحیح کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں، کیونکہ اس کا واضح طور پر جھوٹ ہونا کسی بھی دین دار شخص پر مخفی نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ واقعہ حقیقت میں پیش آیا ہوتا، تو لازمی طور پر اسے نقل کرنے کے لیے تمام لوگ متوجہ ہوتے اور یہ تواتر کے ساتھ نقل ہوتا۔''

(مَجموع الفتاویٰ: 324/4)

❀ علامہ الیاس بن ابراہیم برسوی حنفی رحمہ اللہ (۸۹۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَخْفٰى عَلَيْكَ أَنَّ هٰذَا تَصْحِيحٌ بِمُجَرَّدِ الِاحْتِمَالِ، إِذْ لَمْ يَثْبُتْ ذٰلِكَ فِي الْكُتُبِ الصِّحَاحِ، وَلَمْ يَدُلَّ عَلَيْهِ نَصٌّ، كَيْفَ وَلَوْ وَقَعَ ذٰلِكَ، وَكَانَتِ الدَّوَاعِي مُتَوَفِّرَةً لِنَقْلِهٖ، لَنُقِلَ إِلَيْنَا، وَكَانَ ذٰلِكَ أَشْهَرَ مُعْجِزَاتِهٖ وَأَكْبَرَ آيَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''یہ بات آپ پر مخفی نہیں ہے کہ یہ محض احتمال کے ساتھ (نبی کریم ﷺ کے والدین کے دوبارہ زندہ کیے جانے کے نظریہ کو) درست کیا جا رہا ہے، کیونکہ یہ بات صحاح کی کتب میں ثابت نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی صریح نص دلالت کرتی ہے۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ اگر ایسا واقعہ پیش آیا ہوتا اور اس کو نقل کرنے

کے اسباب بھی مہیا ہوتے، تو یہ ہم تک ضرور (تواتر کے ساتھ) منقول ہوتا اور یہ نبی کریم ﷺ کے بڑے معجزات میں سے ہوتا۔''

(شرح الفقه الأكبر، ص 209-210)

❀ حافظ ابن دحیہ کلبی رحمہ اللہ (۶۳۳ ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْحَدِيثَ فِي إِيمَانِ أُمِّهِ وَأَبِيهِ مَوْضُوعٌ، يَرُدُّهُ الْقُرْآنُ الْعَظِيمُ وَالْإِجْمَاعُ، قَالَ اللّٰهُ الْعَظِيمُ: ﴿وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ (النساء: ۱۸)، فَمَنْ مَّاتَ كَافِرًا لَّمْ يَنْفَعْهُ الْإِيمَانُ بَعْدَ الرَّجْعَةِ، بَلْ لَّوْ آمَنَ عِنْدَ الْمُعَايَنَةِ لَمْ يَنْتَفِعْ، فَكَيْفَ بَعْدَ الْإِعَادَةِ؟

''رسول اللہ ﷺ کے والدین کے (دوبارہ زندہ ہو کر) ایمان لانے والی روایت من گھڑت ہے۔ قرآنِ کریم اور اجماعِ امت اس کا ردّ کرتے ہیں۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ﴾ (النّساء: ۱۸) (اور [ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی] جو کفر کی حالت میں فوت ہوتے ہیں)۔ چنانچہ جو بھی شخص کفر کی حالت میں فوت ہو جاتا ہے، اسے مرنے کے بعد لوٹائے جانے پر ایمان لانا فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اگر وہ ملک الموت کو دیکھنے کے بعد ایمان لائے، تو بھی اس کو کوئی فائدہ نہیں، چہ جائیکہ دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لایا جائے۔''

(التّذكرة للقرطبي، ص 140)

❀ علامہ ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ (۱۰۱۴ھ) فرماتے ہیں:

قَدِ اتَّفَقَ السَّلَفُ وَالْخَلَفُ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَالْأَئِمَّةِ

الْأَرْبَعَةِ وَسَائِرِ الْمُجْتَهِدِينَ عَلٰى ذٰلِكَ مِنْ غَيْرِ إِظْهَارِ خِلَافٍ لِّمَا هُنَالِكَ وَالْخِلَافُ مِنَ اللَّاحِقِ لَا يَقْدَحُ فِي الْإِجْمَاعِ السَّابِقِ .

''سلف وخلف میں صحابہ، تابعین، ائمہ اربعہ اور دیگر مجتہدین کا اس (نبی کریم ﷺ کے والدین کا بغیر ایمان لائے فوت ہونے) پر اتفاق ہے، کسی نے اختلاف کا اظہار نہیں کیا۔ بعد والوں کا اختلاف کرنا پہلے منعقد ہونے والے اجماع میں قدح کا باعث نہیں بنتا۔''

(أدلّة معتقد أبي حنيفة، ص 84)

سوال: تسبیح فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: تسبیح فاطمہ رضی اللہ عنہا سے مراد وہ اذکار ہیں، جو سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نبی کریم ﷺ نے رات کو سونے سے پہلے کرنے کا حکم فرمایا تھا؛ ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر۔

اس میں ایک واقعہ ہے۔

❀ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ فَاطِمَةَ عَلَيْهِمَا السَّلَامُ شَكَتْ مَا تَلْقٰى فِي يَدِهَا مِنَ الرَّحٰى، فَأَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ خَادِمًا فَلَمْ تَجِدْهُ، فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لِعَائِشَةَ، فَلَمَّا جَاءَ أَخْبَرَتْهُ، قَالَ : فَجَاءَ نَا وَقَدْ أَخَذْنَا مَضَاجِعَنَا، فَذَهَبْتُ أَقُومُ، فَقَالَ : مَكَانَكِ فَجَلَسَ بَيْنَنَا حَتّٰى وَجَدْتُ بَرْدَ قَدَمَيْهِ عَلٰى صَدْرِي، فَقَالَ : أَلَا أَدُلُّكُمَا

عَلٰى مَا هُوَ خَيْرٌ لَّكُمَا مِنْ خَادِمٍ؟ إِذَا أَوَيْتُمَا إِلٰى فِرَاشِكُمَا، أَوْ أَخَذْتُمَا مَضَاجِعَكُمَا، فَكَبِّرَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَسَبِّحَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، وَاحْمَدَا ثَلَاثًا وَثَلَاثِينَ، فَهٰذَا خَيْرٌ لَّكُمَا مِنْ خَادِمٍ.

وَعَنْ شُعْبَةَ، عَنْ خَالِدٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، قَالَ: التَّسْبِيحُ أَرْبَعٌ وَثَلَاثُونَ.

”سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو چکی پیسنے کی وجہ سے ہاتھ درد کی شکایت ہوئی، تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں خادم کا مطالبہ کرنے کے لیے آئیں، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت گھر نہیں تھے، تو آپ رضی اللہ عنہا نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مدعا کہا اور واپس چلی آئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لائے، تو عائشہ رضی اللہ عنہا نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بات کا تذکرہ کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، ہم استراحت کے لیے بستروں میں دراز ہو چکے تھے، میں نے اٹھنا چاہا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹھ جائیے اور ہمارے درمیان آ کر بیٹھ گئے، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کی ٹھنڈک میں اپنے سینے میں محسوس کر رہا تھا۔ فرمایا: ایک عمل بتاؤں، جو آپ کے لئے خادم سے بہتر ہوگا، بستر پر دراز ہونے لگیں، تو 33 بار اللہ اکبر، 33 بار سبحان اللہ اور 33 الحمد للہ پڑھ لیا کریں، یہ آپ کے لیے خادم سے بہتر ہے، ابن سیرین رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ سبحان اللہ 34 بار کہنا ہے۔“

(صحيح البخاري: 6318؛ صحيح مسلم: 2727)

❁ ایک روایت میں اللہ اکبر 34 بار کا ذکر ہے۔

(صحيح البخاري: 5362)

اسی روایت کے الفاظ ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے یہ تسبیحات سننے کے بعد انہیں کبھی ترک نہ کیا، حتیٰ جس دن جنگ صفین ہوئی، اس رات بھی ترک نہیں کیا۔

(صحیح البخاري : 5362)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا خَبَرٌ صَحِيحٌ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ .

”یہ حدیث صحیح ہے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔“

(مِنهاج السّنة : 183/7)

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِي وَأَخَذَ بِيَدِ عَلِيٍّ فَصَلّٰى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ رَفَعَ يَدَهٗ إِلَى السَّمَاءِ فَقَالَ : اَللّٰهُمَّ سَأَلَكَ مُوسَى بْنُ عِمْرَانَ، وَإِنَّ مُحَمَّدًا سَأَلَكَ أَنْ تَشْرَحَ لِي صَدْرِي، وَتُيَسِّرَ لِي أَمْرِي، وَتَحُلَّ عُقْدَةً مِّنْ لِسَانِي يَفْقَهُوا قَوْلِي، وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي، عَلِيًّا اشْدُدْ بِهٖ أَزْرِي، وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي، قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : فَسَمِعْتُ مُنَادِيًا يُنَادِي : يَا أَحْمَدُ، قَدْ أُوتِيتَ مَا سَأَلْتَ، فَقَالَ النَّبِيُّ : يَا أَبَا الْحَسَنِ، ارْفَعْ يَدَكَ إِلَى السَّمَاءِ، وَادْعُ رَبَّكَ وَسَلْهُ يُعْطِكَ، فَرَفَعَ عَلِيٌّ يَدَهٗ إِلَى السَّمَاءِ وَهُوَ يَقُولُ : اللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِي عِنْدَكَ عَهْدًا

وَاجْعَلْ لِي عِندَكَ وُدًّا، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَى نَبِيِّهٖ : ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا﴾(مريم : ٩٦)، فَتَلَاهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَصْحَابِهٖ فَعَجِبُوا مِنْ ذٰلِكَ عَجَبًا شَدِيدًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مِمَّ تَعْجَبُونَ؟ إِنَّ الْقُرْآنَ أَرْبَعَةُ أَرْبَاعٍ؛ فَرُبْعٌ فِينَا أَهْلَ الْبَيْتِ خَاصَّةً، وَرُبْعٌ فِي أَعْدَائِنَا، وَرُبْعٌ حَلَالٌ وَحَرَامٌ، وَرُبْعٌ فَرَائِضُ وَأَحْكَامٌ، وَاللّٰهُ أَنْزَلَ فِي عَلِيٍّ كَرَائِمَ الْقُرْآنِ .

رسول اللہ ﷺ نے میرا (ابن عباس رضی اللہ عنہ کا) اور علی کا ہاتھ پکڑا۔ پھر چار رکعت نماز پڑھی۔ پھر آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور یوں دعا کی: اللہ! موسیٰ بن عمران نے تجھ سے سوال کیا اور بے شک محمد بھی تجھ سے سوال کرتا ہے کہ تو میرا سینہ کھول دے، میرا معاملہ آسان کر دے، میری زبان کی گرہ کھول دے تاکہ لوگ میری بات سمجھ سکیں اور میرے اہل میں سے ایک وزیر بنا، یعنی علی کو، اس کے ذریعے میری کمر مضبوط کر اور اسے میرے کام میں شریک کر۔ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے ایک منادی کو سنا، جو ندا دے رہا تھا: اے احمد! آپ نے جو مانگا تھا، وہ سب دے دیا گیا۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ابوالحسن (سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کنیت)! اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائیے، اپنے رب سے دعا کیجئے اور اس سے سوال کیجئے، وہ تجھے عطا کرے گا۔ سو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے اور دعا کی

:اللہ! اپنے پاس میرے لیے ایک عہد بنا دے اور اپنے پاس میرے لیے محبت رکھ دے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا﴾ (مریم : ٩٦) ''بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے، عنقریب رحمان ان کے لیے محبت پیدا کر دے گا۔'' چنانچہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تلاوت کی، تو وہ اس پر بہت زیادہ تعجب کرنے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تعجب کس بات پر؟ بے شک قرآن کریم کے چار حصے ہیں؛ ایک حصہ خاص ہمارے اہل بیت کے بارے میں ہے، ایک حصہ ہمارے دشمنوں کے بارے میں ہے، ایک حصہ حلال و حرام کے بارے میں ہے اور ایک حصہ فرائض و احکام کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے علی کے بارے میں قرآن کریم کی بہترین آیات نازل کی ہیں۔''

(مَناقب علي لابن المَغازلي : 375)

جواب: روایت باطل ہے۔

① احمد بن موسیٰ بن اسحاق حرامی کی توثیق نہیں۔

② حسین بن ثابت بن انس بن ظہیر مدینی خادم موسیٰ بن جعفر مجہول ہے۔

✿ اسے امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے ''مجہول'' کہا ہے۔

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 48/3)

③ ثابت بن انس بن ظہیر بھی مجہول ہے۔

✿ اسے امام ابو حاتم رحمہ اللہ نے ''مجہول'' کہا ہے۔

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 449/2)

④ ابو اسحاق مدینی کا تعین وتوثیق مطلوب ہے۔

⑤ عمر بن محمد بن یوسف کون ہے؟ معلوم نہیں۔

⑥ ابو اسحاق ابراہیم بن طلحہ بن غسان بصری کی توثیق نہیں۔

❁ ابو جعفر محمد بن علی باقر رحمہ اللہ سے مروی ہے:

لَمَّا نَزَلَتْ : ﴿وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهٖ أَزْرِي﴾ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى جَبَلٍ ثُمَّ دَعَا رَبَّهٗ وَقَالَ : اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ أَزْرِي بِأَخِي عَلِيٍّ فَأَجَابَهٗ إِلٰى ذٰلِكَ .

''جب آیت کریمہ: ﴿وَاجْعَلْ لِّي وَزِيرًا مِّنْ أَهلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهٖ أَزْرِي﴾ ''میرے لیے میرے گھر والوں میں سے ہارون کو وزیر بنا دے، جو میرا بھائی ہے، اس کے ذریعے میری کمر مضبوط کر دے۔'' نازل ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک پہاڑ پر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا فرمائی: اللہ! میرے بھائی علی کے ذریعے میری کمر مضبوط کر دے، تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کو قبول فرمایا۔''

(الدّر المَنثور للسّيوطي : 566/5)

باطل روایت ہے۔ اس کی مکمل سند پر آگاہی نہیں ہوسکی۔ نیز ابو جعفر باقر رحمہ اللہ یہ روایت براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کررہے ہیں، جوکہ سند منقطع ہے۔

❁ حافظ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بِسَنَدٍ وَاهٍ .

”اس کی سند سخت ضعیف ہے۔“

(الدّر المَنثور : 566/5)

سوال: عدالت صحابہ کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چنیدہ لوگ ہیں، ان کی عدالت قرآن وسنت میں اتنی واضح ہے کہ انہیں کسی کی توثیق کی چنداں ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ظاہری وباطنی پاکیزگی اور عدالت کی گواہی دی ہے۔ ان کے ایمان اور صداقت کو بیان کیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تربیت کی ہے اور ان کی تعریف وتوصیف فرمائی ہے۔
گوکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درجات میں باہم تفاوت ہے، مگر تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قطعی جنتی اور عادل ہیں۔

ہر دور کے اہل سنت والجماعت اور ائمہ محدثین کا یہی عقیدہ رہا ہے۔ جن محدثین اور ائمہ جرح وتعدیل نے راویانِ حدیث پر جرح وتعدیل کے کلمات ذکر کیے ہیں، انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کلمات جرح اور کلمات تعدیل سے مستثنیٰ کیا ہے اور عملی طور پر کسی کے عدالت کو ڈھونڈنے یا ٹٹولنے کی جسارت نہیں کی، کیونکہ انہیں اللہ اور اس کے سچے رسول کی طرف سے تعدیل اور توثیق حاصل ہو چکی ہے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

كَانَ الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ ثِقَاتٍ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ وَالْفِقْهِ .

”سارے کے سارے صحابہ ثقہ ہیں، اس پر محدثین اور فقہا کا اتفاق ہے۔“

(مِنهاج السّنة النّبوية : 457/2)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۸۹)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا ہر دور میں بنو ہاشم کے پاس زیادہ علم رہا؟

جواب: علم کا حصول ہر مسلمان کے توجہ، دھیان، کوشش اور عنایت پر منحصر ہے، جو جتنی زیادہ توجہ حصول علم پر کرے گا، اسے اتنا زیادہ علم حاصل ہوگا۔ علم کا حصول بنو ہاشم کے ساتھ خاص نہیں ہے۔

ہر دور میں کئی ایسے غیر ہاشمی علما گزرے ہیں، جو ہاشمی علما سے زیادہ علم وفہم رکھتے تھے، بلکہ ہاشمی علما غیر ہاشمی علما سے کسب فیض بھی کرتے رہے، کیونکہ اعلیٰ نسب والا ہونے سے زیادہ علم والا ہونا لازم نہیں آتا۔ علم کا تعلق طلب کے ساتھ ہے، جس کی طلب اور کوشش زیادہ ہوگی، اس کے پاس زیادہ علم ہوگا۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

كُلُّ مَنْ كَانَ أَعْظَمَ اهْتِمَامًا وَعِنَايَةً بِأَحَادِيثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَلَقِّيهَا مِنْ مَظَانِّهَا كَانَ أَعْلَمَ بِهَا، وَلَيْسَ هٰذَا مِنْ خَصَائِصِ هٰؤُلَاءِ، بَلْ فِي غَيْرِهِمْ مَنْ هُوَ أَعْلَمُ بِالسُّنَّةِ مِنْ أَكْثَرِهِمْ، كَمَا يُوجَدُ فِي كُلِّ عَصْرٍ كَثِيرٌ مِّنْ غَيْرِ بَنِي هَاشِمٍ أَعْلَمُ بِالسُّنَّةِ مِنْ أَكْثَرِ بَنِي هَاشِمٍ، فَالزُّهْرِيُّ أَعْلَمُ بِأَحَادِيثِ

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَحْوَالِهِ وَأَقْوَالِهِ وَأَفْعَالِهِ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَبِي جَعْفَرٍ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، وَكَانَ مُعَاصِرًا لَّهٗ.

''جو شخص بھی نبی کریم ﷺ کی احادیث کا زیادہ اہتمام کرے، اس بارے میں گہری توجہ مرکوز کرے گا اور انہیں زیادہ حاصل کرنے کی کوشش کرے گا، تو اس کے پاس احادیث کا علم بھی زیادہ ہی ہوگا۔ یہ بنو ہاشم کا خاصہ نہیں ہے، بلکہ غیر ہاشمی بھی ایسے گزرے ہیں، جو دوسروں سے بڑھ کر سنت کا علم رکھنے والے تھے۔ ہر زمانہ میں بہت سے غیر ہاشمی علما گزرے ہیں، جو بنو ہاشم سے زیادہ سنت کا علم رکھتے تھے۔ چنانچہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ امام زہری رحمہ اللہ نبی کریم ﷺ کی احادیث مبارکہ، آپ ﷺ کے احوال، اقوال اور افعال کو امام ابو جعفر محمد بن علی باقر رحمہ اللہ سے زیادہ جاننے والے تھا، آپ رحمہ اللہ امام زہری رحمہ اللہ کے معاصر تھے۔''

(مِنہاج السّنۃ : 2/459-460)

امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ غیر ہاشمی تھے اور امام ابو جعفر باقر رحمہ اللہ ہاشمی تھے، دونوں ہم عصر تھے، لیکن سب علما یہی کہتے ہیں کہ امام زہری رحمہ اللہ غیر ہاشمی ہونے کے باوجود نسبتاً زیادہ علم والے ہیں۔ معلوم ہوا کہ زیادہ علم والا ہونا ہاشمی النسل کے ساتھ خاص نہیں۔

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَفَعَ قِرْطَاسًا مِّنَ الْأَرْضِ فِيهِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ إِجْلَالًا لِّلّٰهِ أَنْ يُدَاسَ، كَتَبَهُ اللّٰهُ مِنَ الصِّدِّيقِينَ وَخَفَّفَ عَنْ

وَالِدَيْهِ، وَإِنْ كَانَا مُشْرِكَيْنِ .

''جس نے زمین سے ورق اٹھایا، جس میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا ہوا تھا، اس کا مقصد اللہ کی تعظیم ہے کہ کہیں اس نام کو پاؤں تلے روند نہ دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ اسے صدیقین میں لکھ دیتا ہے اور اس کے والدین سے تخفیف کر دیتا ہے، خواہ اس کے والدین مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔''

(الكامل لابن عدي : 100/6، طَبَقات المُحدِّثين لأبي الشّيخ الأصبهاني : 470/3)

جواب: سند باطل ہے۔

① علاء بن مسلمہ رواس متروک ووضاع ہے۔

② ابوحفص عمر بن حفص عبدی ضعیف ومتروک ہے۔

③ ابان بن ابی عیاش بالاتفاق متروک ہے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَتْرُوكٌ بِاتِّفَاقٍ . ''یہ بالاتفاق متروک راوی ہے۔''

(اتّحاف المَهَرة : 14/10)

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ہے۔''

(المَوضوعات :227/1)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا غَيْرُ صَحِيحٍ .

”یہ حدیث ثابت نہیں ہے۔“

(میزان الاعتدال : 189/3)

❀ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ كِتَابٍ يُلْقٰى بِمَضْيَعَةٍ مِّنَ الْأَرْضِ فِيهِ اسْمٌ مِّنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ، إِلَّا بَعَثَ اللّٰهُ إِلَيْهِ وَلِيًّا مِّنْ أَوْلِيَائِهٖ، فَيَرْفَعُهٗ مِنَ الْأَرْضِ، وَمَنْ رَفَعَ كِتَابًا فِيهِ اسْمٌ مِنْ أَسْمَاءِ اللّٰهِ، رَفَعَهُ اللّٰهُ فِي عِلِّيِّينَ، وَخَفَّفَ عَنْ وَالِدَيْهِ الْعَذَابَ، وَإِنْ كَانَا مُشْرِكَيْنِ .

”جس ورق پر اللہ کا نام لکھا ہو اور اسے جنگل بیابان میں پھینک دیا جائے، تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف اپنے اولیاء میں سے ایک ولی بھیجتا ہے، وہ اس ورق کو زمین سے اٹھالیتا ہے۔ جس نے ایسا ورق اٹھایا، جس میں اللہ تعالیٰ کا نام درج ہے، تو اللہ تعالیٰ علیین میں اس کا درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کے والدین سے تخفیف کر دیتا ہے، خواہ اس کے والدین مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔“

(المُعجم الصّغير للطّبراني : 403، التّرغيب في فضائل الأعمال لابن شاهين : 554، المَشِيخة البغدادية لأبي الطّاهر السِّلَفي، الجزء : 43، الرقم : 18)

سند باطل ہے۔

① غیاث بن طلق مجہول و نامعلوم ہے، بعض نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔

❀ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ كَذَّبُوهُ .

”محدثین نے اسے کذاب قرار دیا ہے۔“

(العِلَل المُتناهية :81/1)

② حفص بن غیاث کا عنعنہ ہے۔

حفص بن غیاث سے نیچے سند کے مختلف طریق ہیں، سب کے سب ضعیف ہیں۔

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رُوِيَ عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ هٰذَا الْمَتْنُ مِنْ وَجْهٍ لا يَصِحُّ .

”علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے یہی متن غیر ثابت سند کے ساتھ مروی ہے۔“

(الكامل في ضُعفاء الرّجال : 101/6)

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ رَفَعَ كِتَابًا عَنِ الطَّرِيقِ فَجَعَلَهٗ فِيمَا لَا يُوطَأُ تَعْظِيمًا لاسْمِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْهُ وَعَنْ وَالِدَيْهِ وإنْ كُنَّا مُشْرِكِينِ .

”جو راستے سے ورق اٹھا کر کسی ایسی جگہ رکھ دیتا ہے، جہاں اسے روندا نہ جائے، ایسا وہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کی تعظیم کے لیے کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس سے اور اس کے والدین سے تخفیف کر دیتا ہے، خواہ اس کے والدین مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔“

(العِلَل المُتناهية :81/1)

سند باطل ہے۔

① عمر بن عبد اللہ بن ابی خثعم یمامی ضعیف و منکر الحدیث ہے۔

② ہمام بن مسلم زاہد ضعیف و متروک ہے۔

③ سلیمان بن ربیع نہدی کوفی ضعیف ہے۔

④ یحییٰ بن ابی کثیر مدلس ہیں، سماع کی تصریح نہیں کی۔

۞ مذکورہ تینوں احادیث کے متعلق حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ مَا يَصِحُّ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''ان احادیث میں سے کوئی بھی حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔''

(العِلَل المُتناهية :81/1)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

۞ سیدنا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ مِائَتَيْ آيَةٍ فِي كُلِّ يَوْمٍ نَظَرًا؛ شُفِّعَ فِي سَبْعَةِ قُبُورٍ حَوْلَ قَبْرِهٖ، وَخَفَّفَ اللّٰهُ عَنْ وَالِدَيْهِ وَإِنْ كَانَا مُشْرِكَيْنِ .

''جس نے روزانہ (مصحف سے) دیکھ کر دوسو آیات پڑھیں، تو اس کی قبر کے اردگرد سات افراد کے حق بھی شفاعت قبول کر لی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اس کے والدین سے تخفیف کر دیں گے، خواہ وہ مشرک ہی کیوں نہ ہوں۔''

(التّرغيب في فضائل الأعمال لابن شاهين : 192)

جواب: جھوٹی روایت ہے۔

① خلف بن یحییٰ مازنی متروک و کذاب ہے۔

② جعفر بن محمد مرزبان کی توثیق نہیں۔

③ اسماعیل بن عیاش کا عنعنہ ہے۔

4 خالد بن معدان کا سیدنا ابو درداء سے سماع نہیں۔

سوال: قرآن مجید لیلۃ القدر میں نازل ہوا، سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی رات ہے، جو ہر سال آتی ہے، تو پھر اسے آخری پانچ طاق راتوں میں تلاش کرنے کا کیا معنیٰ؟

جواب: اس سوال کا جواب یہ ہے کہ بے شک قرآن کریم لیلۃ القدر میں نازل ہوا، لیلۃ القدر ایک رات ہے، جو آخری عشرہ کی پانچ طاق راتوں میں سے کوئی ایک رات ہوتی ہے۔ تمام احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ رات معین نہیں، بلکہ ہر سال بدلتی رہتی ہے، مثال کے طور پر ایک سال ستائیسویں رات شب قدر ہو، دوسرے سال پچیسویں رات لیلۃ القدر ہو اور اگلے سال کوئی اور طاق رات۔

لیلۃ القدر تو ایک ہی ہے، البتہ یہ رمضان کے آخری عشرہ کی پانچ طاق راتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

رہا یہ سوال کہ قرآن کریم کا نزول تو ایک ہی رات میں ہوا، جو شب قدر ہے، تو پھر لیلۃ القدر مختلف کیوں؟، تو اس کے دو مفہوم ہو سکتے ہیں؛

① قرآن کریم لیلۃ القدر کو نازل ہوا اور یہ رات معین تھی، نبی کریم ﷺ کو اس کا علم بھی دیا گیا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے تحت اس کا علم اٹھا لیا اور نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ یہ رات آخری پانچ طاق راتوں میں تلاش کریں۔ گویا پہلے یہ رات معین تھی، بعد میں اسے غیر معین کر دیا گیا اور آخری پانچ طاق راتوں میں منحصر ہو گئی اور ان راتوں میں منتقل ہونے لگی۔ اصلاً رات ایک ہی ہے، اس کی فضیلت آخری پانچ طاق راتوں میں کسی ایک رات کو حاصل ہوتی رہتی ہے۔

② قرآن کریم کا نزول اس رات ہوا، جب اس سال لیلۃ القدر تھی، اس میں یہ ضروری نہیں کہ ہر سال لیلۃ القدر ایک ہی رات ہو۔ گویا نزول قرآن کا تعلق کسی تاریخ کے

ساتھ نہیں، بلکہ فضیلت والی رات کے ساتھ ہے، وہ آخری پانچ طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے۔ بالفاظ دیگر لیلۃ القدر نزول قرآن سے پہلے بھی تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن کے نزول کے لیے اس رات کا انتخاب کیا۔ گویا یہ رات کبھی بھی متعین نہیں رہی، ہمیشہ سے ہی بدلتی رہتی ہے۔

نتیجتاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ کی پانچ طاق راتوں میں سے کوئی رات ہے۔ اس کی تاریخ بدل سکتی ہے، معین نہیں۔

❁ امام ابوقلابہ عبداللہ بن زید جرمی رحمہ اللہ (۱۰۴ھ) فرماتے ہیں:

لَيْلَةُ الْقَدْرِ تَجُولُ فِي لَيَالِي الْعَشْرِ كُلِّهَا .

''شب قدر آخری عشرہ (کی طاق راتوں میں) منتقل ہوتی رہتی ہے۔''

(مصنّف عبد الرّزّاق : 7940، مصنّف ابن أبي شَيْبة : 9535، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام ابوبکر اثرم رحمہ اللہ (۲۷۳ھ) فرماتے ہیں:

اِنْتِقَالُ لَيْلَةِ الْقَدْرِ فِي لَيَالِي الْعَشْرِ .

''شب قدر آخری عشرہ (کی طاق راتوں میں) منتقل ہوتی رہتی ہے۔''

(ناسخ الحديث ومَنسوخه، ص 56، كشف المُشكل لابن الجَوْزي :423/1)

❁ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ تَنْتَقِلُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ فِي الْوِتْرِ عَلٰى مَا ثَبَتَ .

''شب قدر رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ احادیث میں ثابت ہے۔''

(صحیح ابن خُزَیمة، قبل الرقم : 2184)

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ (۳۵۴ھ) فرماتے ہیں:

ذِكْرُ الْخَبَرِ الدَّالِّ عَلٰى أَنَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ تَنْتَقِلُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فِي كُلِّ سَنَةٍ دُونَ أَنْ يَكُونَ كَوْنُهَا فِي السِّنِينَ كُلِّهَا فِي لَيْلَةٍ وَاحِدَةٍ .

”اس حدیث کا ذکر، جو دلیل ہے کہ شب قدر ہر سال آخری عشرہ (کی طاق راتوں میں) منتقل ہوتی رہتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ ہر سال ایک ہی معین رات ہو۔“

(صحیح ابن حِبّان، قبل الرقم : 3687)

❁ حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) ایک حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

هٰذَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ لَيْلَةَ الْقَدْرِ تَنْتَقِلُ .

”یہ حدیث دلیل ہے کہ لیلۃ القدر منتقل ہوتی رہتی ہے۔“

(الاستذکار : 406/3)

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهَا تَنْتَقِلُ فِي الْأَعْوَامِ، وَنَحْوُ هٰذَا قَوْلُ مَالِكٍ وَالثَّوْرِيِّ وَالشَّافِعِيِّ وَأَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ وَإِسْحَاقَ وَأَبِي ثَوْرٍ وَغَيْرِهِمْ : إِنَّهَا تَنْتَقِلُ فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ .

”شب قدر ہر سال منتقل ہوتی رہتی ہے۔ اسی طرح کا قول امام مالک، امام سفیان ثوری، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام اسحاق بن راہویہ اور امام ابو ثور رحمہم اللہ وغیرہم کا ہے کہ شب قدر رمضان کے آخری عشرہ (کی طاق راتوں)

میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔‘‘

(إكمال المُعلم : 4/143-144)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

أَرْجَحُهَا كُلِّهَا أَنَّهَا فِي وِتْرٍ مِنَ الْعَشْرِ الْأَخِيرِ وَأَنَّهَا تَنْتَقِلُ كَمَا يُفْهَمُ مِنْ أَحَادِيثِ هٰذَا الْبَابِ .

’’(ان ذکر کردہ بیالیس اقوال میں سے) راجح ترین قول یہ ہے کہ لیلۃ القدر آخری عشرہ کی طاق راتوں میں ہوتی ہے، البتہ یہ (ہر سال) منتقل ہوتی رہتی ہے، جیسا کہ اس باب کی احادیث سے سمجھ آتا ہے۔‘‘

(فتح الباري : 4/266)

سوال: کیا امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی اپنی کتاب فضائل الصحابہ میں روایت کردہ ہر حدیث ان کے نزدیک صحیح ہے؟

جواب: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فضائل صحابہ یا کسی دوسری کتاب میں یہ شرط نہیں لگائی کہ وہ ان میں وہی روایت نقل کریں گے، جو ان کے نزدیک یا محدثین کے نزدیک صحیح یا حسن ہوگی۔ بلکہ آپ رحمہ اللہ نے ہر طرح کی روایت نقل کی ہے۔ ان باسند احادیث میں صحیح، حسن، ضعیف، منکر اور موضوع ہر قسم کی روایات موجود ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب تک امام احمد رحمہ اللہ کسی روایت کو صراحت کے ساتھ صحیح یا حسن نہ کہہ دیں، تو محض ان کے روایت کرنے سے وہ حدیث ان کے نزدیک صحیح یا حسن کا درجہ نہیں پاتی، بلکہ کئی مرتبہ ایک روایت کو ایک کتاب میں بغیر حکم لگائے نقل کرتے ہیں اور دوسری کتاب میں اسی روایت کو منکر، شاذ یا ضعیف قرار دے دیتے ہیں۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

مُجَرَّدُ رِوَايَتِهٖ لَهٗ فِي الْفَضَائِلِ، لَوْ كَانَ رَوَاهُ؛ لَا يَدُلُّ عَلٰى صِحَّتِهٖ عِنْدَهٗ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ، فَإِنَّهٗ يَرْوِي مَا رَوَاهُ النَّاسُ، وَإِنْ لَمْ تَثْبُتْ صِحَّتُهٗ، وَكُلُّ مَنْ عَرَفَ الْعِلْمَ يَعْلَمُ أَنَّهٗ لَيْسَ كُلُّ حَدِيثٍ رَوَاهُ أَحْمَدُ فِي الْفَضَائِلِ وَنَحْوِهٖ يَقُولُ : إِنَّهٗ صَحِيحٌ، بَلْ وَلَا كُلُّ حَدِيثٍ رَوَاهُ فِي مُسْنَدِهٖ يَقُولُ : إِنَّهٗ صَحِيحٌ، بَلْ أَحَادِيثُ مُسْنَدِهٖ هِيَ الَّتِي رَوَاهَا النَّاسُ عَمَّنْ هُوَ مَعْرُوفٌ عِنْدَ النَّاسِ بِالنَّقْلِ وَلَمْ يَظْهَرْ كَذِبُهٗ، وَقَدْ يَكُونُ فِي بَعْضِهَا عِلَّةٌ تَدُلُّ عَلٰى أَنَّهٗ ضَعِيفٌ، بَلْ بَاطِلٌ، لٰكِنَّ غَالِبَهَا وَجُمْهُورَهَا أَحَادِيثُ جَيِّدَةٌ يُحْتَجُّ بِهَا .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا کسی روایت کو اپنی کتاب فضائل الصحابہ میں لانا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ روایت ان کے نزدیک صحیح ہے، کیونکہ امام احمد رحمہ اللہ اسی طرح روایات نقل کرتے ہیں، جیسے دیگر محدثین نقل کرتے ہیں، خواہ وہ روایت صحیح نہ بھی ہو۔ علم کا دَرک رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ نے فضائل صحابہ یا کسی دوسری کتاب میں جو حدیث بھی روایت کی ہو، وہ ضروری نہیں کہ صحیح ہو، بلکہ مسند احمد میں روایت کردہ بھی ہر ہر حدیث صحیح نہیں ہوتی، بلکہ امام احمد رحمہ اللہ کی نقل کردہ باسند روایات بھی اسی طرح کی ہیں، جس طرح دیگر محدثین روایت کرتے ہیں، ان میں کچھ ایسی

روایات ہوتی ہیں، جو ان راویان کی نقل کردہ ہیں، جو محدثین کے ہاں معروف ہیں اور ان کا جھوٹا ہونا ظاہر نہیں، بعض روایات ایسی ہیں، جن میں کوئی نہ کوئی ایسی علت پائی جاتی ہے، جس سے ان کا ضعیف ہونا لازم آتا ہے، بلکہ کبھی تو باطل ہونا بھی لازم آتا ہے، البتہ مسند احمد کی غالب اور اکثر احادیث جید ہیں، ان سے حجت پکڑی جاتی ہے۔''

(مِنہاج السّنة : 223/7)

سوال: درج ذیل روایت بلحاظ سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا قُرِئَتْ هٰذِهِ الْآيَةُ فِي دَارٍ إِلَّا هَجَرَتْهَا الشَّيَاطِينُ ثَلَاثِينَ يَوْمًا وَلَا يَدْخُلُهَا سَاحِرٌ وَلَا سَاحِرَةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً يَا عَلِيُّ عَلِّمْهَا وَلَدَكَ وَأَهْلَكَ وَجِيرَانَكَ فَمَا نَزَلَتْ آيَةٌ أَعْظَمُ مِنْهَا .

''جس گھر میں بھی آیۃ الکرسی پڑھی جاتی ہے، تیس دن تک شیاطین اس گھر کو خالی کر دیتے ہیں، اس میں کوئی جادوگر اور جادوگرنی چالیس راتوں تک داخل نہیں ہو سکتے۔ علی! یہ آیت اپنے بچوں، گھر والوں اور پڑوسیوں کو بھی سکھا دیں، کیونکہ (قرآن میں) اس سے زیادہ عظمت والی آیت نازل نہیں ہوئی۔''

(تفسير الثّعلبي : 63/7)

جواب: سند جھوٹی ہے۔

① محمد بن جعفر بن محمد بن علی متکلم فیہ ہے۔

② احمد بن عبد اللہ کا تعین وتوثیق درکار ہے۔

③ ابوعلی ادریس بن موسیٰ بزار کے حالات زندگی نہیں ملے۔

④ محمد بن ابی السری ازدی کی توثیق نہیں۔

⑤ ابواحمد محمد بن حسین بن فضل کون ہے؟ معلوم نہیں۔

⑥ ابوبکر محمد بن علی سروری کا اتا پتا نہیں۔

سوال: درج ذیل روایت کیسی ہے؟

❁ **کلیب بن شہاب** رحمہ اللہ سے **مروی ہے**:

خَطَبَ عُمَرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فَقَرَأَ آلَ عِمْرَانَ، وَكَانَ يُعْجِبُهُ إِذَا خَطَبَ أَنْ يَقْرَأَهَا، فَلَمَّا انْتَهٰى إِلٰى قَوْلِهٖ : ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾(آل عمران : ١٥٥) قَالَ : لَمَّا كَانَ يَوْمُ أُحُدٍ هَزَمْنَاهُمْ، فَفَرَرْتُ حَتّٰى صَعِدْتُ الْجَبَلَ، فَلَقَدْ رَأَيْتُنِي أَنْزُو كَأَنَّنِي أَرْوٰى، وَالنَّاسُ يَقُولُونَ : قُتِلَ مُحَمَّدٌ، فَقُلْتُ : لَا أَجِدُ أَحَدًا يَقُولُ قُتِلَ مُحَمَّدٌ إِلَّا قَتَلْتُهُ حَتَّى اجْتَمَعْنَا عَلَى الْجَبَلِ، فَنَزَلَتْ : ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾(آل عمران : ١٥٥) الْآيَةَ كُلَّهَا .

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ **خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے، تو آپ** رضی اللہ عنہ **نے سورت آل عمران کی تلاوت کی، آپ** رضی اللہ عنہ **عموماً خطبہ جمعہ میں سورت آل عمران پڑھنا پسند کرتے تھے۔ چنانچہ جب آپ** رضی اللہ عنہ **اس آیت پر پہنچے**: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾(آل عمران : ١٥٥) **''بلاشبہ تم میں**

سے جو لوگ دو گروہوں کے باہم قتال کرنے کے دن (یوم اُحد) پھر گئے......۔'' تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: اُحد کے دن ہم نے دشمنانِ اسلام کو شکست دے ہی دی تھی (کہ اچانک جنگ کا پاسا پلٹ گیا) چنانچہ میں (میدانِ احد سے) بھاگ نکلا اور پہاڑ پر چڑھ گیا۔ مجھے پوری طرح یاد ہے کہ میں جنگلی بکری کی طرح اچھل کود کر رہا تھا، لوگ کہہ رہے تھے کہ محمد (ﷺ) قتل ہو گئے۔ میں نے کہا: مجھے کوئی یہ کہتا دکھائی نہ دے کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے ہیں، ورنہ میں اس شخص کو قتل کر دوں گے۔ اسی اثناء میں ہم پہاڑ پر جمع ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾ (آل عمران: ١٥٥) ''بلاشبہ تم میں سے جو لوگ دو گروہوں کے باہم قتال کرنے کے دن (یوم اُحد) پھر گئے......۔''

(تفسير الطّبري : 172/6)

جواب: سند ضعیف ہے۔

① ابو ہشام محمد بن یزید رفاعی ضعیف ہے۔

جرح:

❁ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُهُمْ مُجْتَمِعِينَ عَلٰى ضَعْفِهِ.

''میں نے دیکھا کہ ابو ہشام کے علاقہ کے سبھی علما نے اس کے ضعیف ہونے پر اجماع کر لیا ہے۔''

(تاريخ بغداد للخطيب : 595/4، وسندهٗ صحيحٌ)

۞ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ يَتَكَلَّمُونَ فِيهِ، هُوَ مِثْلُ مَسْرُوقِ بْنِ الْمَرْزُبَانِ .

”ضعیف ہے، محدثین نے اس پر جرح کی ہے، یہ مسروق بن مرزبان کی طرح (ضعیف) ہے۔“

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 129/8)

امام ابوحاتم رحمہ اللہ کے نزدیک مسروق بن مرزبان ضعیف ہے، لہٰذا ابوہشام رفاعی بھی ضعیف ہے۔

۞ امام محمد بن عبداللہ بن نمیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ أَضْعَفَنَا طَلَبًا وَأَكْثَرَنَا غَرَائِبَ .

”یہ طلب حدیث میں سب سے زیادہ کمزور اور (روایت حدیث میں) سب سے زیادہ منکر روایات بیان کرنے والا ہے۔“

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 129/8)

۞ امام نسائی رحمہ اللہ نے ”ضعیف“ کہا ہے۔

(الضّعفاء والمَتروكون : 551)

۞ امام عثمان بن ابی شیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا تُخْبِرْ هٰؤُلَاءِ أَنَّهٗ يَسْرِقُ حَدِيثَ غَيْرِهٖ فَيَرْوِيهِ، قُلْتُ : أَعَلٰى وَجْهِ التَّدْلِيسِ، أَوْ عَلٰى وَجْهِ الْكَذِبِ؟ فَقَالَ : كَيْفَ يَكُونُ تَدْلِيسًا وَهُوَ يَقُولُ : حَدَّثَنَا!؟ .

”(حسین بن ادریس!) آپ لوگوں کو مت بتانا کہ ابوہشام رفاعی دوسروں کی

حدیثیں چوری کر کے بیان کر دیتا تھا، میں (حسین بن ادریس رحمہ اللہ) نے کہا: کیا ایسا وہ تدلیس کرتے ہوئے کرتا تھا یا جھوٹ بولتے ہوئے؟ فرمایا: یہ تدلیس کیسے ہو سکتی ہے، وہ تو سماع کی صراحت کا صیغہ بول رہا ہے۔‘‘

(تاريخ بغداد للخطيب : 595/4، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام عبدان بن احمد اہوازی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كُنَّا مَعَ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي شَيْبَةَ فِي جِنَازَةِ بْنِ الْبَرَادِ فَأَقْبَلَ أَبُو هِشَامٍ الرِّفَاعِيِّ مَخْضُوبَ اللِّحْيَةِ، فَقُلْتُ لِأَبِي بَكْرٍ : مَا تَقُولُ فِي أَبِي هِشَامٍ، قَالَ : أَلَا تَرَوْنَ إِلَيْهِ مَا أَحْسَنَ خِضَابَهٗ!.

’’میں امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ کے ہمراہ ابن براد (عیسیٰ بن ابی عیسیٰ) رحمہ اللہ کے جنازہ میں شریک ہوا، اسی اثنا میں ابو ہشام رفاعی آیا، اس نے داڑھی کو خضاب لگایا ہوا تھا، میں نے امام ابوبکر بن ابی شیبہ رحمہ اللہ سے پوچھا: آپ ابو ہشام کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ تو انہوں نے (دھیان بھٹکانے کے لیے) فرمایا: دیکھو تو سہی کہ اس کا خضاب کتنا خوبصورت ہے!‘‘

(الكامل لابن عدي : 528/7، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ يُخْطِيءُ وَيُخَالِفُ .

’’یہ غلطیاں کرتا تھا اور (روایتِ حدیث میں ثقات کی) مخالفت کرتا تھا۔‘‘

(الثّقات : 109/9)

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ أُنْكِرَ عَلٰى أَبِي هِشَامٍ الرِّفَاعِيِّ أَحَادِيثُ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَيَّاشٍ، عَنِ ابْنِ إِدْرِيسَ وَغَيْرِهِمَا عَنْ مَشَايِخِ الْكُوفَةِ يَطُولُ ذِكْرُهُمْ .

''ابوہشام رفاعی کی کئی احادیث منکر ہیں، جو اس نے ابوبکر بن عیاش، عبداللہ بن ادریس اور دیگر کئی کوفی مشائخ سے روایت کی ہیں، جن کا تذکرہ کرنا طوالت کا باعث ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 529/7)

۞ امام ابواحمد حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِالْقَوِيِّ عِنْدَهُمْ .

''محدثین کے ہاں قوی نہیں تھا۔''

(تهذيب التهذيب لابن حجر : 527/9)

توثیق:

۞ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ سے منقول ہے:

مَا أَرٰى بِهٖ بَأْسًا .

''میں اس میں کوئی حرج خیال نہیں کرتا۔''

(تاريخ ابن معين برواية ابن محرز : 90/1)

سند ضعیف ہے۔ ابوالعباس احمد بن محمد بن قاسم بن محرز کی توثیق نہیں۔

۞ امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا بَأْسَ بِهٖ . ''اس میں کوئی حرج نہیں۔''

(الثّقات : 2277)

۞ امام برقانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ثِقَةٌ، أَمَرَنِي أَبُو الْحَسَنِ الدَّارَقُطْنِيُّ أَنْ أُخْرِجَ حَدِيثَهٗ فِي الصَّحِيحِ .

''یہ ثقہ ہے، مجھے امام ابو الحسن دارقطنی رحمہ اللہ نے حکم دیا کہ میں ابو ہشام کی حدیث کو صحیح میں درج کروں۔''

(تاريخ بغداد للخطيب : 595/4، وسندهٗ صحيحٌ)

۞ مسلمہ بن قاسم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا بَأْسَ بِهٖ . ''اس میں کوئی حرج نہیں۔''

(تهذيب التهذيب لابن حجر : 527/9)

مسلمہ بن قاسم کی اپنی توثیق نہیں، ان کا کسی کی توثیق کرنا چہ معنی دارند؟

خلاصہ:

ابو ہشام رفاعی ضعیف ہے، جمہور محدثین اور ائمہ نے اس کی تضعیف کی ہے۔

② ابو بکر بن عیاش کثیر الخطا ہے۔

۞ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ كَثِيرُ الْغَلَطِ .

''ابو بکر بن عیاش بہت زیادہ غلطیاں کرتے تھے۔''

(سنن التّرمذي، تحت الرقم : 2567)

سوال: کیا ترک رفع الیدین پر کوئی دلیل ہے؟

جواب: نماز شروع کرتے، رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر ثابت ہے، ترک ثابت نہیں۔ اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

میں سے کسی سے بھی باسند صحیح رفع الیدین کا ترک ثابت نہیں، البتہ رفع الیدین کرنے کا ثبوت کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔ اس کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب ''رفع الیدین کا اثبات'' ملاحظہ فرمائیں۔

❁ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ لِأَبِي الْوَلِيدِ الطَّيَالِسِيِّ : مَا عُذْرُكَ عِنْدَ اللّٰهِ وَبِأَيِّ شَيْءٍ تَحْتَجُّ إِذَا أُوقِفْتَ بَيْنَ يَدَيْهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ شَهِدَ سُفْيَانُ عَلَى الزُّهْرِيِّ، وَشَهِدَ الزُّهْرِيُّ عَلٰى سَالِمٍ، وَشَهِدَ سَالِمٌ عَلٰى أَبِيهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَلَا يَفْعَلُ ذٰلِكَ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ، قَالَ عَلِيٌّ : فَرَفَعَ أَبُو الْوَلِيدِ فِي الصَّلَاةِ بَعْدَمَا أَتٰى عَلَيْهِ ثَمَانُونَ سَنَةً لَا يَرْفَعُ .

''میں نے امام ابو الولید طیالسی رحمہ اللہ سے عرض کیا: (آپ رفع الیدین نہیں کرتے) بھلا آپ اللہ کے ہاں کیا عذر پیش کریں گے اور جب آپ کو اللہ عز وجل کے سامنے کھڑا کیا جائے گا، تو آپ (اس ترک رفع الیدین پر) کیا دلیل پیش کریں گے؟ (سن لیجئے کہ) سفیان ثوری نے زہری کے بارے میں، زہری نے سالم کے بارے میں اور سالم نے اپنے والد سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں گواہی دی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے،

رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کندھوں کے برابر رفع الیدین کرتے تھے، سجدوں کے درمیان ایسا نہ کرتے تھے۔ علی بن مدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام ابوالولید طیالسی رحمہ اللہ اسی (۸۰) سال تک بغیر رفع الیدین کے نماز پڑھتے رہے، (یہ حدیث سن کر) انہوں نے رفع الیدین کرنا شروع کر دیا۔''

(معجم ابن الأعرابي : 1257، وسندهٗ صحيحٌ)

سبحان اللہ! کیا ایمان افروز واقعہ ہے، یہ ہے ایک مؤمن کی شان! اس واقعہ سے کئی باتیں سمجھ میں آئیں؛

① عدم رفع الیدین پر کوئی قابل حجت دلیل نہیں ہے، اگر ہوتی، تو شیخ الاسلام اور شیخ المحدثین امام ابوالولید طیالسی رحمہ اللہ پیش کرتے، جب اتنے بڑے محدث ہونے کے باوجود انہوں نے پیش نہیں کی اور نہ حدیث ابن عمر رضی اللہ عنہ سے معارضہ کیا، تو ان کے بعد کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ عدم رفع الیدین پر کسی ضعیف یا غیر صریح حدیث سے استدلال کرے۔

② محدثین کے ہاں رفع الیدین منسوخ نہیں تھا، وہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث کو بطور دلیل پیش کرتے تھے۔

③ محدثین کسی شخص کی تقلید نہیں کرتے تھے، بلکہ جب بھی انہیں کوئی صحیح حدیث معلوم ہوتی، تو فوراً عمل شروع کر دیتے، خواہ اس کے خلاف عمل کرتے ہوئے بیسیوں سال گزر چکے ہوں۔

④ رفع الیدین جیسے اعمال پر بھی عنداللہ مؤاخذہ ہوسکتا ہے۔ یہی عقیدہ ائمہ ومحدثین کا تھا۔ اس سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے کہ جو کہتے ہیں کہ اُمت کو رفع الیدین جیسے مسائل میں نہیں پڑنا چاہیے، حالانکہ نماز میں رفع الیدین کرنا کوئی عام مسئلہ نہیں ہے، یہ نماز

کی زینت ہے اور اسے اختیار کرنا ہر نمازی کا حق ہے۔

⑤ محدثین کو جب کسی مسئلہ پر حدیث کا علم ہو جاتا، تو وہ اپنے عمل کو حدیث کے موافق کر لیتے تھے، اسے اپنی اَنا کا مسئلہ نہیں بناتے تھے۔

اہل اسلام! رفع الیدین نبی کریم ﷺ کی سنت ہے، نبی کریم ﷺ سے رفع الیدین کا ترک ثابت نہیں، خدارا! اس پیاری سنت سے نفرت مت کیجئے اور حدیث پر عمل کا جذبہ پیدا کیجئے کہ مؤمن سے یہی مطلوب ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۹۰)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا کسی عالم کا کسی بات کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر دینا کافی ہے؟

جواب: جب تک رسول اللہ ﷺ تک اس بات کی نسبت سچ ثابت نہ ہو جائے، جو کہ متصل اور مقبول سند کے ذریعے ہی ممکن ہے، تب تک کسی کے کہنے سے نبی کریم ﷺ کا فرمان ثابت نہیں ہو جاتا۔

ہمارا دین سند کے ساتھ روایت کیا گیا ہے اور یہی اس کے محفوظ ہونے کی ضمانت ہے۔ سند والے اور سند والوں کو ماننے والے کبھی بھی دین میں بے سند بات کو داخل نہیں ہونے دیتے، بلکہ ہر کہنے والے کی بات کی تہہ تک جاتے ہیں، اگر وہ مقبول سند کے ساتھ رسول اللہ ﷺ یا صحابہ سے ثابت ہو جائے، تو اسے حرزِ جاں بنا لیتے ہیں، ورنہ کسی بات کو محض حدیث کہنے سے اس کا حدیث نبوی ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

نبی کریم ﷺ کی طرف کسی بھی بات کی نسبت کرنا نہایت احتیاط طلب معاملہ ہے، جان بوجھ کر نبی کریم ﷺ کی طرف جھوٹی بات منسوب کرنے پر جہنم کی وعید آئی ہے، لیکن مقام افسوس ہے کہ اس دور میں لوگ بے حد جری ہو گئے ہیں اور ہر سنی سنائی بات کو نبی کریم ﷺ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، خصوصاً سوشل میڈیا پر اس مذموم فعل کا ارتکاب سب سے زیادہ کیا جاتا ہے، پھر دیکھنے اور سننے والا بھی بغیر تحقیق اور جانچ کیے اسے آگے نشر کر دیتا ہے۔ یہ بے احتیاطی اور مذموم فعل ہے، اسے دین کی کاوش نہیں کہا جا سکتا۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

مُجَرَّدُ قَوْلِ الْقَائِلِ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَيْسَ حُجَّةً بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَلَوْ كَانَ حُجَّةً لَكَانَ كُلُّ حَدِيثٍ قَالَ فِي وَاحِدٍ مِّنْ أَهْلِ السُّنَّةِ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُجَّةً، وَنَحْنُ نَقْنَعُ فِي هٰذَا الْبَابِ بِأَنْ يُرْوٰى الْحَدِيثُ بِإِسْنَادِ مَعْرُوفِينَ بِالصِّدْقِ مِنْ أَيِّ طَائِفَةٍ كَانُوا، لٰكِنْ إِذَا لَمْ يَكُنِ الْحَدِيثُ لَهٗ إِسْنَادٌ، فَهٰذَا النَّاقِلُ لَهٗ، وَإِنْ كَانَ لَمْ يُكَذِّبْهُ بَلْ نَقَلَهٗ مِنْ كِتَابِ غَيْرِهٖ، فَذٰلِكَ النَّاقِلُ لَمْ يَعْرِفْ عَمَّنْ نَقَلَهٗ، وَمِنَ الْمَعْرُوفِ كَثْرَةُ الْكَذِبِ فِي هٰذَا الْبَابِ وَغَيْرِهٖ، فَكَيْفَ يَجُوزُ لِأَحَدٍ أَنْ يَشْهَدَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا لَمْ يُعْرَفْ إِسْنَادُهٗ؟ .

''اہل علم کا اتفاق ہے کہ کسی کہنے والے کا (بغیر حوالہ اور سند کے) صرف اتنا کہہ دینا کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا'' حجت نہیں ہے، اگر یہ حجت ہوتا، تو ہر وہ حدیث حجت ہوتی، جس میں اہل سنت کے کسی فرد واحد نے ''قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) کہا ہے۔ ہم اس باب میں اسی پر اکتفا کرتے ہیں کہ حدیث کسی بھی جماعت سے ہو، مگر اس کی روایت ایسے افراد کے ذریعے نقل کی گئی ہو، جو سچائی میں معروف ہوں۔ لیکن اگر حدیث کی کوئی سند نہ ہو، تو اسے نقل کرنے والا، اگر چہ خود جھوٹ نہ بھی بول رہا

ہو، بلکہ کسی اور کی کتاب سے نقل کر رہا ہو، تب بھی وہ یہ نہیں جانتا کہ اس نے کس سے نقل کیا ہے؟ یہ بات معروف ہے کہ اس باب میں (اور دیگر موضوعات میں بھی) جھوٹ کی کثرت ہے۔ تو پھر کسی کے لیے یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی ایسی بات کی نسبت کرے، جس کی سند معلوم نہ ہو؟''

(مِنھاج السّنة : 287/4)

سوال: دجال کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب: دجال کا خروج حق ہے، یہ قرب قیامت ظاہر ہوگا، مکہ اور مدینہ کے علاوہ پوری دنیا کا چکر کاٹے گا، اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی آزمائش کے لیے دجال کو کئی چیزوں پر دسترس دی ہوگی، جن کی بنا پر وہ لوگوں کے ایمان کا امتحان لے گا۔

دجال کے متعلق متواتر احادیث ہیں، ہر نبی نے اپنی اُمت کو دجال سے خبردار کیا، نبی کریم ﷺ نے سب سے زیادہ تفصیل بیان فرمائی اور خود بھی ہر نماز میں دجال سے پناہ مانگا کرتے تھے۔

لہٰذا دجال کا خروج متواتر احادیث سے ثابت ہے، ان کا انکار واضح گمراہی اور الحاد ہے، بلکہ جانتے بوجھتے دجال کا سرے سے انکار کرنا کفر ہے۔

❀ علامہ الیاس بن ابراہیم بُرسوی حنفی رحمہ اللہ (۸۹۱ھ) فرماتے ہیں:

قَدْ كَثُرَ الْأَحَادِيثُ فِي الدَّجَّالِ، وَتَعْدَادُ ذٰلِكَ يُؤَدِّي إِلَى الْإِمْلَالِ، فَمَنْ أَنْكَرَ ذٰلِكَ مِنَ الْخَوَارِجِ وَالْجَهْمِيَّةِ وَبَعْضِ أَهْلِ الْاِعْتِزَالِ فَلَا نِزَاعَ فِي أَنَّهٗ مُبْتَدِعٌ ضَالٌّ.

”دجال کے متعلق احادیث بکثرت ہیں، ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ وہ اکتاہٹ کا شکار کر دیتی ہیں، لہٰذا خوارج، جہمیہ اور بعض معتزلہ میں سے جس نے بھی دجال کا انکار کیا، تو ان کے بدعتی اور گمراہ ہونے میں (اہل سنت علما کے مابین) کوئی اختلاف نہیں۔“

(شرح الفقه الأكبر، ص 218)

سوال: تفسیر ثعلبی کی روایات کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب: تفسیر ثعلبی میں ملی جلی روایات ہیں، صحیح، حسن، ضعیف، باطل اور موضوع۔ لہٰذا اس تفسیر سے نقل کرنے میں انتہائی احتیاط برتنی چاہیے، کیونکہ بلاشبہ علامہ ابو اسحاق احمد بن محمد ثعلبی رحمہ اللہ (۴۲۷ھ) نابغہ روزگار مفسر تھے، علوم قرآن میں اپنی مثال آپ تھے، لیکن نقل روایت میں متساہل تھے، انہوں نے اپنی تفسیر میں رطب و یابس جمع کر دیا ہے، جس کی تنقیح ضروری ہے۔ علامہ ثعلبی رحمہ اللہ جان بوجھ کر جھوٹ نقل نہیں کرتے تھے، لیکن حدیث میں کمال مہارت نہ ہونے کی وجہ سے ہر سنی سنائی بات کو نقل کر دیتے تھے، چونکہ آپ رحمہ اللہ نے سندوں کا اہتمام کیا ہے، لہٰذا آپ سندیں بیان کر کے عہدہ برآ ہو گئے، آپ نقل میں معتبر ہیں، جو بات سند سے منقول ہو اور ثابت ہو، اس سے حجت پکڑنا درست ہے۔

مختصر یہ کہ تفسیر ثعلبی کی مرویات کو اصول محدثین کی روشنی میں پرکھا جائے گا، اس میں موجود ہر روایت کو بلا تحقیق بیان کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں بہت سی روایات باطل اور من گھڑت ہیں۔

❁ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۹۷ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّهُمَا لَيْسَا مِنْ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ .

’’علامہ ثعلبی رحمہ اللہ اور (ان کے تلمیذ) علامہ واحدی رحمہ اللہ حدیث کے ماہر نہ تھے۔‘‘

(المَوضوعات :240/1)

❀ نیز فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِيهِ مَا يُعَابُ بِهٖ إِلَّا مَا ضَمَّنَهٗ مِنَ الْأَحَادِيثِ الْوَاهِيَةِ الَّتِي هِيَ فِي الضَّعْفِ مُتَنَاهِيَةٌ خُصُوصًا فِي أَوَائِلِ السُّوَرِ .

’’علامہ ثعلبی رحمہ اللہ پر صرف یہ عیب لگایا جاتا ہے کہ انہوں نے اس تفسیر میں انتہاء درجہ کی ضعیف روایات داخل کر دی ہیں، خاص طور پر سورتوں کے شروع میں (ہر سورت کی خاص فضیلت بیان کرتے ہوئے)۔‘‘

(النُّجوم الزّاهرة ليوسف بن تغري الحنفي : 283/4)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

تَفْسِيرُ الثَّعْلَبِيِّ فِيهِ أَحَادِيثُ مَوْضُوعَةٌ وَأَحَادِيثُ صَحِيحَةٌ، وَمِنَ الْمَوْضُوعِ فِيهِ الْأَحَادِيثُ الَّتِي فِي فَضَائِلِ السُّوَرِ سُورَةً سُورَةً .

’’تفسیر ثعلبی میں من گھڑت اور صحیح دونوں طرح کی احادیث موجود ہیں اور من گھڑت روایات میں سے وہ احادیث بھی ہیں، جو ہر ہر سورت کے فضائل کے متعلق ہیں۔‘‘

(منهاج السّنّة : 311/7)

❀ مزید فرماتے ہیں:

لَيْسَ الثَّعْلَبِيُّ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ .

’’علامہ ثعلبی رحمہ اللہ ماہر حدیث نہ تھے۔‘‘

(منہاج السّنّة : 34/7)

❁ نیز فرماتے ہیں:

اَلثَّعْلَبِيُّ وَأَمْثَالُهٗ لَا يَتَعَمَّدُونَ الْكَذِبَ، بَلْ فِيهِمْ مِنَ الصَّلَاحِ وَالدِّينِ مَا يَمْنَعُهُمْ مِنْ ذٰلِكَ، لٰكِنْ يَنْقُلُونَ مَا وَجَدُوهُ فِي الْكُتُبِ، وَيَرْوُونَ مَا سَمِعُوهُ، وَلَيْسَ لِأَحَدِهِمْ مِنَ الْخِبْرَةِ بِالْأَسَانِيدِ مَا لِأَئِمَّةِ الْحَدِيثِ ....

”علامہ ثعلبی رحمہ اللہ اور ان جیسے دوسرے اہل علم جان بوجھ کر جھوٹ بیان نہیں کرتے، بلکہ ان میں نیکی وتقویٰ اور دین داری پائی جاتی ہے، جو انہیں جھوٹ سے باز رکھتی ہے۔ البتہ وہ جو کچھ کتابوں میں پاتے ہیں، اسے نقل کر دیتے ہیں اور جو کچھ سنتے ہیں، اسے روایت کر دیتے ہیں۔ ان میں کسی کو بھی سندوں کی پہچان میں وہ مہارت حاصل نہیں ہے، جو حدیث کے مشہور ائمہ کرام رحمہم اللہ کو حاصل ہے......۔“

(منہاج السّنّة : 310/7)

❁ نیز فرماتے ہیں:

إِنَّ الثَّعْلَبِيَّ فِيهِ خَيْرٌ وَدِينٌ، لٰكِنَّهٗ لَا خِبْرَةَ لَهٗ بِالصَّحِيحِ مِنَ الْأَحَادِيثِ، وَلَا يُمَيِّزُ بَيْنَ السُّنَّةِ وَالْبِدْعَةِ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْأَقْوَالِ .

”علامہ ثعلبی رحمہ اللہ میں خیر اور دین داری پائی جاتی ہے، لیکن انہیں احادیث میں صحیح (اور ضعیف) کی مہارت نہیں، نیز آپ رحمہ اللہ (اپنی تفسیر میں) بہت سے اقوال کے مابین سنت اور بدعت کا فرق بھی نہیں کر سکے۔“

(منهاج السّنة : 12/7)

❁ مزید فرماتے ہیں:

قَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ أَنَّ الثَّعْلَبِيَّ يَرْوِي طَائِفَةً مِّنَ الْأَحَادِيثِ الْمَوْضُوعَاتِ، كَالْحَدِيثِ الَّذِي يَرْوِيهِ فِي أَوَّلِ كُلِّ سُورَةٍ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ فِي فَضْلِ تِلْكَ السُّورَةِ، وَكَأَمْثَالِ ذٰلِكَ، وَلِهٰذَا يَقُولُونَ : هُوَ كَحَاطِبِ لَيْلٍ .

''علمائے حدیث کا اجماع ہے کہ علامہ ثعلبی رحمہ اللہ نے بہت سی من گھڑت روایات نقل کی ہیں، جیسے ہر سورت کے آغاز میں اس سورت کی فضیلت میں سیدنا ابو اُمامہ رضی اللہ عنہ سے منسوب (جھوٹی) روایت اور اس جیسی دیگر روایات۔ اسی بنا پر اہل علم کہتے ہیں کہ ثعلبی رحمہ اللہ حاطب لیل (رطب ویابس جمع کرنے والے) ہیں۔''

(منهاج السّنة : 12/7)

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

يُوجَدُ فِي كُتُبِهٖ مِنَ الْغَرَائِبِ شَيْءٌ كَثِيرٌ .

''علامہ ثعلبی رحمہ اللہ کی کتابوں میں بہت سی منکر روایات موجود ہیں۔''

(البِداية والنّهاية : 660/15)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) نے علامہ ثعلبی رحمہ اللہ پر نقد کیا ہے کہ انہوں نے بعض مقامات پر صحیح، ضعیف اور من گھڑت روایات کو یکجا کر کے لکھ دیا ہے، جس سے منکر اور بے اصل الفاظ بھی صحیح اور محفوظ متن میں داخل ہو گئے ہیں۔

(العُجاب في بيان الأسباب :654/1)

❁ علامہ محمد طاہر پٹنی حنفی رحمہ اللہ (۹۸۶ھ) فرماتے ہیں:

اَلثَّعْلَبِيُّ فِي نَفْسِهٖ كَانَ ذَا خَيْرٍ وَدِينٍ لٰكِنْ كَانَ حَاطِبَ لَيْلٍ يَنْقُلُ مَا وَجَدَ فِي كُتُبِ التَّفْسِيرِ مِنْ صَحِيحٍ وَضَعِيفٍ وَمَوْضُوعٍ .

''علامہ ثعلبی رحمہ اللہ ذاتی طور پر خیر والے اور دین دار ہیں، مگر آپ رحمہ اللہ حاطب لیل تھے، کتب تفسیر میں جو صحیح، ضعیف یا من گھڑت روایت پاتے، اسے آگے نقل کر دیتے تھے۔''

(تذكرة المَوضوعات، ص 84)

❁ علامہ کتانی رحمہ اللہ (۱۳۴۵ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ لَهٗ وَلَا لِشَيْخِهِ الثَّعْلَبِيِّ كَبِيرُ بُضَاعَةٍ فِي الْحَدِيثِ بَلْ فِي تَفْسِيرَيْهِمَا وَخُصُوصًا الثَّعْلَبِيِّ أَحَادِيثُ مَوْضُوعَةٌ وَقِصَصٌ بَاطِلَةٌ .

''علامہ واحدی رحمہ اللہ (۴۶۸ھ) اور ان کے شیخ علامہ ثعلبی رحمہ اللہ کو حدیث میں خاص مہارت نہ تھی۔ دونوں کی تفاسیر میں عموماً اور علامہ ثعلبی رحمہ اللہ کی تفسیر میں خصوصاً من گھڑت احادیث اور باطل قصوں کی بہتات ہے۔''

(الرّسالة المُستطرفة، ص 79)

سوال: درج ذیل واقعہ کے متعلق راہنمائی درکار ہے؟

❁ روایت ہے:

''غزوہ بدر کے قیدیوں میں ابو عزیز بن عمیر بھی تھے، جو حضرت مصعب بن

عمیر رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔ ان کا بیان ہے کہ میں جن انصار کے گھر میں قید تھا، یہ حال تھا کہ صبح وشام جب کھانا لاتے، تو پورا کھانا میرے سامنے رکھ دیتے اور خود کھجوریں کھاتے۔ مجھے سخت شرم آتی۔ بار بار اصرار کرتا کہ آپ لوگ بھی روٹی کھائیں، لیکن وہ نہیں مانتے تھے اور ہمیشہ ان کا ایک ہی جواب ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ قیدیوں کے ساتھ نیک سلوک کریں۔''

جواب: یہ واقعہ سیرۃ ابن ہشام (۱/ ۶۴۵) اور تاریخ طبری (۲/ ۲۶۰) میں مذکور ہے۔ اس کی سند معضل (سخت منقطع) ہے۔ نبیہ بن وہب وسطی تابعین میں سے ہے اور براہ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہا ہے، لہٰذا پے در پے کم سے کم دو راوی ساقط ہیں۔

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهٗ خَطَبَ النَّاسَ يَوْمًا، فَقَالَ فِي خُطْبَتِهٖ : وَأَعْجَبُ مَا فِي الْإِنْسَانِ قَلْبُهٗ، وَلَهُ مَوَادُّ مِنَ الْحِكْمَةِ، وَأَضْدَادٌ مِّنْ خِلَافِهَا، فَإِنْ سَنَحَ لَهُ الرَّجَاءُ أَوْلَهَهُ الطَّمَعُ، وَإِنْ هَاجَ بِهِ الطَّمَعُ أَهْلَكَهُ الْحِرْصُ، وَإِنْ مَلَكَهُ الْيَأْسُ قَتَلَهُ الْأَسَفُ، وَإِنْ عَرَضَ لَهُ الْغَضَبُ اشْتَدَّ بِهِ الْغَيْظُ، وَإِنْ أَسْعَدَ بِالرِّضَا نَسِيَ التَّحَفُّظَ، وَإِنْ نَالَهُ الْخَوْفُ شَغَلَهُ الْحُزْنُ، وَإِنْ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ قَصَمَهُ الْجَزَعُ، وَإِنْ أَفَادَ مَالًا أَطْغَاهُ الْغِنٰى، وَإِنْ عَضَّتْهُ فَاقَةٌ شَغَلَهُ الْبَلَاءُ، وَإِنْ أَجْهَدَهُ الْجُوعُ فَنَدَّ بِهِ الضَّعْفُ، فَكُلُّ تَقْصِيرٍ بِهِ

مُضِرٌّ، وَكُلُّ إِفْرَاطٍ لَهُ مُفْسِدٌ .

فَقَامَ إِلَيْهِ رَجُلٌ مِمَّنْ كَانَ شَهِدَ مَعَهُ الْجَمَلَ، فَقَالَ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَخبِرْنَا عَنِ الْقَدَرِ، فقَالَ : بَحْرٌ عَمِيقٌ، فَلَا تَلِجْهُ، قَالَ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَخبِرْنَا عَنِ الْقَدَرِ، قَالَ : بَيْتٌ مُظْلِمٌ، فَلَا تَدْخُلْهُ، قَالَ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَخبِرْنَا عَنِ الْقَدَرِ، قَالَ : سِرُّ اللّٰهِ، فَلَا تَتَكَلَّفْهُ، قَالَ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! أَخبِرْنَا عَنِ الْقَدَرِ، قَالَ : أَمَا إِذَا أَبَيْتَ، فَإِنَّهُ أَمْرٌ بَيْنَ أَمْرَيْنِ، لَا جَبْرَ وَلَا تَفْوِيضَ، قَالَ : يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! إِنَّ فُلَانًا يَقُولُ بِالْاِسْتِطَاعَةِ وَهُوَ حَاضِرٌ، فَقَالَ : عَلَيَّ بِهٖ، فَأَقَامُوهُ، فَلَمَّا رَآهُ سَلَّ مِنْ سَيْفِهٖ قَدْرَ أَرْبَعِ أَصَابِعَ، فَقَالَ : الْاِسْتِطَاعَةُ تَمْلِكُهَا مَعَ اللّٰهِ أَوْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ؟ وَإِيَّاكَ أَنْ تَقُولَ أَحَدَهُمَا، فَتَرْتَدَّ، فَأَضْرِبَ عُنُقَكَ، قَالَ : فَمَا أَقُولُ، يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَ : قُلْ : أَمْلِكُهَا بِاللّٰهِ الَّذِي إِنْ شَاءَ مَلَّكَنِيهَا .

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک دن خطبہ دیا اور فرمایا: انسان کے وجود میں سب سے حیرت انگیز چیز اس کا دل ہے، جس میں حکمت کے سرچشمے بھی موجود ہیں اور اس کے برعکس چیزیں بھی۔ اگر امید اس پر غالب آجائے، تو اسے طمع میں ڈال دیتی ہے، اگر طمع بھڑک اٹھے، تو اسے حرص ہلاک کر دیتا ہے، اگر مایوسی اس پر قابو پا لے، تو افسوس اسے ختم کر دیتا ہے، اگر غصہ چڑھ آئے، تو غیظ بڑھ جاتا ہے، اگر رضا حاصل ہو، تو احتیاط کو بھول جاتا ہے، اگر خوف لاحق ہو، تو غم میں

مبتلا ہو جاتا ہے، اگر مصیبت آئے، تو جزع وفزع اسے توڑ کر رکھ دیتا ہے، اگر مال حاصل کرے، تو دولت اسے سرکش بنا دیتی ہے، اگر تنگ دستی میں ہو، تو مصیبت اسے گھیر لیتی ہے اور اگر بھوک ستائے، تو کمزوری اسے نڈھال کر دیتی ہے۔ ہر قسم کی کوتاہی نقصان دہ اور ہر قسم کی زیادتی تباہ کن ہے۔

اتنے میں ایک شخص جو جنگ جمل میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھا، کھڑا ہوا اور عرض گزار ہوا: امیر المومنین! ہمیں تقدیر کے بارے میں بتائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ گہرا سمندر ہے، اس میں مت اتریں۔ اس نے پھر پوچھا: امیر المومنین! ہمیں تقدیر کے بارے میں بتائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ ایک اندھیری کوٹھری ہے، اس میں داخل نہ ہوں۔ اس نے دوبارہ عرض کیا: امیر المومنین! ہمیں تقدیر کے بارے میں بتائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا راز ہے، اسے جاننے کا تکلف مت کریں۔ اس نے پھر کہا: امیر المومنین! ہمیں تقدیر کے بارے میں بتائیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: گر آپ سننا ہی چاہتے ہیں، تو سنیں؛ یہ معاملہ دو انتہاؤں کے درمیان ہے، نہ مکمل جبر ہے اور نہ مکمل اختیار۔ اس شخص نے کہا: امیر المومنین! فلاں شخص استطاعت (قدرت) کا قائل ہے اور وہ یہیں موجود ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسے میرے پاس لائیں، جب وہ آدمی آپ رضی اللہ عنہ کے سامنے آیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی تلوار کو چار انگلیوں کے برابر کھینچا اور فرمایا: استطاعت اللہ تعالیٰ کے ساتھ حاصل ہوتی ہے یا اس کے بغیر؟ خبردار! اگر ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کیا، تو تم مرتد ہو جاؤ گے اور میں تمہاری گردن اڑا دوں گا۔ اس شخص نے کہا: تو پھر میں کیا کہوں،

امیر المومنین! آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کہو کہ میں استطاعت کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ رکھ کر مانتا ہوں، اگر وہ چاہے، تو مجھے اس کا مالک بنا دے۔“

(مَناقب الشّافعي للبيهقي : 416/1، تاريخ ابن عساكر : 182/51-183، كنز العُمّال للمتقي الهندي : 1567)

(جواب): سند باطل ہے۔

① ابو طاہر محمد بن ابراہیم بن احمد محتسب کی توثیق نہیں۔

② محمد بن ہارون بن حسان کے حالات زندگی نہیں ملے۔

③ یحییٰ بن سلیم طائفی سیء الحفظ ہے۔

(سوال): کیا روافض کے اختلاف کرنے سے اجماع ختم ہو جاتا ہے؟

(جواب): اجماع میں اہل سنت والجماعت کے علما کا متفق ہونا ضروری ہے۔ منحرفین اور ضالین کا اجماع میں کوئی اعتبار نہیں، ان کے اختلاف یا اتفاق سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

غالی روافض کہ جن کے عقائد میں کفر و شرک عیاں ہے، ان کی رائے کی طرف دھیان نہیں دیا جائے گا، کیونکہ ان کا اتفاق کرنا یا نہ کرنا برابر ہے۔ پس اگر کسی مسئلہ پر اہل سنت علما متفق ہیں، جبکہ روافض مخالفت کرتے ہیں، تو وہ مسئلہ اجماعی و اتفاقی ہی ہے۔

❁ علامہ بابرتی حنفی رحمہ اللہ (۷۸۶ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ لَا يَخْلُو مِنْ أَنْ يَكُونَ مُبْتَدِعًا بِمَا يُوجِبُ الْكُفْرَ بِصَرِيحِهٖ، كَغُلَاةِ الرَّوَافِضِ وَالْمُجَسِّمَةِ، أَوْ لَا، فَإِنْ كَانَ الْأَوَّلُ فَلَا نِزَاعَ فِي عَدَمِ اعْتِبَارِ خِلَافِهٖ وَوِفَاقِهٖ؛ لِأَنَّهٗ كَافِرٌ، وَالْإِجْمَاعُ كَرَامَةٌ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ خَاصَّةً.

”بدعتی میں یا تو ایسی بدعت پائی جائے گی، جو کفر صریح پر دلالت کرے، جیسے غالی روافض اور مجسمہ (اللہ تعالیٰ کے لیے مخلوق کی طرح جسم ثابت کرنے والے) ہیں، یا وہ بدعت کفر صریح پر دلالت نہیں کرے گی۔ اگر وہ بدعت پہلی قسم سے تعلق رکھتی ہے (یعنی کفر صریح پر دلالت کرتی ہے)، تو اس میں (اہل سنت علما کے مابین) کوئی اختلاف نہیں کہ ایسے بدعتی کے اختلاف یا اتفاق کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ کافر ہے اور ”اجماع“ اس اُمت کا خاصہ ہے۔“

(شرح مختصر ابن الحاجب :537/1)

دین کے کئی عقائد اور احکام ایسے ہیں، جن پر پوری کی پوری اُمت کا اتفاق ہے، مگر روافض نے مخالفت کی ہے، جیسے قرآن کے محفوظ و مامون ہونے کا عقیدہ، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی افضلیت و اَولیت، سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت بلافصل اور موزوں پر مسح سمیت کئی عقائد و احکام شرعیہ وغیرہ۔

اب مذکورہ بالا اور ان جیسے دیگر عقائد کو اختلافی نہیں کہا جائے گا کہ روافض نے اختلاف کیا ہے، بلکہ یہ سب عقائد و مسائل اجماعی ہیں، کیونکہ اہل سنت نے ان پر اجماع کر لیا ہے، وللہ الحمد! اس اجماع کے بعد روافض کے اختلاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا أُكِلَ لَحْمُهُ فَلَا بَأْسَ بِبَوْلِهِ .

”جس کا گوشت کھایا جاتا ہے، اس کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں۔“

(سنن الدّارقطني :461)

جواب: روایت باطل ہے۔

① یحییٰ بن علاء بجلی کذاب ووضاع ہے۔

② عمرو بن حصین عقیلی متروک ومنکرالحدیث ہے۔

✿ امام ابن عدی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''غیر محفوظ'' قرار دیا ہے۔

(الكامل في ضُعفاء الرّجال : 26/9)

✿ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَثْبُتُ . ''یہ روایت ثابت نہیں۔''

(سنن الدّارقطني، تحت الرقم : 461)

❀ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا بَأْسَ بِبَوْلِ مَا أُكِلَ لَحْمُهُ .

''ماکول اللحم جانور کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں۔''

(سنن الدّارقطني : 460، 462)

سند باطل ہے۔ سوار بن مصعب ہمدانی ضعیف ومتروک ہے۔

✿ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَتْرُوكٌ عِنْدَ جَمِيعِ أَهْلِ النَّقْلِ، مُتَّفَقٌ عَلٰى تَرْكِ الرِّوَايَةِ عَنْهُ .

''تمام محدثین کے نزدیک متروک ہے، اس سے روایت لینے کو ترک کرنے پر اتفاق کیا گیا ہے۔''

(المُحلّٰی : 180/1)

✿ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَصِحُّ فِي هٰذَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْءٌ .

''اس باب میں نبی کریم ﷺ سے کوئی (واضح) روایت ثابت نہیں۔''

(السّنن الكبرىٰ: 579/2)

۞ حافظ ابن حزم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا خَبَرٌ بَاطِلٌ مَوْضُوعٌ .

''یہ روایت باطل اور من گھڑت ہے۔''

(المُحلّٰى: 180/1)

۞ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِي هٰذَيْنِ الْحَدِيثَيْنِ مَقَالٌ .

''ان دونوں حدیثوں پر (سخت) کلام ہے۔''

(التّحقيق في أحاديث الخِلاف: 102/1)

۞ حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ضعیف اور باطل روایات میں ذکر کیا ہے۔

(مَجموع الرسائل، ص 91)

۞ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كِلَاهُمَا ضَعِيفٌ . ''دونوں روایات ضعیف ہیں۔''

(المَجموع: 549/2)

۞ حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْجَوَاب عَنْ حَدِيثِ جَابِرٍ أَنَّهُ ضَعِيفٌ جِدًّا، لَا يَجُوزُ الْاِحْتِجَاجُ

بِهِ ...... وَالْجَوَابُ عَنْ حَدِيثِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ أَنَّهُ ضَعِيفٌ أَيْضًا جِدًّا .

''حدیث جابر رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ یہ انتہائی ضعیف روایت ہے، اس سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔ ......جبکہ حدیث براء بن عازب رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی سخت ضعیف روایت ہے۔''

(البدر المنير :573/1)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِسْنَادُ كُلٍّ مِنْهُمَا ضَعِيفٌ جِدًّا .

''ان دونوں روایات کی سند سخت ضعیف ہے۔''

(التّلخيص الحبير :196/1)

فائدہ:

مذکورہ الفاظ کے ساتھ کوئی روایت ثابت نہیں، مگر یہ مسئلہ اپنی جگہ درست ہے کہ ماکول اللحم جانور کا پیشاب پلید نہیں ہوتا۔ اگر حلال جانور کا پیشاب کپڑوں کو لگ جائے، تو نماز ہو جاتی ہے۔اس پر کئی دلائل موجود ہیں۔

❀ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''قبیلہ عکل یا عرینہ کے کچھ لوگ آئے ، ان کو مدینہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیت المال کی اونٹنیوں کے پاس جانے اوران کا پیشاب اور دودھ پینے کا حکم دیا۔ چنانچہ وہ چلے گئے، جب وہ (دودھ اور پیشاب ملا کر پینے سے) تندرست ہو گئے ......۔''

(صحيح البخاري : 233، صحيح مسلم : 1671)

فقہائے امت نے اس حدیث سے یہی سمجھا ہے کہ حلال جانوروں کا پیشاب وغیرہ پاک ہوتا ہے۔

۞ شاہ ولی اللہ دہلوی رحمہ اللہ (۱۱۷۶ھ) امام بخاری رحمہ اللہ کی تبویب کی وضاحت کرتے ہیں:

غَرْضُهٗ إِثْبَاتُ طَهَارَةِ أَبْوَالِ الدَّوَابِّ الْمَأْكُولَةِ لَحْمُهَا .

''امام بخاری رحمہ اللہ کی مراد یہ ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب پاک ہیں۔''

(شرح تراجم أبواب صحيح البخاري، ص 98)

سوال: درج ذیل آیت کریمہ میں ''محیض'' سے کیا مراد ہے؟

۞ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ....﴾ (البقرة : ٢٢٢)

''وہ آپ سے حیض کے متعلق دریافت کرتے ہیں......۔''

جواب: محیض کا لفظ اگرچہ ظرف زمان اور ظرف مکان ہوسکتا ہے، مگر یہاں آیت کریمہ میں ﴿الْمَحِيض﴾ سے مراد حیض ہے۔ یہ اسم مصدر ہے، جبکہ اس مادہ سے اصل مصدر «حَيْضٌ» آتا ہے۔ بہر حال اس جگہ ﴿الْمَحِيض﴾ کا اطلاق بالاتفاق دمِ حیض پر ہوا ہے۔

۞ علامہ ابوالحسن ماوردی رحمہ اللہ (۴۵۰ھ) فرماتے ہیں:

الْمَحِيضُ فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ عِبَارَةٌ عَنْ دَمِ الْحَيْضِ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ .

”اس مقام پر ﴿الْمَحِيض﴾ سے مراد حیض کا خون ہے۔ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔“

(الحاوي الكبير :381/1)

سوال: ابن مغازلی کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: ابو الحسن علی بن محمد واسطی مغازلی المعروف ”ابن جلابی“ (۴۸۳ھ) فقیہ تھے۔ آپ کی مشہور کتاب مناقب امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ مطبوع ہے۔ اس میں بے شمار باطل، بے اصل اور من گھڑت روایات ہیں۔ گو کہ آپ نے سندوں کا اہتمام کیا ہے، مگر اس میں بیشتر اسانید مجہول و نامعلوم راویوں پر مشتمل ہیں۔ اس لیے کسی روایت کا اس کتاب میں آ جانا قبول روایت کے لیے کافی نہیں، کیونکہ نہ تو ابن مغازلی ماہر حدیث تھے اور نہ انہوں نے صحیح حدیث کا اہتمام کیا ہے۔ اس لیے ابن مغازلی نقل روایت میں معتبر نہیں۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْمَغَازِلِيُّ لَيْسَ مِنْ أَهْلِ الْحَدِيثِ، كَأَبِي نُعَيْمٍ وَأَمْثَالِهٖ، وَلَا هُوَ أَيْضًا مِنْ جَامِعِي الْعِلْمِ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ مَا غَالِبُهٗ حَقٌّ وَبَعْضُهٗ بَاطِلٌ؛ كَالثَّعْلَبِيِّ وَأَمْثَالِهٖ، بَلْ هٰذَا لَمْ يَكُنِ الْحَدِيثُ مِنْ صَنْعَتِهٖ، فَعَمَدَ إِلٰى مَا وَجَدَهٗ مِنْ كُتُبِ النَّاسِ مِنْ فَضَائِلِ عَلِيٍّ فَجَمَعَهَا، كَمَا فَعَلَ أَخْطَبُ خُوَارِزْمَ، وَكِلَاهُمَا لَا يَعْرِفُ الْحَدِيثَ، وَكُلٌّ مِّنْهُمَا يَرْوِي فِيمَا جَمَعَهٗ مِنَ الْأَكَاذِيبِ الْمَوْضُوعَةِ، مَا لَا يَخْفٰى أَنَّهٗ كَذِبٌ عَلٰى أَقَلِّ عُلَمَاءِ النَّقْلِ وَالْحَدِيثِ.

وَلَسْنَا نَعْلَمُ أَنَّ أَحَدَهُمَا يَتعَمَّدُ الْكَذِبَ فِيمَا يَنْقُلُهُ، وَلٰكِنَّ الَّذِي تيَقَّنَّاهُ أَنَّ الْأَحَادِيثَ الَّتِي يَرْوُونَها فِيها مَا هُوَ كَذِبٌ كَثِيرٌ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَمَا قَدْ كَذَّبَهُ النَّاسُ قَبْلَهُمْ، وَهُمَا وَأَمْثَالُهُمَا قَدْ يَرْوُونَ ذٰلِكَ وَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّهٗ كَذِبٌ، وَقَدْ يَعْلَمُونَ أَنَّهٗ كَذِبٌ، فَلَا أَدْرِي هَلْ كَانَا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ بِأَنَّ هٰذَا كَذِبٌ؟ أَوْ كَانَا مِمَّا لَا يَعْلَمَانِ ذٰلِكَ؟ .

''ابن مغازلی کا شمار نہ تو علمائے حدیث میں ہوتا ہے، جیسے امام ابونعیم رحمہ اللہ اور دیگر محدثین ہیں اور نہ ہی ابن مغازلی ان اہل علم میں سے ہے، جو ایسی روایات جمع کرتے ہیں، جن میں اکثریت حق پر مبنی ہوتی ہے اور کچھ میں جھوٹ بھی شامل ہوتا ہے، جیسے مفسر ثعلبی رحمہ اللہ اور ان جیسے علما ہیں، بلکہ اس کا تو حدیث کے فن سے کوئی تعلق ہی نہ تھا۔ چنانچہ اسے مختلف لوگوں کی کتابوں سے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فضائل میں جو کچھ ملا، اس نے اسے جمع کر لیا، جیسے اخطبِ خوارزم (ابو مؤید موفق بن احمد) نے کیا۔ یہ دونوں حدیث کی معرفت سے ناآشنا تھے، دونوں نے اپنی اپنی کتابوں میں بہت سی ایسی من گھڑت جھوٹی باتیں نقل کی ہیں، جن کے جھوٹ ہونے میں حدیث کے ادنیٰ عالم کو بھی شبہ نہیں ہوسکتا۔

ہم یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ ان میں سے کسی نے جان بوجھ کر اپنی روایات میں جھوٹ گھڑا ہو، لیکن یہ بات ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ان کی بیان کردہ

احادیث میں بہت سی جھوٹی روایات موجود ہیں، جن کے جھوٹے ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے اوران سے پہلے علما بھی ان روایات کو جھوٹ قرار دے چکے ہیں۔ یہ دونوں اوران جیسے دیگر ناقلین ایسی باتیں نقل کر دیتے ہیں، کبھی تو وہ جانتے ہی نہیں کہ یہ جھوٹ ہے اور کبھی علم رکھتے ہوئے بھی نقل کر دیتے ہیں۔ چنانچہ میں یہ بات بالجزم نہیں کہہ سکتا ہے کہ یہ دونوں (سیاق میں ذکر کردہ) اس روایت کے جھوٹا ہونے کا علم رکھتے تھے یا انہیں اس جھوٹ کا علم نہ تھا؟''

(مِنهاج السّنة : 7/62-63)

❀ مزید فرماتے ہیں:

قَدْ عُرِفَ أَنَّ مُجَرَّدَ رِوَايَةِ ابْنِ الْمَغَازِلِيِّ لَا يَسُوغُ الِاحْتِجَاجُ بِهَا بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ .

''یہ بات معروف ہے کہ محض ابن مغازلی کا کسی روایت کو نقل کر لینا قابل حجت نہیں، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔''

(مِنهاج السّنة : 7/130)

❀ نیز فرماتے ہیں:

أَمَّا نَقْلُ ابْنِ الْمَغَازِلِيِّ الْوَاسِطِيِّ فَأَضْعَفُ وَأَضْعَفُ، فَإِنَّ هٰذَا قَدْ جَمَعَ فِي كِتَابِهٖ مِنَ الْأَحَادِيثِ الْمَوْضُوعَاتِ مَا لَا يَخْفٰى أَنَّهٗ كَذِبٌ عَلٰى مَنْ لَهٗ أَدْنٰى مَعْرِفَةٍ بِالْحَدِيثِ .

''ابن مغازلی واسطی کی نقل تو نہایت ہی کمزور بلکہ اس سے بھی زیادہ کمزور ہے، کیونکہ اس نے اپنی کتاب میں ایسی من گھڑت احادیث جمع کی ہیں، جن کا

جھوٹ ہونا حدیث کی ادنیٰ معرفت رکھنے والے پر بھی عیاں ہے۔‘‘

(مِنہاج السّنۃ : 15/7)

❁ مغازلی اور ثعلبی وغیرہ کے متعلق فرماتے ہیں:

مُجَرَّدُ رِوَايَةِ هٰؤُلَاءِ لَا تُوجِبُ ثُبُوتَ الْحَدِيثِ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ، فَإِنَّ فِي كُتُبِ هٰؤُلَاءِ مِنَ الْأَحَادِيثِ الْمَوْضُوعَةِ مَا اتَّفَقَ أَهْلُ الْعِلْمِ عَلٰى أَنَّهٗ كَذِبٌ مَوْضُوعٌ، وَفِيهَا شَيْءٌ كَثِيرٌ يُعْلَمُ بِالْأَدِلَّةِ الْيَقِينِيَّةِ السَّمْعِيَّةِ وَالْعَقْلِيَّةِ أَنَّهَا كَذِبٌ، بَلْ فِيهَا مَا يُعْلَمُ بِالِاضْطِرَارِ أَنَّهٗ كَذِبٌ.

’’مغازلی، ثعلبی اور ان جیسوں کا محض کسی حدیث کو نقل کر لینے سے اس حدیث کا ثابت ہونا لازم نہیں آتا۔ اس پر اہل علم کا اجماع ہے، کیونکہ ان کی کتابوں میں ایسی من گھڑت احادیث موجود ہیں، جن کے جھوٹے اور من گھڑت ہونے پر اہل علم کا اتفاق ہے، بلکہ کئی ایک روایات ایسی بھی ہیں، جن کا جھوٹ ہونا عقلی اور نقلی قطعی دلائل سے ثابت ہے، مزید برآں ایسی روایات بھی پائی جاتی ہیں، جن کا جھوٹ ہونا بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے۔‘‘

(مِنہاج السّنۃ : 310/7)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ۱۹۶)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: نبی کریم ﷺ کو نبوت کس عمر میں ملی؟

جواب: نبی کریم ﷺ کو قریباً چالیس برس کی عمر میں نبوت ملی۔

❀ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ﴾(یُونُس : ١٦)

”(اے نبی! کہہ دیجئے کہ) میں نے تمہارے اندر اس سے قبل عمر کا ایک حصہ گزارا ہے۔“

عمر کا یہ حصہ چالیس برس پر مشتمل ہے۔اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

❀ علامہ سمعانی رحمہ اللہ (۴۸۹ھ) فرماتے ہیں:

قَدْرُ الْعُمُرِ الَّذِي لَبِثَ فِيهِمْ مِنْ قَبْلِهِ هُوَ أَرْبَعُونَ سَنَةً بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ.

”نبی کریم ﷺ نے نبوت ملنے سے پہلے اہل عرب میں چالیس سال کا عرصہ گزارا، اس پر اہل علم متفق ہیں۔“

(تفسير السّمعاني : 371/2)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كُنَّا عِندَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ نَزَلَ عَلَيْهِ جِبْرِيلُ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ فُقَرَاءَ أُمَّتِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ قَبْلَ الْأَغْنِيَاءِ بِخَمْسِمِائَةِ عَامٍ، وَهُوَ نِصْفُ يَوْمٍ، فَفَرِحَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : أَفِيكُمْ مَنْ يُنْشِدُنَا؟ فَقَالَ بَدَوِيٌّ : نَعَمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَقَالَ : هَاتِ، هَاتِ .

فَأَنْشَدَ الْبَدَوِيُّ؛

قَدْ لَسَعَتْ حَيَّةُ الْهَوٰى كَبِدِي

فَلَا طَبِيبَ لَهَا وَلَا رَاقِي

إِلَّا الْحَبِيبُ الَّذِي قَدْ شُغِفْتُ بِهٖ

فَعِنْدَهٗ رُقْيَتِي وَتِرْيَاقِي

فَتَوَاجَدَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتَوَاجَدَ الْأَصْحَابُ، حَتّٰى سَقَطَ رِدَاؤُهٗ عَنْ مَنْكِبِهٖ، فَلَمَّا فَرَغُوا، آوٰى كُلُّ وَاحِدٍ إِلٰى مَكَانِهٖ، قَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ أَبِي سُفْيَانَ : مَا أَحْسَنَ فِعْلَكُمْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَقَالَ : مَهْ، يَا مُعَاوِيَةُ، لَيْسَ بِكَرِيمٍ مَنْ لَا يَهْتَزُّ عِنْدَ ذِكْرِ سَمَاعِ الْحَبِيبِ .

ثُمَّ اقْتَسَمَ رِدَاءَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ

حَاضِرَتِهِمْ بِأَرْبَعِمائَةِ قِطْعَةٍ .

’’ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ اسی اثناء میں سیدنا جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اورعرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کی امت کے غریب ونادار (مؤمن) لوگ (مؤمن) مالداروں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں داخل ہوں گے اور یہ (آخرت کے حساب سے) آدھا دن بنتا ہے۔(یہ سن کر) رسول اللہ ﷺ باغ باغ ہوگئے اور (حاضرین سے) فرمایا: آپ میں سے کوئی ہے، جو ہمارے لیے اشعار گنگنائے؟!

ایک دیہاتی نے عرض کیا: جی ہاں، اللہ کے رسول! فرمایا: سنائیں سنائیں۔

دیہاتی نے یہ اشعار پڑھے؛

عشق ومحبت کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا ہے، اب نہ اس کا کوئی طبیب ہے، نہ جھاڑ پھونک کرنے والا، سوائے اُس محبوب کے، جس کی محبت میں میں گرفتار ہوں، بس میرا روحانی وطبی علاج اسی کے پاس ہے۔

یہ سن کر رسول اللہ ﷺ وجد میں آ گئے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بھی وجد طاری ہوگیا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی چادر مبارک کندھے سے گر گئی۔

چنانچہ جب وجد کی کیفیت ختم ہوئی اور سب لوگ اپنی اپنی جگہ لوٹ گئے، تو سیدنا معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ کے رسول! آپ کا یہ عمل کیا ہی خوبصورت تھا! تو آپ ﷺ نے فرمایا: معاویہ! ذرا رکیے، وہ شخص برگزیدہ نہیں ہوسکتا، جو اپنے محبوب کے ذکر پر وجد میں نہ آئے۔

پھر رسول اللہ ﷺ کی چادر کو وہاں موجود لوگوں میں چار سو ٹکڑوں میں تقسیم کر

دیا گیا۔‘‘

(الغَرائب المُلْتَقَطَة لابن حجَر : 352/8، الرقم : 3349)

جواب: جھوٹی روایت ہے۔عمار بن اسحاق وضاع ہے۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَأَنَّهٗ وَاضِعُ هٰذِهِ الْخُرَافَةِ .

’’لگتا ہے کہ عمار بن اسحاق نے یہ افسانہ وضع کیا ہے۔‘‘

(میزان الاعتدال : 164/3)

❀ حافظ ابوموسیٰ مدینی رحمہ اللہ (۵۸۱ھ) فرماتے ہیں:

لَا أَصْلَ لِهٰذَا الْحَدِيثِ بِهٰذَا السِّيَاقِ، وَالظَّاهِرُ أَنَّهٗ مَوْضُوعٌ، وَقَدْ سَمِعْتُ غَيْرَ وَاحِدٍ مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلَى الْمَقْدِسِيِّ بِإِيرَادِ هٰذَا الْحَدِيثِ فِي كِتَابِهٖ .

’’اس سیاق کے ساتھ اس حدیث کی کوئی اصل نہیں، یہ حدیث من گھڑت معلوم ہوتی ہے۔ میں نے کئی اہل علم کو سنا ہے، وہ حافظ محمد بن طاہر مقدسی رحمہ اللہ (۵۰۷ھ) پر اس بنا پر رد کرتے تھے کہ انہوں نے اس حدیث کو اپنی کتاب (صفۃ اہل التصوف) میں ذکر کیا ہے۔‘‘

(الزّيادات على المَوضوعات للسّيوطي : 657/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن ابی عمر مقدسی رحمہ اللہ (۶۸۲ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ غَيْرُ صَحِيحٍ لِأُمُورٍ؛ ...... أَنَّ الْوَاقِفَ عَلٰى مَتْنِ هٰذَا الْحَدِيثِ يَظْهَرُ لَهٗ أَنَّهٗ مَصْنُوعٌ مَوْضُوعٌ .

''یہ حدیث کئی وجوہ سے غیر ثابت ہے؛...... اس حدیث کے متن کو جاننے والے پر یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ یہ حدیث من گھڑت اور وضعی ہے۔''

(الزّيادات على المَوضوعات للسّيوطي : 657/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا كِذْبٌ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ، لٰكِنْ قَدْ رَوَاهُ بَعْضُهُمْ، لٰكِنَّهٗ مِنَ الْأَكَاذِيبِ الْمَوْضُوعَةِ .

''محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ حدیث جھوٹ ہے، اگرچہ اسے بعض علما نے روایت کیا ہے، مگر یہ جھوٹی اور من گھڑت روایات میں سے ہے۔''

(أحاديث القُصّاص، ص 60، مَجموع الفتاوىٰ : 59/11، 168، 563، 598، مجموعة الرّسائل :38/1، الفرقان بين أولياء الرحمن، ص 19، الاستقامة :297/1)

❁ علامہ ابن عراق کنانی رحمہ اللہ نے اسے ''باطل'' کہا ہے۔

(تنزيه الشّريعة : 233/2)

❁ علامہ ابن حجر ہیتمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَدْنٰى عَارِفٍ بِالسُّنَّةِ يَعْلَمُ عِنْدَ مُجَرَّدِ سَمَاعِهٖ هٰذَا الْحَدِيثَ أَنَّهٗ كِذْبٌ مَصْنُوعٌ مَوْضُوعٌ لِرَكَاكَةِ أَلْفَاظِهٖ .

''حدیث کا معمولی درک رکھنے والا شخص اس حدیث کو سنتے ہی جان جائے گا کہ یہ حدیث جھوٹی، من گھڑت اور موضوع ہے، کیونکہ اس کے الفاظ انتہائی رکیک (گھٹیا) ہیں۔''

(كَفُّ الرَّعاع، ص 50)

سوال: امام مالک رحمہ اللہ کے کاتب حبیب بن ابی حبیب کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

جواب: کاتب مالک ابو محمد حبیب بن ابی حبیب حنفی مصری بالاتفاق کذاب اور متروک ہے۔اس نے امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے کئی باتیں نقل کی ہیں، یہ نقل میں بھی غیر معتبر ہے۔اہل علم نے اس کی نقل پر اعتماد نہیں کیا۔

❁ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا كَذَّابٌ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالنَّقْلِ، لَا يَقْبَلُ أَحَدٌ مِّنْهُمْ نَقْلَهٗ عَنْ مَالِكٍ .

''محدثین کا اتفاق ہے کہ یہ کذاب ہے، کسی محدث نے اس کی امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے نقل کو قبول نہیں کیا۔''

(شرح حديث النُّزول، ص 57)

❁ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

أَحَادِيثُهٗ كُلُّهَا مَوْضُوعَةٌ عَنْ مَالِكٍ وَعَنْ غَيْرِهٖ .

''اس کی امام مالک بن انس رحمہ اللہ اور دیگر سے نقل کردہ تمام احادیث من گھڑت ہیں۔''

(الكامل في ضعفاء الرّجال : 3/324)

سوال: درج ذیل آیت کریمہ پر اشکال کا جواب درکار ہے۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوٗدَ﴾ (النمل : ١٦)

''سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے وارث بنے۔''

روافض کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کو داود علیہ السلام کا وارث قرار دیا ہے۔ اگر انبیائے کرام علیہم السلام کی وراثت تقسیم نہیں ہوتی، تو پھر اس آیت کریمہ کا کیا مفہوم ہے؟

(جواب): اس آیت کریمہ میں وراثت سے مراد مال و جائیداد نہیں، بلکہ علم نبوت اور حکمت ہے، اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔

✿ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ مِيرَاثُ الْعِلْمِ وَالنُّبُوَّةِ، لَا غَيْرَ، وَهٰذَا بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنَ الْمُفَسِّرِينَ وَغَيْرِهِمْ.

''یہاں میراث سے مراد علم اور نبوت کی وراثت ہے، کوئی اور وراثت مراد نہیں، اس پر مفسرین اور دیگر اہل علم کا اتفاق ہے۔''

(مِفتاح دار السّعادة: 181/1)

✿ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

﴿يَرِثُنِي﴾ عَلٰى مِيرَاثِ النُّبُوَّةِ، وَلِهٰذَا قَالَ: ﴿وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ﴾ (مريم: ٤)، كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ (النمل: ١٦)، أَيْ فِي النُّبُوَّةِ، إِذْ لَوْ كَانَ فِي الْمَالِ لَمَا خَصَّهُ مِنْ بَيْنِ إِخْوَتِهِ بِذٰلِكَ، وَلَمَا كَانَ فِي الْإِخْبَارِ بِذٰلِكَ كَبِيرُ فَائِدَةٍ، إِذْ مِنَ الْمَعْلُومِ الْمُسْتَقَرِّ فِي جَمِيعِ الشَّرَائِعِ وَالْمِلَلِ أَنَّ الْوَلَدَ يَرِثُ أَبَاهُ، فَلَوْلَا أَنَّهَا وِرَاثَةٌ خَاصَّةٌ لَّمَا أَخْبَرَ بِهَا، وَكُلُّ هٰذَا يُقَرِّرُهُ وَيُثْبِتُهُ مَا صَحَّ فِي الْحَدِيثِ.

''﴿يَرِثُنِي﴾ سے مراد میراث نبوت ہے، اسی لیے فرمایا گیا: ﴿وَيَرِثُ مِنْ آلِ يَعْقُوبَ﴾ (مريم : ٤) ''وہ میرا اور آلِ یعقوب کا وارث بنے۔'' جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے : ﴿وَوَرِثَ سُلَيْمَانُ دَاوُدَ﴾ (النّمل : ١٦) ''سلیمان علیہ السلام، داؤد علیہ السلام کے وارث بنے۔'' یہاں بھی نبوت میں وارث بننا مراد ہے۔ اگر اس سے مالی وراثت مراد ہوتی، تو سیدنا داود علیہ السلام انہیں ان کے بھائیوں میں سے کیوں خاص کرتے؟ نیز مالی وراثت کی بات بتانا کوئی بڑا فائدہ نہ تھا، جبکہ تمام شریعتوں اور مذہبوں میں مسلسل یہ ریت چلی آ رہی ہے کہ باپ کی میراث میں اولاد وارث ہوتی ہے۔ اگر یہ میراث خاص نہ ہوتی، تو اس کی خبر دینے کی ضرورت کیا تھی؟ احادیث صحیحہ یہی پتہ دیتی ہیں۔''

(تفسير ابن كثير : 213/5)

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ روایت ہے:

إِنَّ ابْنَ الزُّبَيْرِ رَأَى رَجُلًا يَرْفَعُ يَدَيْهِ فِي الصَّلَاةِ عِنْدَ الرُّكُوعِ وَعِنْدَ رَفْعِ الرَّأْسِ مِنَ الرُّكُوعِ فَقَالَ لَهُ : لَا تَفْعَلْ فَإِنَّ هٰذَا شَيْءٌ فَعَلَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ تَرَكَهُ .

''سیدنا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو دیکھا، جو رکوع جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کر رہا تھا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: ایسا مت کریں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رفع الیدین کیا، پھر ترک کر دیا۔''

(التَّحْقِيق لابن الجوزي : 334/1، البِنَايَةُ شَرْحُ الْهِدَايَةِ للعيني الحنفي : 258/2)

جواب: بے سند و بے سر و پا روایت ہے۔

❀ **حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

حَدِيثُ ابْنِ الزُّبَيْرِ لَا يُعْرَفُ أَصْلًا .

”عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی حدیث کی کوئی اصل معلوم نہیں۔“

(التَّحْقِيق :334/1)

❀ **علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:**

لَا يُعْرَفُ هٰذَا ...... فِي شَيْءٍ مِنْ كُتُبِ الْحَدِيثِ وَالْآثَارِ الَّتِي يُعْتَمَدُ عَلَيْهَا وَمِثْلُ هٰذَا لَا يَجُوزُ الِاحْتِجَاجُ بِهٖ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ، فَضْلًا عَنْ أَنْ تُعَارَضَ بِهِ الْأَحَادِيثُ الصَّحِيحَةُ الثَّابِتَةُ الْمُسْتَفِيضَةُ الَّتِي لَا يُمْكِنُ دَفْعُهَا، الَّتِي هِيَ مُتَوَاتِرَةٌ تَوَاتُرًا خَاصًّا عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ .

”یہ روایت احادیث کی کسی قابل اعتماد کتاب میں منقول نہیں۔اہل علم کا اتفاق ہے کہ اس جیسی (بے اصل) روایت سے حجت پکڑنا ہی جائز نہیں، چہ جائیکہ اسے ان صحیح ثابت مشہور احادیث کے معارض لا کر پیش کیا جائے،جنہیں رد کرنا ممکن نہیں، کیونکہ یہ احادیث محدثین کی اصطلاح کے مطابق حد تواتر کو پہنچتی ہیں۔“

(رفع اليدين في الصّلاة، ص 107-108)

سوال: درج ذیل طویل قصہ کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ **مازن بن غضوبہ سے منسوب ہے:**

كُنْتُ أَسْدِنُ صَنَمًا يُقَالُ لَهُ بَاجِرٌ بِسَمَائِلَ -قَرْيَةٌ بِعُمَانَ- فَعَتَرْنَا ذَاتَ يَوْمٍ عِنْدَهُ عَتِيرَةً -وَهِيَ الذَّبِيحَةُ- فَسَمِعْتُ صَوْتًا مِنَ الصَّنَمِ يَقُولُ: يَا مَازِنُ اسْمَعْ تُسَرَّ، ظَهَرَ خَيْرٌ، وَبَطُنَ شَرٌّ، بُعِثَ نَبِيٌّ مِنْ مُضَرَ، بِدَيْنِ اللّٰهِ الْكَبِرِ الْكَبِرْ، فَدَعْ نُحَيْتًا مِنْ حَجَرٍ، تَسْلَمْ مِنْ سَقَرَ، قَالَ: فَفَزِعْتُ لِذٰلِكَ فَقُلْتُ: إِنَّ هٰذَا لَعَجَبٌ، ثُمَّ عَتَرْتُ بَعْدَ أَيَّامٍ عَتِيرَةً فَسَمِعْتُ صَوْتًا مِّنَ الصَّنَمِ يَقُولُ: أَقْبِلْ إِلَيَّ أَقْبِلْ، تَسْمَعْ مَا لَا تَجْهَلْ، هٰذَا نَبِيٌّ مُرْسَلْ، جَاءَ بِحَقٍّ مُنْزَلْ، فَآمِنْ بِهِۦ كَيْ تَعْدِلَ، عَنْ حَرِّ نَارٍ تُشْعَلْ، وَقُودُهَا بِالْجَنْدَلْ، فَقُلْتُ: إِنَّ هٰذَا لَعَجَبٌ، وَإِنَّهُ لَخَيْرٌ يُرَادُ بِي، فَبَيْنَا نَحْنُ كَذٰلِكَ إِذْ قَدِمَ رَجُلٌ مِّنَ الْحِجَازِ، قُلْنَا: مَا الْخَبَرُ وَرَاءَ كَ؟ قَالَ: ظَهَرَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: أَحْمَدُ، يَقُولُ لِمَنْ أَتَاهُ: أَجِيبُوا دَاعِيَ اللّٰهِ قُلْتُ: هٰذَا نَبَأُ مَا قَدْ سَمِعْتُ، فَسِرْتُ إِلَى الصَّنَمِ فَكَسَّرْتُهُ أَجْذَاذًا، وَرَكِبْتُ رَاحِلَتِي فَقَدِمْتُ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرَحَ لِيَ الْإِسْلَامَ فَأَسْلَمْتُ وَقُلْتُ:

كَسَرْتُ بَاجِرًا جُذَاذًا وَكَانَ لَنَا

رَبًّا نَطِيفُ بِهِۦ عُمْيًا بِضُلَّالِ

بِالْهَاشِمِيِّ هُدِينَا مِنْ ضَلاَلَتِهِ

وَلَمْ يَكُنْ دِينُهُ مِنِّي عَلٰى بَالِ

يَا رَاكِبًا بَلِّغَنْ عَمْرًا وَإِخْوَتَهُ

أَنِّي لِمَنْ قَالَ رَبِّي بَاحِرٌ قَالِ

يَعْنِي عَمْرُو بْنَ الصَّلْتِ وَإِخْوَتَهُ بَنِي خِطَامَةَ، قَالَ مَازِنٌ : فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي امْرُؤٌ مُولَعٌ بِالطَّرَبِ وَبِشُرْبِ الْخَمْرِ وَبِالْهَلُوكِ، قَالَ ابْنُ الْكَلْبِيِّ : وَالْهَلُوكُ الْفَاجِرَةُ مِنَ النِّسَاءِ، وأَلَحَّتْ عَلَيْنَا السُّنُونُ، فَأَذْهَبَتِ الْأَمْوَالَ، وَأَهْزَلْنَ الذَّرَارِيَّ وَالْعِيَالَ، وَلَيْسَ لِي وَلَدٌ، فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يُذْهِبَ عَنِّي مَا أَجِدُ، وَيَأْتِينَا بِالْحَيَاءِ، وَيَهَبَ لِي وَلَدًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اللّٰهُمَّ أَبْدِلْهُ بِالطَّرَبِ قِرَاءَ ةَ الْقُرْآنِ، وَبِالْحَرَامِ الْحَلَالَ، وَبِالْعُهْرِ عِفَّةَ الْفَرَجِ، وبِالْخَمْرِ رِيَاءً لَا إِثْمَ فِيهِ، وَائْتِهِ بِالْحَيَاءِ، وَهَبْ لَهُ وَلَدًا، قَالَ مَازِنٌ : فَأَذْهَبَ اللّٰهُ عَنِّي مَا كُنْتُ أَجِدُ، وَأَتَانَا بِالْحَيَاءِ، وَتَعَلَّمْتُ شَطْرَ الْقُرْآنِ، وَخَصِبَ عُمَانُ، وَحَجَجْتُ حَجًّا حِجَجًا، وَوَهَبَ اللّٰهُ لِي حَيَّانَ بْنَ مَازِنٍ، وأَنْشَأْتُ أَقُولُ :

إِلَيْكَ رَسُولَ اللّٰهِ خَبَّتْ مَطِيَّتِي

تَجُوبُ الْفَيَافِي مِنْ عُمَانَ إِلَى الْعَرْجِ

لِتَشْفَعَ لِي يَا خَيْرَ مَنْ وَطِئَ الْحَصٰى

فَيَغْفِرَ لِي رَبِّي فَأَرْجِعَ بِالْفَلْجِ

إِلٰى مَعْشَرٍ خَالَفْتُ فِي اللّٰهِ دِينَهُمْ

فَلَا رَأْيُهُمْ رَأْيِي وَلَا شَرْجُهُمْ شَرْجِي

وَكُنْتُ امْرَأً بِالرَّغْبِ وَالْخَمْرِ مُولَعًا

شَبَابِيَ حَتّٰى آذَنَ الْجِسْمُ بِالنَّهْجِ

فَبَدَّلَنِي بِالْخَمْرِ خَوْفًا وَخَشْيَةً

وَبِالْعُهْرِ إِحْصَانًا فَأَحْصَنَ لِي فَرْجِي

فَأَصْبَحْتُ هَمِّي فِي الْجِهَادِ وَنِيَّتِي

فَلِلّٰهِ مَا صَوْمِي وَلِلّٰهِ مَا حَجِّي

فَلَمَّا قَدِمْتُ عَلٰى قَوْمِي أَنَّبُونِي وَشَتَمُونِي، وَأَمَرُوا شَاعِرًا لَهُمْ فَهَجَانِي، فَقُلْتُ: إِنْ رَدَدْتُ عَلَيْهِ فَإِنَّمَا الْهَجْوُ لِنَفْسِي، فَاعْتَزَلْتُهُمْ إِلٰى سَاحِلِ الْبَحْرِ وَقُلْتُ:

بُغْضُكُمُ عِنْدَنَا مُرْمِدًا فِيهِ

وَبُغْضُكُمْ عِنْدَنَا يَا قَوْمَنَا لَثِنُ

فَلَا يَعْطَنِ الدَّهْرُ أَنَّ نَشِبَ مَعَايِبَكُمْ

وَكُلُّكُمْ يَبْدو عَيْبَنَا فَطِنُ

شاعِرُنا مُعْجِمٌ عَنْكُمْ وَشَاعِرُكُمْ

فِي حَرْبِنَا مُبْلِغٌ فِي شَتْمِنَا لَسِنُ

مَا فِي الْقُلُوبِ عَلَيْكُمْ فَاعْلَمُوا وَغَرٌ

وَفِي صُدُورِكُمُ الْبَغْضَاءُ وَالْإِحَنُ

فَأَتَتْنِي مِنْهُمْ أَزْفَلَةٌ عَظِيمَةٌ، فَقَالُوا : يَا ابْنَ عَمٍّ، عِبْنَا عَلَيْكَ أَمْرًا وَكَرِهْنَاهُ لَكَ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَشَأْنَكَ وَدِينَكَ، فَارْجِعْ فَأَقِمْ أُمُورَنَا، فَكُنْتُ الْقَيِّمَ بِأُمُورِهِمْ، فَرَجَعْتُ مَعَهُمْ ثُمَّ هَدَاهُمُ اللّٰهُ بَعْدُ إِلَى الْإِسْلَامِ .

’’میں باجر نامی ایک بت کا مجاور تھا جو سَماِل (عمان کا ایک گاؤں) میں تھا۔ ایک دن ہم نے اس بت کے پاس عتیرہ (بتوں کے نام پر چھوڑا گیا ایک جانور) ذبح کی۔ میں نے اس بت سے آواز سنی جو یوں کہہ رہی تھی:

مازن! سن اور خوش ہو جا، خیر ظاہر ہوگئی اور شر چھپ گیا۔ قبیلہ مضر سے ایک نبی مبعوث ہوا ہے، اللہ کے جلیل دین کے ساتھ، پس اس پتھر کے تراشے ہوئے (بت) کو چھوڑ دے، تاکہ تُو جہنم سے بچ سکے۔

مازن کہتے ہیں: میں اس پر سخت گھبرا گیا اور کہا: یہ تو نہایت عجیب بات ہے!! کچھ دن بعد ہم نے دوبارہ ایک عتیرہ ذبح کیا، تو میں نے اس بت سے آواز سنی، وہ کہہ رہا تھا:

''میرے قریب آؤ، تجھے وہ بات بتائی جائے گی، جو تو نہیں جانتا، یہ ایک رسول نبی ہے، جو منزل حق کے ساتھ آیا ہے، اس پر ایمان لاؤ تا کہ تُو نجات پا جائے اور اس بھڑکتی آگ سے بچ جائے، جس کا ایندھن پتھر ہوں گے۔''

مازن کہتے ہیں: میں نے کہا: یہ تو نہایت تعجب خیز بات ہے اور یہ میرے ساتھ خیر کا ارادہ معلوم ہوتا ہے۔ اتنے میں حجاز سے ایک آدمی آیا۔ ہم نے اس سے پوچھا: کیا خبر لائے ہو؟ اس نے کہا: احمد نامی ایک شخص ظاہر ہوا ہے، وہ لوگوں سے کہتا ہے: اللہ کے داعی کی بات مان لو۔ میں نے کہا: یہ تو وہی خبر ہے، جو میں سن چکا ہوں۔ چنانچہ میں اس بت کے پاس گیا، اسے توڑ کر ریزہ ریزہ کر دیا، اپنی سواری پر سوار ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ آپ ﷺ نے مجھے اسلام کی تعلیم دی، تو میں مسلمان ہو گیا اور میں نے یہ اشعار کہے؛

''میں نے باحر کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا، حالانکہ وہ ہمارا معبود تھا۔ ہم اندھے ہو کر گمراہی میں اس کی پوجا کیا کرتے تھے۔ ہمیں ہاشمی النسل (محمد ﷺ) کے ذریعے اس کی گمراہی سے ہدایت ملی، حالانکہ اس سے پہلے اس کا دین میرے دل میں کبھی نہیں آیا تھا۔''

(مازن نے کسی شخص سے کہا:) اے سوار! عمرو اور اس کے بھائیوں کو یہ خبر پہنچا دو کہ میں اس سے بری ہوں جو کہتا ہے: باحر میرا رب ہے۔ (راوی کہتا ہے کہ) ان کی مراد عمرو بن صلت اور بنو خطامہ سے اس کے بھائی ہیں۔

مازن کہتے ہیں: میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! میں طرب (لہو و لعب)،

شراب نوشی اور فاحش عورتوں کا شوقین تھا، سخت قحط سالی ہم پر چھا گئی، خوفناک حالات نے ہمیں گھیر لیا، ہمارے بچے اور گھر کے افراد کمزور ہو گئے اور میری کوئی اولاد نہیں۔ آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ میرے دل سے یہ گناہوں کا میلان ختم کر دے، مجھے حیا عطا کرے اور اولاد دے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے یوں دعا فرمائی: ''اللہ! اسے طرب (لہو ولعب) کے بدلے قرآن کریم کی تلاوت عطا فرما، حرام کے بدلے حلال، بدکاری کے بدلے پاکدامنی، شراب کے بدلے ایسا مشروب عطا فرما، جس میں کوئی گناہ نہ ہو، اسے حیا عطا فرما اور اسے اولاد عطا فرما۔''

مازن کہتے ہیں: اللہ تعالیٰ نے میرے دل سے وہ سب کچھ ختم کر دیا، جو پہلے ہوا کرتا تھا۔ چنانچہ مجھے حیا عطا کی، میں نے آدھا قرآن کریم سیکھ لیا، عمان سرسبز ہو گیا، میں نے کئی حج کیے اور اللہ نے مجھے حیان بن مازن نامی بیٹا عطا فرمایا۔

پھر میں نے یہ اشعار کہے:

''اللہ کے رسول! میری سواری آپ کی طرف دوڑی ہے، وہ عمان سے عرج تک بیابانوں کو چیرتی آئی ہے۔ تاکہ آپ میرے لیے شفاعت کریں، اے زمین پر چلنے والی سب سے افضل ہستی! تاکہ میرا رب مجھے معاف کرے اور میں کامیاب ہو کر واپس لوٹوں۔ اس قوم کے پاس واپس جاؤں، جن کے دین کے خلاف میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے مخالفت مول لی۔ نہ ان کی رائے میری رائے ہے، نہ ان کا طریقہ میرے طریقے جیسا ہے۔ میں شراب اور شہوت کا رسیا تھا، یہاں تک کہ جوانی ختم ہو گئی اور جسم میں کمزوری ظاہر ہو گئی۔ پھر اللہ

نے شراب کے بدلے مجھے خوف وخشیت عطا کی اور بدکاری کے بدلے پاکدامنی، نیز مجھے عفت عطا فرمائی، اب میرا دل جہاد اور نیک نیتی میں مشغول ہے، لہٰذا میرا روزہ اور میرا حج سب اللہ کے لیے ہے۔“

مازن کہتے ہیں: جب میں اپنی قوم کے پاس واپس گیا، انہوں نے مجھے ملامت کی، برا بھلا کہا اور اپنے ایک شاعر سے کہا کہ میری ہجو کرے۔ میں نے کہا: اگر میں جواب دوں، تو گویا اپنی ہی برائی کروں گا۔ چنانچہ میں ان سے کنارہ کش ہو کر سمندر کے ساحل پر چلا گیا اور (شاعرانہ انداز میں) کہا:

تمہاری دشمنی ہمارے نزدیک ہلاکت خیز ہے اور تمہارا بغض ہمارے نزدیک دوہرا ہے۔ زمانہ ہمیں تمہاری برائیاں متھنے پر مجبور نہ کرے، تم سب جانتے ہو کہ ہماری کوئی برائی نہیں۔ ہمارا شاعر تم سے بے نیاز ہے اور تمہارا شاعر ہماری ہجو میں زبان دراز ہے۔ ہمارے دل تمہارے بارے میں کینہ سے بھرے ہوئے نہیں، لیکن تمہارے سینوں میں بغض وعداوت بھری پڑی ہے۔“

مازن کہتے ہیں: پھر ان کی طرف سے میرے پاس ایک بڑی جماعت آئی، کہنے لگے: ہمارے چچازاد! ہم نے آپ کے قبول اسلام پر اعتراض کیا اور یہ دین آپ کے لیے ناپسند کیا، لیکن اگر آپ اسے چھوڑنے پر آمادہ نہیں، تو آپ اپنا دین اختیار کیے رکھیں اور واپس آجائیں اور ہمارے معاملات کو سنبھالیں۔ میں ان کے ساتھ واپس آ گیا اور ان کے امور کی نگرانی کرنے لگا، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی قبول اسلام کی توفیق عطا فرمائی۔“

(المُعجم الكبير للطّبراني : 338/20، الأحاديث الطّوال للطّبراني : 62، دلائل

النّبوة للبيهقي : 258/2)

جواب: جھوٹی حکایت ہے۔

① ہشام بن محمد بن سائب کلبی متروک وکذاب ہے۔

② محمد بن سائب کلبی متروک وکذاب ہے۔

❀ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلنَّاسُ مُجْتَمِعُونَ عَلٰی تَرْكِ حَدِيثِهٖ لَا يُشْتَغَلُ بِهٖ هُوَ ذَاهِبُ الْحَدِيثِ .

''اس کی حدیث کو ترک کرنے پر محدثین کا اتفاق ہے، اس کی حدیث میں مشغول نہیں ہوا جائے گا، یہ حدیث میں سخت ضعیف ہے۔''

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 271/7)

③ عبداللہ عمانی کے حالات زندگی نہیں ملے۔

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

اُسْتُعِزَّ بِأُمَامَةَ بِنْتِ أَبِي الْعَاصِ، فَبَعَثَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُولُ لَهٗ : إِنَّ ابْنَتِي قَدِ اسْتُعِزَّ بِهَا، فَبَعَثَ إِلَى ابْنَتِهِ : «لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهٗ وَمَا أَبْقٰى» وَاسْتُعِزَّتِ الثَّانِيَةُ، فَبَعَثَتْ إِلَيْهِ : إِنَّ ابْنَتِي قَدِ اسْتُعِزَّ بِهَا، فَبَعَثَ إِلَى ابْنَتِهٖ : «لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهٗ مَا

أَبْقٰی»، ثُمَّ كَانَتِ الثَّالِثَةُ، فَجَاءَ هَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْرَجَتِ الصِّبْيَةَ إِلَيْهِ، فَإِذَا نَفْسُهَا تَقَعْقَعُ فِي صَدْرِهَا، وَمَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسٌ مِّنْ أَصْحَابِهٖ، فَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ حَتّٰى قَبَضَ عَلٰى لِحْيَتِهٖ، فَفَطِنَ بِهِمْ وَهُمْ يَنْظُرُونَ إِلَيْهِ، فَقَالَ : مَا لَكُمْ تَنْظُرُونَ؟ قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ رَأَيْنَاكَ رَقَقْتَ، قَالَ : رَحْمَةٌ يَضَعُهَا اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ حَيْثُ يَشَاءُ، وَإِنَّمَا يَرْحَمُ اللّٰهُ غَدًا مِّنْ عِبَادِهِ الرُّحَمَاءَ .

’’(نبی کریم ﷺ کی نواسی) امامہ بنت ابی العاص موت وحیات کی کشمش میں تھیں، تو رسول اللہ ﷺ کی لخت جگر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا (اُمامہ رضی اللہ عنہا کی والدہ) نے رسول اللہ ﷺ کی طرف پیغام بھیجا کہ میری بیٹی حالت نزع میں ہے، تو نبی کریم ﷺ نے اپنی بیٹی کو (تعزیتی) پیغام بھیجا: ’’اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جو اس نے لے لیا اور وہ بھی اُسی کا ہے، جو اس نے باقی رکھا۔‘‘ دوسری بار پھر وہی نزع کی کیفیت پیش آئی، تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے پیغام بھیجا کہ میری بیٹی جانکی کے عالَم میں ہے۔ تو نبی کریم ﷺ نے پھر وہی جواب دیا: ’’اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، جو اس نے لے لیا اور وہ بھی اُسی کا ہے، جو اس نے باقی رکھا۔‘‘

پھر تیسری بار جب حالت شدید ہوگئی، تو رسول اللہ ﷺ خود تشریف لے گئے۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نے بچی کو نبی کریم ﷺ کے سامنے لا رکھا، تو دیکھا کہ اس کی جان سینے میں گھٹ گھٹ کر نکل رہی ہے۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ بعض

صحابہ بھی تھے۔ آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنی داڑھی مبارک کو تھام لیا (داڑھی آنسو سے تَر ہو گئی)۔صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ منظر دیکھ رہے تھے، آپ ﷺ کو صحابہ کے دیکھنے کا احساس ہوا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ہوا؟ ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ پر رقت طاری ہو رہی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ ایک رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں جس پر چاہتا ہے، طاری کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کل (روز قیامت) انہی پر رحم کرے گا، جو (دنیا میں دوسروں پر) رحم دل ہیں۔“

(مسند البزّار : 1012، المُعجم الكبير للطّبراني : 135/1)

جواب: سند ضعیف ہے۔

① ولید بن ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عوف کے حالات زندگی نہیں ملے۔

② محمد بن علاء بن حسین نبقی مطلبی کی توثیق نہیں۔

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا ابو اُمامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وُضُوءُ النَّوْمِ أَنْ تَمَسَّ الْمَاءَ، ثُمَّ تَمَسَّحَ بِتِلْكَ الْمَسَّةِ وَجْهَكَ وَيَدَيْكَ وَرِجْلَيْكَ كَمَسْحَةِ التَّيَمُّمِ.

”نیند سے بیدار ہونے کا وضو یہ ہے کہ آپ پانی کو چھوئیں اور چہرے، ہاتھوں اور پاؤں پر مَس کر لیں، جیسے تیمّم میں مَس کیا جاتا ہے۔“

(المعجم الكبير للطّبراني : 128/8، مسند الشّاميين للطّبراني : 3418)

جواب: روایت باطل ہے۔

① حکیم بن خذام بصری ضعیف، منکرالحدیث اورمتروک ہے۔

② علاء بن کثیر شامی ''متروک ومنکرالحدیث'' ہے۔

③ علاء بن کثیر کی مکحول سے روایت منکر و باطل ہوتی ہے۔

❀ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لِلْعَلَاءِ بْنِ كَثِيرٍ عَن مَكْحُول عَنِ الصَّحَابَةِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ نُسَخٌ كُلُّهَا غَيْرُ مَحْفُوظَةٍ، وَهُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ .

''علاء بن کثیر کا مکحول عن صحابہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سند سے کئی نسخے ہیں، سب کے سب غیر محفوظ ہیں، یہ منکرالحدیث ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 377/6)

④ مکحول کا سیدنا ابواُمامہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔

❀ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَكْحُولٌ لَمْ يَثْبُتْ سَمَاعُهُ مِنْهُمْ .

''مکحول کا تینوں صحابہ (ابودرداء، ابواُمامہ اور واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہم) سے سماع ثابت نہیں۔''

(السنن الصغرىٰ، تحت الرقم : 3238)

⑤ محمد بن عقبہ بن ہرم سدوسی ضعیف ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۹۲)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: مسلمان سے لڑائی کرنے کو کفر کہا گیا ہے، کیا لڑائی کرنے سے مسلمان کافر ہو جاتا ہے؟

جواب: مسلمان سے لڑائی جھگڑا اور قتال کرنا سنگین جرم ہے، اس شنیع عمل پر کفر کا اطلاق ہوا ہے۔

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ .

”مسلمان کو گالی دینا فسق (نافرمانی اور کبیرہ گناہ) ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔“

(صحيح البخاري : 6044، صحيح مسلم : 64)

لیکن یہاں کفر سے مراد ایسا کفر نہیں، جو مسلمان کو اسلام سے خارج کر دے، بلکہ بعض سنگین کبیرہ گناہوں پر کفر کا اطلاق ہو جاتا ہے، کیونکہ ہر کبیرہ گناہ کفر کے ادنیٰ مراتب میں سے ہے۔ مسلمان سے قتال کرنا بھی کفر کے مراتب میں سے ہے، لیکن یہ کفر کا وہ مرتبہ نہیں، جس کے ارتکاب سے انسان کافر ہو جائے اور ملت اسلامیہ سے خارج ہو جائے۔

❀ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَإِنْ طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ

إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتّٰى تَفِيءَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ فَإِنْ فَاءَ تْ فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا بِالْعَدْلِ وَأَقْسِطُوا إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ﴾(الحُجُرات : ٩)

''مومنوں کے دو گروہ باہم جھگڑ پڑیں، تو ان کی صلح کرا دیں، ایک گروہ دوسرے پر بغاوت کرے، تو باغی سے لڑائی کریں، تا آں کہ اللہ کے فیصلہ کی طرف مائل ہو جائے۔ جب مائل ہو جائے، تو عدل کے ساتھ ان کی صلح کرا دیں اور انصاف کریں، کیوں کہ اللہ انصاف کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔''

قرآن کریم نے دو مؤمنوں کا باہم قتل کرنے کے باوجود انہیں ایمان کے ساتھ متصف کیا ہے اور مؤمن کہا ہے۔ یہ بین دلیل ہے کہ قتال کرنے سے کوئی مسلمان ایمان سے خارج نہیں ہوتا اور کفر میں داخل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ مسلمان کو بغاوت کرنے کے باوجود مؤمن کہا ہے، یہ بھی دلیل ہے کہ بغاوت گو کہ بڑا جرم ہے، بعض صورتوں میں اس کی سزا قتل ہے، مگر اس سے بھی کوئی مسلمان ملت اسلامیہ سے خارج نہیں ہوتا۔

اہل سنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے کہ دو مسلمان باہم لڑ پڑیں، تو محض اس فعل سے کوئی بھی کافر نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر کوئی کسی مسلمان کو قتل کر دے، تو بھی وہ کافر نہیں ہوتا، البتہ اس پر قصاص کی صورت میں حد نافذ ہو گی۔

❀ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

إِجْمَاعُ أَهْلِ السُّنَّةِ أَنَّ قَتْلَ الْمُسْلِمِ لِلْمُسْلِمِ لَا يُخْرِجُهُ مِنَ الْإِيمَانِ إِلَى الْكُفْرِ، وَإِنَّمَا فِيهِ الْقَوَدُ.

''اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ مسلمان کا مسلمان کو قتل کرنا اسے ایمان

سے کفر میں داخل نہیں کرتا، بلکہ اس جرم پر صرف قصاص واجب ہوتا ہے۔''

(شرح صحيح البخاري :111/1)

❁ نیز فرماتے ہیں:

إِجْمَاعُ أَهْلِ السُّنَّةِ أَنَّ الْمَعَاصِي غَيْرُ مُخْرِجَةٍ مِنَ الْإِيمَانِ .

''اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ کبیرہ گناہ (اپنے مرتکب کو) ایمان سے خارج نہیں کرتے۔''

(شرح صحيح البخاري : 497/8)

سوال: عقیدہ خلق قرآن کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

جواب: قرآن مجید کلام اللہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اسے صوت وحروف کے ساتھ کلام کیا ہے۔اس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔خلق قرآن کا عقیدہ کفر ہے۔

❁ علامہ ابومظفر سمعانی رحمہ اللہ (۴۸۹ھ) فرماتے ہیں:

اَلْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ غَيْرُ مَخْلُوقٍ، وَعَلِيهِ إِجْمَاعُ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَزَعَمُوا أَنَّ مَنْ قَالَ : إِنَّهٗ مَخْلُوقٌ فَهُوَ كَافِرٌ؛ لِأَنَّ فِيهِ نَفْيَ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى .

''قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں، اس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے، نیز اہل سنت کہتے ہیں کہ جس نے قرآن کریم کو مخلوق کہا، وہ کافر ہے، کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کی نفی ہے۔''

(تفسير السّمعاني : 90/5)

سوال: کیا ہر مؤحد جنت میں داخل ہوگا؟

جواب: مؤحدین اور صحیح العقیدہ مسلمانوں کے متعلق ایک بات تو طے ہے کہ وہ یقینی طور پر جنت میں جائیں گے، کب جائیں گے؟ اس میں ذرا تفصیل ہے؛

اگر صحیح العقیدہ اور سلیم السیرۃ مسلمان شرک سے پاک ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات اور نواہی کا لحاظ کرنے والا ہے، سنت کو حرز جاں بنانے والا ہے، اخلاص وللّٰہیت کا پیکر ہے، تو وہ ان شاء اللہ پہلی ہی فرصت جنت میں داخل ہو جائے گا، اس پر اللہ تعالیٰ کا فضل ورحمت ہوگی اور اسے جہنم سے کلی طور پر بچا لیا جائے گا اور جنت کا داخلہ نصیب کر دیا جائے گا۔ پھر ایسے افراد کے درجات میں بھی فرق ہے۔

دوسری قسم کے مؤحدین وہ ہیں، جو شرک وکفر سے محفوظ ہیں، مگر کبائر کے مرتکب ہیں، تو وہ بھی ایک نہ ایک وقت جنت میں ضرور داخل ہو جائیں گے، مگر کب داخل ہوں گے اور کیا وہ جہنم میں جائیں گے؟ تو یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت پر ہے۔ وہ چاہے تو ایسے گناہ گار مؤحد کو اپنی رحمت سے معاف کر دے اور جہنم میں داخل ہی نہ کرے اور معاف کر کے جنت میں داخل کر دے، یا کسی شفیع کی شفاعت سے بخش دے اور باوجود اس کے کہ اس پر گناہوں کی وجہ سے جہنم واجب ہو چکی ہو، پھر بھی اسے بخش کر جنت میں داخل کر دے۔ یا اسے اس کے گناہوں کی پاداش میں جہنم رسید کر دے، پھر اس کی سزا پوری ہونے سے پہلے ہی اپنی رحمت وفضل یا کسی کی سفارش سے جہنم سے نکال لے اور جنت میں داخل کر دے یا بعض بدنصیب گناہ گار مؤحد ایسے بھی ہو سکتے ہیں، جن پر نہ اللہ تعالیٰ اپنا خاص فضل کر کے انہیں معاف کرے گا، نہ انہیں کسی کی شفاعت نصیب ہوگی، بلکہ وہ اپنے گناہوں کی مکمل سزا بھگت کر جہنم سے نکالے جائیں اور شرک وکفر سے بچے رہنے کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کوئی بھی مؤحد اور شرک و کفر سے محفوظ مسلمان ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم رسید نہیں ہوگا، بلکہ شروع میں ہی یا بالآخر جنت میں داخل ضرور ہوگا۔ کتاب وسنت کی نصوص اس پر واضح ہیں، اس پر متواتر معنوی احادیث ہیں، نیز اس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع واتفاق ہے۔

❁ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَمَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ .

”جو اس حال میں فوت ہوا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذرہ برابر بھی شرک نہیں کرتا تھا، وہ (ضرور بالضرور) جنت میں داخل ہوگا اور جو حالت شرک میں فوت ہوا، تو وہ (ہمیشہ کے لیے) آگ میں داخل ہوگا۔“

(صحيح مسلم : 93)

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

أُخْبِرَ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ مَنْ مَاتَ عَلَى الشِّرْكِ دَخَلَ النَّارَ، وَمَنْ مَاتَ عَلَى الْإِيمَانِ دَخَلَ الْجَنَّةَ، وَعَلٰى هٰذَا إِجْمَاعُ الْمُسْلِمِينَ .

”اس حدیث میں خبر دی گئی ہے کہ جو شرک پر فوت ہوا، وہ (ہمیشہ ہمیشہ کے لے) جہنم میں داخل ہوگا اور جو ایمان پر فوت ہوا، وہ (ضرور بالضرور) جنت میں داخل ہوگا، اس عقیدہ پر مسلمانوں کا اجماع ہے۔“

(إكمال المُعلم :364/1)

❁ سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ أَبْيَضُ، وَهُوَ نَائِمٌ، ثُمَّ أَتَيْتُهُ وَقَدِ اسْتَيْقَظَ، فَقَالَ: مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، ثُمَّ مَاتَ عَلٰى ذٰلِكَ إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ، قُلْتُ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ قُلْتُ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ؟ قَالَ: وَإِنْ زَنٰى وَإِنْ سَرَقَ عَلٰى رَغْمِ أَنْفِ أَبِي ذَرٍّ.

''میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سفید کپڑا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوئے ہوئے تھے، میں دوبارہ حاضر خدمت ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو چکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی لا الٰہ الا اللہ پڑھتا ہے (اور اس کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے)، پھر اسی پر فوت ہو جاتا ہے، تو وہ ضرور بالضرور جنت میں داخل ہوگا، میں نے عرض کیا: اگرچہ وہ زانی اور چور ہو؟ فرمایا: ہاں، خواہ وہ زنا کرے اور چوری کرے۔ میں نے دوبارہ عرض کیا: اگرچہ وہ زنا یا چوری (جیسے گناہوں) کا مرتکب ہو؟ فرمایا: جی ہاں، خواہ وہ زنا اور چوری کا ارتکاب بھی کرتا ہو۔ میں نے مکرر عرض کیا: (کیا واقعی) بھلے وہ زنا یا چوری کا ارتکاب بھی کر چکا ہو؟ فرمایا: جی جی، خواہ وہ زانی یا چور ہی ہو۔ (تب بھی کلمہ اخلاص پڑھنے اور اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کی وجہ سے بالآخر جنت میں ضرور جائے گا، چاہے سزا بھگت کر ہی جائے، ایسا ضرور ہوگا) چاہے

ابوذر کو پسند نہ ہو۔“

(صحيح البخاري : 5827، صحيح مسلم : 94)

ان کے علاوہ بھی کئی احادیث ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ گناہ گار موحدین بالآخر جنت میں ضرور جائیں گے، جبکہ خوارج کا مذہب اس کے برعکس ہے، وہ کہتے ہیں کہ کبیرہ گناہ کے ارتکاب سے انسان کافر بن جاتا ہے اور ابدی جہنمی ہوتا ہے۔ یہ انحراف اور شدت ہے، اس کے برعکس ایک گروہ کا کہنا ہے کہ کلمہ پڑھنے کے بعد کوئی گناہ انسان کو نقصان نہیں پہنچاتا، ہر کلمہ پڑھنے والا پکا جنتی ہے، اسے گناہ کی وجہ سے جہنم میں عذاب نہ ہوگا۔

یہ دو انتہائیں ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا مذہب وسط ہے، جیسا کہ اوپری سطور میں بیان کر دیا گیا ہے۔

❁ قاضی عیاض رحمہ اللہ (۵۴۴ھ) فرماتے ہیں:

نُقَرِّرُ أَوَّلًا أَنَّ مَذْهَبَ أَهْلِ السُّنَّةِ بِأَجْمَعِهِمْ مِنَ السَّلَفِ الصَّالِحِ وَأَهْلِ الْحَدِيثِ وَالْفُقَهَاءِ وَالْمُتَكَلِّمِينَ عَلٰى مَذْهَبِهِمْ مِنَ الْأَشَاعِرَةِ : أَنَّ أَهْلَ الذُّنُوبِ فِي مَشِيئَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَأَنَّ كُلَّ مَنْ مَاتَ عَلَى الْإِيمَانِ وَشَهِدَ مُخْلِصًا مِنْ قَلْبِهٖ بِالشَّهَادَتَيْنِ، فَإِنَّهٗ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ، فَإِنْ كَانَ تَائِبًا أَوْ سَلِيمًا مِنَ الْمَعَاصِي وَالتَّبِعَاتِ دَخَلَ الْجَنَّةَ بِرَحْمَةِ رَبِّهٖ، وَحُرِّمَ عَلَى النَّارِ بِالْجُمْلَةِ ...... وَإِنْ كَانَ هٰذَا مِنَ الْمُخَلِّطِينَ بِتَضْيِيعِ مَا أَوْجَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ، أَوْ فِعْلِ مَا حَرَّمَ عَلَيْهِ، فَهُوَ فِي الْمَشِيئَةِ، لَا

يُقْطَعُ فِي أَمْرِهٖ بِتَحْرِيمِهٖ عَلَى النَّارِ، وَلَا بِاسْتِحْقَاقِهٖ لِأَوَّلِ حَالِهِ الْجَنَّةَ، بَلْ يُقْطَعُ أَنَّهٗ لَابُدَّ لَهٗ مِنْ دُخُولِ الْجَنَّةِ آخِرًا، وَلٰكِنْ حَالُهٗ لَهٗ قَبْلُ فِي خَطَرِ الْمَشِيئَةِ وَبَرْزَخِ الرَّجَاءِ وَالْخَوْفِ، إِنْ شَاءَ رَبُّهٗ عَذَّبَهٗ بِذَنْبِهٖ، أَوْ غَفَرَ لَهٗ بِفَضْلِهٖ ...... فَيَكُونُ الْمُرَادُ بِاسْتِحْقَاقِ الْجَنَّةِ مَا قَدَّمْنَاهُ مِنْ إِجْمَاعِ أَهْلِ السُّنَّةِ مِنْ أَنَّهٗ لَابُدَّ لَهٗ مِنْ دُخُولِ كُلِّ مُوَحِّدٍ لَهَا، إِمَّا مُعَجَّلًا مُعَافًى، أَوْ مُؤَخَّرًا بَعْدَ عِقَابِهٖ، وَالْمُرَادُ بِتَحْرِيمِ النَّارِ تَحْرِيمُ الْخُلُودِ، خِلَافًا لِلْخَوَارِجِ وَالْمُعْتَزِلَةِ.

''سب سے پہلے ہم اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ سارے کے سارے اہل سنت یعنی سلف صالحین، محدثین، فقہا اور ان کے طریقے پر چلنے والے متکلمین یعنی اشاعرہ کا اتفاقی اور اجماعی عقیدہ ہے کہ گناہ گار مسلمان اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہوتے ہیں اور یہ کہ جو شخص ایمان پر فوت ہو اور دل سے اخلاص کے ساتھ شہادتین کا اقرار کرے، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اگر وہ توبہ کرنے والا ہو یا گناہوں اور بندوں کی حق تلفی سے محفوظ ہو، تو وہ اپنے رب کی رحمت سے جنت میں داخل ہوگا اور سرے سے ہی اس پر جہنم کی آگ حرام ہوگی۔...... اگر وہ (مؤحد) ان لوگوں میں سے ہو، جو واجبات کو ضائع کریں یا ممنوع کاموں کا ارتکاب کریں، تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے دائرے میں ہے۔ اس کے بارے میں نہ یہ قطعیت سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ آگ پر ہمیشہ کے لیے حرام

ہے اور نہ یہ کہ وہ فوراً جنت کا مستحق ہے۔ البتہ اتنی بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ بالآخر وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا۔ لیکن اس کے جنت میں داخلے سے پہلے کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مشیت، امید اور خوف کے درمیان معلق ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اسے اس کے گناہوں پر عذاب دے، یا چاہے تو اپنے فضل سے اسے معاف کر دے۔...... چنانچہ (مؤحد کے لیے) جنت کا مستحق ہونے سے مراد یہ ہے کہ جس پر اہل سنت کا اجماع ہے کہ ہر موحد آخر کار جنت میں ضرور داخل ہوگا، چاہے معافی کے ساتھ فوراً داخل ہو یا اپنے گناہوں کی سزا کے بعد۔ آگ پر حرام ہونے سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ کے لیے آگ میں نہیں رہے گا، برخلاف خوارج اور معتزلہ کے۔''

(إكمال المُعلم :255/1)

سوال: کیا ''مقام محمود'' ہر نبی کو حاصل ہوگا؟

جواب: مقام محمود وہ فضیلت ہے، جو صرف ہمارے آخر الزمان پیغمبر محمد کریم ﷺ کو حاصل ہے، یہ آپ ﷺ کا خاصہ ہے، کسی اور نبی یا اُمتی کو حاصل نہیں۔ قرآن کریم، صحیح احادیث اور اجماع اُمت اسی پر دلالت کناں ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿عَسَىٰٓ أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ (بني إسرائيل : ٧٩)

''(اے نبی!) قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے۔''

❁ سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

يُجْمَعُ النَّاسُ فِي صَعِيدٍ وَاحِدٍ فَلَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ فَيَكُونُ أَوَّلَ

مَدْعُوٍّ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُ : لَبَّيْكَ وَسَعْدَيْكَ وَالْخَيْرُ فِي يَدَيْكَ وَالشَّرُّ لَيْسَ إِلَيْكَ وَالْمَهْدِيُّ مَنْ هَدَيْتَ وَعَبْدُكَ بَيْنَ يَدَيْكَ، أَنَا بِكَ وَإِلَيْكَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيتَ سُبْحَانَكَ رَبَّ الْبَيْتِ، فَذٰلِكَ قَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿عَسٰٓى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ (بني إسرائيل : ٧٩)

''لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا، وہاں کسی کو کلام کرنے کی جرأت نہ ہوگی، سب سے پہلے جس ہستی کو آواز دی جائے گی، وہ محمد کریم ﷺ ہوں گے، تو آپ ﷺ جواب دیں گے: (میرے رب!) میں حاضر ہوں، اسے خوش بختی سمجھتا ہوں، ہر خیر تیرے ہاتھ میں ہے، برائی کی نسبت تیری طرف نہیں ہے، ہدایت یافتہ وہی ہے، جسے تو ہدایت دے، میں تیرا بندہ تیری سامنے ہوں، میں تجھ سے ہی مدد مانگتا ہوں، تیری طرف ہی پناہ پکڑتا ہوں، ہمارے رب! تو بابرکت ہے اور بلند و بالا ہے، اے کعبہ کے رب! تو پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے: ﴿عَسٰٓى أَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُودًا﴾ (بني إسرائيل : ٧٩) ''(اے نبی!) قریب ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقام محمود پر فائز کرے۔''

(مسند أبي داود الطّيالسي : 414، السّنن الكبرىٰ للنّسائي : 11230، مسند البزّار : 2926، وسندہٗ صحيحٌ)

اس روایت کو امام حاکم رحمہ اللہ (۳۳۸۴) نے بخاری ومسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

امام ابن مندہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ مُجْمَعٌ عَلٰى صِحَّتِهٖ وَقَبُولِ رُوَاتِهٖ .

''اس سند کے صحیح ہونے اور اس کے راویوں کے مقبول (ثقہ) ہونے پر اجماع ہے۔''

(الإيمان، تحت الرقم : 930)

سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جو اذان کے جواب میں یہ دعا پڑھتا ہے، روز قیامت اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو جائے گی:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ، وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَّهٗ .

''اللہ! اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے رب! تُو محمد (کریم ﷺ) کو خاص تقرب اور خاص فضیلت عطا فرما اور انہیں اس مقام محمود پر فائز فرما، جس کا تُو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔''

(صحيح البخاري : 614)

سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اذان سننے کے بعد یہ الفاظ کہے، تو روزِ قیامت اسے میری شفاعت نصیب ہوگی:

بِحَقِّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ، آتِ مُحَمَّدَانِ الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ، وَابْعَثْهُ الْمَقَامَ الْمَحْمُودَ الَّذِي وَعَدْتَهٗ، إِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيعَادَ .

''اللہ! اس کامل دعوت اور قائم ہونے والی نماز کے طفیل محمد (ﷺ) کو وسیلہ اور

فضیلت عطا فرما اور انہیں اس مقام محمود پر فائز فرما، جس کا تُو نے ان سے وعدہ فرمایا ہے، بلاشبہ تو اپنے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔''

(المُعجم الأوسط للطّبراني : 4654، المُعجم الصّغير للطّبراني : 670، السّنن الكبرٰى للبيهقي :410/1، الدّعوات الكبير للبيهقي : 49، وسندهٗ صحيحٌ)

مقام محمود صرف نبی کریم ﷺ کو حاصل ہوگا۔

❁ علامہ ابو جعفر غرناطی رحمہ اللہ (۷۰۸ھ) فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ مِمَّا خُصَّ بِهٖ حَسْبَمَا ثَبَتَ فِي الصَّحِيحِ، وَانْعَقَدَ عَلَيْهِ إِجْمَاعُ أَهْلِ السُّنَّةِ.

''مقام محمود وہ فضیلت ہے، جو نبی کریم ﷺ کا خاصہ ہے، جیسا کہ صحیح حدیث میں آیا ہے، اس پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے۔''

(البُرهان، ص 247)

مقام محمود کے علاوہ بھی رسول اللہ ﷺ کو روز قیامت کئی خصائص عطا ہوں گے، جنہیں مختصرا ذیل کی عبارت میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

❁ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْلِيمًا تَشْرِيفَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لَا يُشْرِكُهٗ فِيهَا أَحَدٌ، وَتَشْرِيفَاتٌ لَا يُسَاوِيهِ فِيهَا أَحَدٌ؛ فَهُوَ أَوَّلُ مَنْ تَنْشَقُّ عَنْهُ الْأَرْضُ ...... وَلَهُ اللِّوَاءُ الَّذِي آدَمُ فَمَنْ دُونَهٗ تَحْتَ لِوَائِهٖ، وَلَهُ الْحَوْضُ الَّذِي لَيْسَ فِي الْمَوْقِفِ أَكْثَرُ وَارِدًا مِنْهُ، وَلَهُ الشَّفَاعَةُ الْعُظْمٰى عِنْدَ اللّٰهِ لِيَأْتِيَ لِفَصْلِ

الْقَضَاءِ بَيْنَ الْخَلَائِقِ، وَذٰلِكَ بَعْدَمَا يَسْأَلُ النَّاسُ آدَمَ ثُمَّ نُوحًا ثُمَّ إِبْرَاهِيمَ ثُمَّ مُوسٰى ثُمَّ عِيسٰى، فَكَلٌّ يَقُولُ: «لَسْتُ لَهَا»، حَتَّى يَأْتُوا إِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَقُولُ: «أَنَا لَهَا، أَنَا لَهَا» كَمَا سَنَذْكُرُ ذٰلِكَ مُفَصَّلًا فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَمِنْ ذٰلِكَ أَنَّهٗ يُشَفَّعُ فِي أَقْوَامٍ قَدْ أُمِرَ بِهِمْ إِلَى النَّارِ، فَيُرَدُّونَ عَنْهَا، وَهُوَ أَوَّلُ الْأَنْبِيَاءِ يُقْضٰى بَيْنَ أُمَّتِهٖ، وَأَوَّلُهُمْ إِجَازَةً عَلَى الصِّرَاطِ بِأُمَّتِهٖ، وَهُوَ أَوَّلُ شَفِيعٍ فِي الْجَنَّةِ، كَمَا ثَبَتَ فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ ...... وَيُشَفَّعُ فِي رَفْعِ دَرَجَاتِ أَقْوَامٍ لَا تَبْلُغُهَا أَعْمَالُهُمْ، وَهُوَ صَاحِبُ الْوَسِيلَةِ الَّتِي هِيَ أَعْلٰى مَنْزِلَةٍ فِي الْجَنَّةِ، لَا تَلِيقُ إِلَّا لَهٗ، وَإِذَا أَذِنَ اللّٰهُ تَعَالَى فِي الشَّفَاعَةِ لِلْعُصَاةِ شَفَّعَ الْمَلَائِكَةُ وَالنَّبِيُّونَ وَالْمُؤْمِنُونَ، فَيُشَفَّعُ هُوَ فِي خَلَائِقَ لَا يَعْلَمُ عِدَّتَهُمْ إِلَّا اللّٰهُ، وَلَا يُشَفَّعُ أَحَدٌ مِثْلَهٗ وَلَا يُسَاوِيهِ فِي ذٰلِكَ. وَقَدْ بَسَطْتُ ذٰلِكَ مُسْتَقْصًى فِي آخِرِ «كِتَابِ السِّيرَةِ» فِي بَابِ الْخَصَائِصِ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ.

”رسول اللہ ﷺ کے لیے قیامت کے دن کچھ ایسے اعزازات ہوں گے، جن میں آپ ﷺ کے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوگا اور بعض شرف ایسے ہوں گے کہ

جن میں کوئی آپ ﷺ کے برابر نہیں ہوگا۔سب سے پہلے آپ ﷺ کی قبر مبارک سے زمین شق ہوگی (اور آپ ﷺ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے)۔
......آپ ﷺ کے ہاتھ میں لواء الحمد (حمد کا جھنڈا) ہوگا، جس کے نیچے سیدنا آدم علیہ السلام اور بعد میں آنے والے تمام انبیائے کرام علیہم السلام ہوں گے۔

آپ ﷺ کو حوضِ کوثر عطا ہوگا، جس پر قیامت کے دن سب سے زیادہ لوگ وارد ہوں گے۔آپ ﷺ کو شفاعتِ عظمیٰ عطا کی جائے گی، جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قیامت کے فیصلے کی شفاعت ہوگی، تاکہ مخلوق کے درمیان فیصلہ کیا جائے۔ یہ اس وقت ہوگا، جب لوگ سیدنا آدم علیہ السلام، سیدنا نوح علیہ السلام، سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ علیہ السلام اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس یکے بعد دیگرے جائیں گے اور ہر نبی کہے گا: ''میں اس مقام کا اہل نہیں۔'' بالآخر لوگ محمد کریم ﷺ کے پاس آئیں گے، تو آپ ﷺ فرمائیں گے: ''میں اس کے لیے ہوں، میں اس کے لیے ہوں۔'' جیسا کہ ہم آگے اس مقام پر تفصیل سے ذکر کریں گے، ان شاء اللہ۔ نبی کریم ﷺ کے قیامت کے اعزازات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ ان لوگوں کی شفاعت کریں گے، جن کے بارے میں جہنم کا حکم صادر ہو چکا ہوگا، تو آپ ﷺ کی شفاعت سے وہ جہنم سے واپس کر دیے جائیں گے۔آپ ﷺ وہ پہلے نبی ہوں گے، جن کی امت کے مابین فیصلہ ہوگا۔آپ ﷺ وہ پہلے نبی ہوں گے، جو اپنی امت کے ساتھ پل صراط سے گزارے جائیں گے۔ آپ ﷺ جنت میں سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہوں گے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے۔ ......

آپ ﷺ ان لوگوں کے لیے بھی شفاعت کریں گے، جن کے اعمال ایسے بلند درجات تک نہیں پہنچتے ہوں گے، تو آپ ﷺ کی شفاعت سے ان کے درجات بلند کر دیے جائیں گے۔ آپ ﷺ ہی وہ ہستی ہیں، جنہیں وسیلہ عطا کیا جائے گیا، جو جنت میں سب سے اعلیٰ مقام ہے اور وہ مقام آپ ﷺ کے علاوہ کسی کے لائق وشایان شان نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ گناہ گاروں کے حق میں شفاعت کی اجازت دے گا، تو فرشتے، انبیاء اور مؤمن سب شفاعت کریں گے، مگر نبی کریم ﷺ ایسے لوگوں کے حق میں شفاعت کریں گے، جن کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور آپ ﷺ جیسا کوئی شفاعت کرنے والا نہ ہوگا، نہ کوئی آپ ﷺ کے برابر ہوگا۔

میں نے (نبی کریم ﷺ کے) ان تمام خصائص کو اپنی کتاب سیرت کے آخر میں باب الخصائص میں تفصیل سے بیان کر دیا ہے، تعریف صرف اللہ کی ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر : 104/5)

سوال: اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے معیت ثابت کی ہے، اس معیت کا کیا معنی ہے؟

جواب: اللہ نے اپنے لیے علو ثابت کیا ہے، بعض آیات میں اللہ تعالیٰ کی معیت کا ذکر ہے، اہل سنت والجماعت کے ہاں اس معیت سے مراد اللہ تعالیٰ کا احاطہ ہے، جس میں سمع، بصر، قدرت، علم سب شامل ہیں۔

اہل ضلال نے معیت والی آیات سے یہ استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے اور ہر شے میں حلول کیے ہوئے ہے۔ حالانکہ یہ آیات ان کے اس باطل دعویٰ پر دلالت ہی نہیں کرتیں، کیوں کہ معیت سے حلول لازم نہیں آتا، جیسا کہ عربوں کا کہنا ہے: «اَلْقَمَرُ

مَعَنَا﴾ ''چاند ہمارے ساتھ ہے۔'' حالانکہ چاند آسمان پر ہوتا ہے۔ ﴿زَوْجَتِي مَعِيَ﴾ ''میری بیوی میرے ساتھ رہتی ہے۔'' حالانکہ وہ مشرق میں ہوتا ہے اور وہ مغرب میں ہوتی ہے۔ لہٰذا معیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ ساتھ والا آدمی ہمیشہ ساتھ والے کی جگہ میں ہو، بلکہ مضاف الیہ کے اعتبار سے معیت کا تعین کیا جا سکتا ہے، کبھی ہم کہہ دیتے ہیں: ﴿هٰذَا لَبَنٌ مَعَهٗ مَاءٌ﴾ ''اس دودھ میں پانی ملا ہے۔'' یہ معیت اختلاط کا تقاضا کرتی ہے، آدمی کہتا ہے: ﴿مَتَاعِي مَعِيَ﴾ ''میرا مال میرے پاس ہے۔'' حالانکہ وہ تو اس کے گھر میں پڑا ہوتا ہے اور سامان اٹھائے ہوئے کہتا ہے: ﴿مَتَاعِي مَعِيَ﴾ ''میرا مال میرے پاس ہے۔'' اس صورت میں وہ سامان اس کے ساتھ متصل ہوتا ہے۔ یہ ایک ہی کلمہ ہے، لیکن اضافت کے بدلنے سے اس کے معانی بھی بدلتے رہتے ہیں۔

اس لیے اللہ تعالیٰ کی معیت کا معنی یہ نہیں کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے ہمارے ساتھ ہے، بلکہ اللہ کی معیت سے مراد اس کا احاطہ اور قدرت ہے۔ یہ معیت کی تاویل نہیں، بلکہ لغت عرب میں ہی اس معنی کی تائید موجود ہے، جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے۔

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی معیت حقیقی کا یہ معنی کرے، جو اہل سنت کرتے ہیں، تو یہ برحق ہے، لیکن اگر اس معیت کا معنی یہ کرے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہے، اسی طرح اپنی ذات کے اعتبار سے ہمارے ساتھ بھی ہے، تو یہ واضح گمراہی ہے اور اہل سنت والجماعت کی تعبیرات کے خلاف ہے۔

❁ امام ابو عمر احمد بن محمد بن عبداللہ طلمنکی (۴۲۹ھ) اپنی کتاب اَلْوُصُولُ إِلٰی عِلْمِ الْأُصُولِ میں فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ، عَلٰى أَنَّ مَعْنٰى ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ﴾ وَنَحْوَ ذٰلِكَ مِنَ الْقُرْآنِ، أَنَّ ذٰلِكَ عِلْمُهٗ، وَأَنَّ اللّٰهَ فَوْقَ السَّمٰوَاتِ بِذَاتِهٖ، مُسْتَوِيًا عَلٰى عَرْشِهٖ كَيْفَ شَاءَ.

''اہل سنت والجماعت کے مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ فرمان باری تعالیٰ: ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ﴾ اور اس طرح کی دوسری آیات قرآنی سے مراد اللہ تعالیٰ کا علم ہے، نیز اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے، جیسے اس کو لائق ہے۔''

(بَيان تَلبيس الجَهمية لابن تيمية : 38/2، اجتماع جُيوش الإسلامية لابن القَيّم، ص 142، العُلُوُّ للذّهبي، ص 264)

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

جَاءَ عَشِيَّةَ خَمِيسٍ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، قَالَ: فَقَعَدَ النَّاسُ حَوْلَهٗ، قَالَ: أُحَرِّجُ عَلٰى كُلِّ قَاطِعِ رَحِمٍ إِلَّا قَامَ مِنْ عِنْدِنَا، قَالَ: فَقَامَ شَابٌّ فَأَتٰى عَمَّةً لَّهٗ قَدْ حَرَّمَهَا مُنْذُ سِنِينَ، فَسَلَّمَ عَلَيْهَا، فَقَالَتِ: ابْنَ أَخِي مَا جَاءَ بِكَ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنِّي قَعَدْتُ إِلٰى أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَالَ: أُحَرِّجُ عَلٰى كُلِّ قَاطِعِ رَحِمٍ إِلَّا قَامَ مِنْ عِنْدِنَا، حَتّٰى كَانَتِ الثَّالِثَةُ، قَالَتِ: ارْجِعْ إِلَيْهِ فَاسْأَلْهُ لِمَ قَالَ ذٰلِكَ؟ فَرَجَعَ إِلَيْهِ فَقَصَّ عَلَيْهِ الْقِصَّةَ مَا كَانَ مِنْ أَمْرِهٖ وَمَا

قَالَتْ لَهُ عَمَّتُهُ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : إِنَّ أَعْمَالَ بَنِي آدَمَ تُعْرَضُ كُلَّ خَمِيسٍ لَيْلَةَ الْجُمُعَةِ، فَلَا يُقْبَلُ عَمَلُ قَاطِعِ رَحِمٍ .

''آپ رضی اللہ عنہ جمعرات کی شام یعنی جمعہ کی رات تشریف لائے، تو لوگ آپ رضی اللہ عنہ کے اردگرد بیٹھ گئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں ہر اس شخص پر نالاں ہوں، جو رشتہ داری توڑنے والا ہے، لہٰذا وہ اس مجلس سے اُٹھ جائے۔ چنانچہ ایک نوجوان اٹھا اور اپنی پھوپھی کے پاس گیا، جس سے وہ کئی سالوں سے قطع تعلق کیے ہوئے تھا۔ اس نے جا کر اسے سلام کیا، تو پھوپھی نے کہا: بھتیجے! آپ میرے پاس کیسے؟ اس نے کہا: دراصل میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مجلس میں بیٹھا تھا، انہوں نے فرمایا: میں ہر قطع رحمی کرنے والے پر سختی کرتا ہوں کہ وہ ہماری مجلس سے اٹھ جائے۔ یہ بات انہوں نے تین مرتبہ فرمائی۔ پھوپھی نے کہا: جائیے اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھ کر آئیے کہ انہوں نے یہ بات کیوں کہی؟ سو وہ واپس آیا اور سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سارا ماجرا کہا۔ تو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: بیشک بنی آدم کے اعمال ہر جمعرات کی شام، یعنی جمعہ کی رات، اللہ کے حضور پیش کیے جاتے ہیں، تو قطع رحمی کرنے والے کا عمل قبول نہیں کیا جاتا۔''

(الأدب المُفرد للبخاري :61، مَساوئ الأخلاق للخرائطي : 268، شُعَب الإيمان للبيهقي : 7595)

جواب: سند ضعیف ہے۔ ابو ایوب سلیمان مولیٰ عثمان بن عفان مجہول الحال ہے،

اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات: ۴/ ۳۱۱'' میں ذکر کیا ہے۔

❁ اسے امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''مجہول'' کہا ہے۔

(سوالات البرقاني : 127)

اس ابوایوب کو عبداللہ بن ابی سلیمان قرار دینا درست نہیں، واللہ اعلم!

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ محمد بن منکدر مدنی، صفوان بن سلیم مدنی اور موسیٰ بن عقبہ مطرفی رحمہم اللہ سے منقول ہے:

إِنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ كَتَبَ إِلٰى أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمَا، أَنَّهٗ وَجَدَ فِي بَعْضِ ضَوَاحِي الْعَرَبِ رَجُلًا يُنْكَحُ كَمَا تُنْكَحُ الْمَرْأَةُ، وَقَامَتْ عَلَيْهِ بِذٰلِكَ الْبَيِّنَةُ، فَاسْتَشَارَ أَبُو بَكْرٍ فِي ذٰلِكَ أَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَ أَشَدَّهُمْ فِي ذٰلِكَ قَوْلُ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، قَالَ : إِنَّ هٰذَا ذَنْبٌ لَمْ تَعْصِ بِهٖ أُمَّةٌ مِنَ الْأُمَمِ إِلَّا أُمَّةٌ وَاحِدَةٌ، صَنَعَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهَا مَا عَلِمْتُمْ، أَرٰى أَنْ نُحَرِّقَهٗ بِالنَّارِ، فَكَتَبَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ إِلٰى خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ تُحَرِّقُهٗ بِالنَّارِ، ثُمَّ حَرَّقَهُمُ ابْنُ الزُّبَيْرِ فِي زَمَانِهٖ بِالنَّارِ، ثُمَّ حَرَّقَهُمْ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، ثُمَّ حَرَّقَهُمُ الْقَسْرِيُّ بِالْعِرَاقِ .

''سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ انہوں نے

عرب کے بعض نواحی علاقوں میں ایک ایسا شخص پایا ہے، جس کے ساتھ اسی طرح بدفعلی کی جاتی ہے، جیسے عورت کے ساتھ جماع کیا جاتا ہے اور اس کے خلاف اس بات کی گواہی بھی قائم ہوگئی ہے۔تو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس معاملہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا۔اس بارے میں سب سے سخت رائے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی تھی۔انہوں نے کہا: یہ ایسا گناہ ہے، جس میں صرف ایک امت نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ وہ کیا جو آپ سب جانتے ہیں (یعنی قومِ لوط کا عذاب)، میری رائے تو یہ ہے کہ اسے آگ سے جلا دیا جائے۔چنانچہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ اُسے آگ میں جلا دیجئے۔ پھر سیدنا عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں بھی لواطت کے مرتکبین کو آگ میں جلایا گیا اور ہشام بن عبد الملک نے بھی انہیں جلایا، پھر قسری نے بھی عراق میں ایسے لوگوں کو آگ میں جلایا۔‘‘

(مساوي الأخلاق للخرائطي : 428)

جواب: سند ضعیف ہے۔محمد بن منکدر مدنی، صفوان بن سلیم مدنی اور موسیٰ بن عقبہ مطرفی رحمہم اللہ تینوں کا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۹۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: اہل سنت کا اہل بدعت کے ساتھ رویہ کیسا ہونا چاہیے؟

جواب: اہل سنت والجماعت قوت وطاقت کے اعتبار سے غالب ہوں یا مغلوب، ہر صورت میں عدل وانصاف اور علم وحکمت کے مطابق چلتے ہیں، اہل بدعت پر ظلم وزیادتی سے گریزاں رہتے ہیں، ان کا اہل بدعت کے ساتھ وہی رویہ ہوتا ہے، جو خیر القرون کے اہل سنت نے اہل بدعت کے ساتھ رکھا۔ جب اہل سنت غالب ہوتے ہیں، تو وہ اہل بدعت پر ظلم نہیں کرتے، نہ انہیں بلا وجہ قتل کرتے ہیں، بلکہ انہیں دعوت وتبلیغ کے ذریعے سنت کی طرف راغب کرتے ہیں، لیکن جہاں اور جب کبھی اہل سنت کمزور ہوتے ہیں، تو وہ منافقت سے کام لے کر اہل بدعت کی ہاں میں ہاں نہیں ملاتے اور خود کو ان کے رنگ میں نہیں رنگتے، بلکہ صبر سے کام لیتے ہیں اور حق گوئی نہ کر سکیں، تو کم سے کم خاموش رہتے ہیں، اہل بدعت کی ظالمانہ رویے کو صبر وتحمل سے برداشت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مدد کا انتظار کرتے ہیں۔

اہل بدعت کا معاملہ اس کے برعکس ہے، جب بھی انہیں قوت ملتی ہے، تو وہ اپنی طاقت کا ناجائز استعمال کرتے ہیں، اہل سنت کو طرح طرح کی اذیت پہنچاتے ہیں، ان سے قتال کرتے ہیں، انہیں سنت کی پاداش میں پابند سلاسل کر دیتے ہیں، ان کی مساجد اور مدارس پر دھاوا بول دیتے ہیں، گویا ان کے ساتھ وہ سلوک روا رکھتے ہیں، جو شاید اہل کفر اور اہل

شرک کے ساتھ بھی جائز نہ ہو۔

۞ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

اَلْمُؤْمِنُ مَشْرُوعٌ لَهٗ مَعَ الْقُدْرَةِ أَنْ يُقِيمَ دِينَ اللّٰهِ بِحَسَبِ الْإِمْكَانِ بِالْمُحَارَبَةِ وَغَيْرِهَا وَمَعَ الْعَجْزِ يُمْسِكُ عَمَّا عَجَزَ عَنْهُ مِنَ الْاِنْتِصَارِ وَيَصْبِرُ عَلٰى مَا يُصِيبُهٗ مِنَ الْبَلَاءِ مِنْ غَيْرِ مُنَافَقَةٍ، بَلْ يُشْرَعُ لَهٗ مِنَ الْمُدَارَاةِ وَمِنَ التَّكَلُّمِ بِمَا يُكْرَهُ عَلَيْهِ مَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهٗ فَرَجًا وَمَخْرَجًا وَلِهٰذَا كَانَ أَهْلُ السُّنَّةِ مَعَ أَهْلِ الْبِدْعَةِ بِالْعَكْسِ إِذَا قَدَرُوا عَلَيْهِمْ لَا يَعْتَدُونَ عَلَيْهِمْ بِالتَّكْفِيرِ وَالْقَتْلِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ، بَلْ يَسْتَعْمِلُونَ مَعَهُمُ الْعَدْلَ الَّذِي أَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ وَرَسُولُهٗ، كَمَا فَعَلَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ بِالْحَرُورِيَّةِ وَالْقَدَرِيَّةِ، وَإِذَا جَاهَدُوهُمْ فَكَمَا جَاهَدَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ الْحَرُورِيَّةَ بَعْدَ الْإِعْذَارِ إِقَامَةً لِلْحُجَّةِ وَعَامَّةُ مَا كَانُوا يَسْتَعْمِلُونَ مَعَهُمُ الْهِجْرَانَ وَالْمَنْعَ مِنَ الْأُمُورِ الَّتِي تَظْهَرُ بِسَبَبِهَا بِدْعَتُهُمْ، مِثْلُ تَرْكِ مُخَاطَبَتِهِمْ وَمُجَالَسَتِهِمْ لِأَنَّ هٰذَا هُوَ الطَّرِيقُ إِلٰى خُمُودِ بِدْعَتِهِمْ، وَإِذَا عَجَزُوا عَنْهُمْ لَمْ يُنَافِقُوهُمْ بَلْ يَصْبِرُونَ عَلَى الْحَقِّ الَّذِي بَعَثَ اللّٰهُ بِهٖ نَبِيَّهٗ كَمَا كَانَ سَلَفُ الْمُؤْمِنِينَ يَفْعَلُونَ وَكَمَا أَمَرَهُمُ اللّٰهُ فِي كِتَابِهٖ

حَيْثُ أَمَرَهُمْ بِالصَّبْرِ عَلَى الْحَقِّ وَأَمَرَهُمْ أَنْ لَا يَحْمِلَهُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى أَنْ لَا يَعْدِلُوا.

''مومن کے لیے مشروع ہے کہ جب وہ قدرت رکھتا ہو، تو اللہ کے دین کو اس کی استطاعت کے مطابق خواہ جہاد کے ذریعے ہو یا کسی اور طریقے سے قائم کرے۔ جب وہ عاجز ہو (یعنی قدرت نہ رکھتا ہو)، تو دین کی جس نصرت سے وہ عاجز ہو، اس سے رک جائے اور جو مصیبت اسے پہنچے، اس پر صبر کرے، منافقانہ روش اختیار نہ کرے، بلکہ اس کے لیے جائز ہے کہ وہ مدارات (نرمی وحکمت) سے کام لے اور ایسے کلمات کہہ دے، جو اس سے جبراً کہلوائے گئے ہوں، تا کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے کشادگی اور راستہ بنا دے۔ یہی وجہ سے اہل سنت کا اہل بدعت کے ساتھ رویہ (اہل بدعت کے اہل سنت کے ساتھ ظالمانہ رویے کے) برعکس رہا ہے، یعنی جب ان پر قدرت پاتے ہیں، تو ان پر تکفیر، قتل وغیرہ کے ساتھ ظلم وزیادتی نہیں کرتے، بلکہ ان کے ساتھ اس عدل کا معاملہ کرتے ہیں، جس کا اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے، جیسا کہ امام عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے حروریہ (خوارج) اور منکرین تقدیر کے ساتھ کیا۔ اہل سنت جب اہل بدعت سے جہاد کرتے ہیں، تو اسی طرح کرتے ہیں، جیسے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے حروریہ سے کیا، یعنی حجت قائم کر کے ان کا عذر ختم کرنے کے بعد۔ اکثر اوقات اہل سنت اہل بدعت کے ساتھ ہجر (سماجی بائیکاٹ) اور ان امور سے روکنے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جن سے ان کی بدعت ظاہر ہو جائے، جیسے ان سے بات نہ کرنا اور ان کی مجلس میں نہ

بیٹھنا، کیونکہ یہی طریقہ ان کی بدعت کے بجھنے کا ذریعہ ہے۔ جب اہل سنت اہل بدعت سے عاجز ہو جائیں، تو ان سے نفاق نہیں کرتے، بلکہ اس حق پر صبر کرتے ہیں، جسے اللہ نے اپنے نبی کے ذریعے بھیجا، جیسا کہ سلف مؤمنین کیا کرتے تھے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کتاب میں انہیں اس بات کا حکم دیا ہے کہ وہ حق پر صبر کریں اور کسی قوم کی دشمنی انہیں عدل سے باز نہ رکھے۔''

(الفتاوی الکبریٰ: 528/6)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❁ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

شَكَوْتُ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَدَ النَّاسِ إِيَّايَ، فَقَالَ: أَمَا تَرْضٰى أَنْ تَكُونَ رَابِعَ أَرْبَعَةٍ؛ أَوَّلُ مَنْ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَنَا وَأَنْتَ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ، وَأَزْوَاجُنَا عَنْ أَيْمَانِنَا، وَعَنْ شَمَائِلِنَا، وَذَرَارِيُّنَا خَلْفَ أَزْوَاجِنَا، وَشِيعَتُنَا مِنْ وَرَائِنَا.

''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکایت کی ہے کہ لوگ میرے ساتھ حسد کرتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا آپ اس پر راضی نہیں کہ (سب سے پہلے جنت میں داخل ہونے والے) چار میں سے ایک ہوں۔ جس سے پہلے میں، آپ، حسن و حسین جنت میں داخل ہوں گے، ہماری بیویاں ہمارے دائیں اور بائیں جانب ہوں گی، ہماری اولادیں ہماری بیویوں کے پیچھے ہوں گے اور ہمارے ماننے والے ہمارے پیچھے ہوں گے۔''

(فضائل الصّحابة لأحمد بن حنبل: 1068، مُعجم ابن الأعرابي: 575)

جواب: سند باطل ہے۔

① عمر بن موسیٰ بن وجیہ ضعیف، منکرالحدیث اور متروک ہے۔

۞ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ بَيِّنُ الْأَمْرِ فِي الضُّعَفَاءِ، وَهُوَ فِي عِدَادِ مَنْ يَضَعُ الْحَدِيثَ مَتْنًا وَّإِسْنَادًا .

''ضعفاء کی فہرست میں اس کا معاملہ بالکل واضح ہے، بلکہ اس کا شمار ان راویوں میں ہوتا ہے، جو متن اور سند گھڑنے والے ہیں۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 23/6)

② اسماعیل بن عمرو بجلی ضعیف ہے۔

۞ اس کی دوسری سند بھی ہے۔

(المُستدرك للحاكم : 4723)

سند سخت ضعیف ہے۔

① عاصم بن ضمرہ کی بعض روایات منکر ہیں۔

② حبیب بن ابی ثابت نے عاصم بن ضمرہ سے سماع نہیں کیا۔

۞ امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَا يَثْبُتُ لِحَبِيبٍ رِوَايَةٌ عَنْ عَاصِمٍ .

''حبیب بن ابی ثابت کی عاصم بن ضمرہ سے کوئی روایت ثابت نہیں۔''

(عِلَل الحديث لابن أبي حاتم : 2308)

③ عاصم بن ضمرہ سے حبیب بن ابی ثابت کی نقل کردہ روایات منکر ہیں۔

❀ امام بزار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رَوٰی عَنْهُ أَحَادِيثَ مَنَاكِيرَ، وَأَحْسِبُ أَنَّ حَبِيبًا لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُ إِنَّمَا بَلَغَهٗ عَنْهُ هٰذِهِ الْأَحَادِيثُ .

''حبیب بن ابی ثابت نے عاصم سے منکر احادیث بیان کی ہیں، میرا خیال ہے کہ حبیب نے عاصم سے براہِ راست نہیں سنا بلکہ اس کی احادیث کسی کے واسطہ سے حبیب تک پہنچی ہیں۔''

(إكمال تهذيب الكمال لمُغلطاي : 106/7، تهذيب التّهذيب لابن حجر : 45/5)

❀ سیدنا ابو رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

إِنَّ أَوَّلَ أَرْبَعَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ أَنَا وَأَنْتَ وَالْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ، وَذَرَارِيُّنَا خَلْفَ ظُهُورِنَا، وَأَزْوَاجُنَا خَلْفَ ذَرَارِيِّنَا، وَشِيعَتُنَا عَنْ أَيْمَانِنَا وَعَنْ شَمَائِلِنَا .

''جنت میں داخل ہونے والے سب سے پہلے چار لوگ ہوں گے؛ میں، آپ، حسن اور حسین، ہماری اولادیں ہمارے پیچھے ہوں گی، ہماری بیویاں ہماری اولاوں کے پیچھے ہوں گی اور ہمیں ماننے والے لوگ ہمارے دائیں بائیں ہوں گے۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني : 41/3)

سند باطل ہے۔

① محمد بن عبید اللہ بن ابی رافع ضعیف، منکر الحدیث اور متہم ہے۔

② یحییٰ بن یعلی اسلمی سخت ضعیف ہے۔

③ حرب بن حسن طحان مجہول الحال ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات: ۸/۲۱۳'' میں ذکر کیا ہے۔

سوال: فرض نماز سے سلام پھیرنے کے بعد باآواز بلند اللہ اکبر کہنا کیسا ہے؟

جواب: فرض نماز کے بعد باآواز بلند اللہ اکبر کہنا مسنون مستحب ہے۔ عہد نبوی میں یہ عمل رائج تھا۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ اَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالتَّكْبِيرِ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اکبر کہتے، تو میں جان لیتا کہ نماز مکمل ہوگئی ہے۔''

(صحيح البخاري : 842؛ صحيح مسلم : 583)

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

إِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ، بِالذِّكْرِ حِينَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوبَةِ كَانَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ : كُنْتُ أَعْلَمُ إِذَا انْصَرَفُوا بِذٰلِكَ إِذَا سَمِعْتُهٗ .

''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فرض نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر (اللہ اکبر) ہوتا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں یہ ذکر سن کر معلوم کر لیتا کہ لوگ نماز سے سلام پھیر چکے ہیں۔''

(صحيح البخاري :841؛ صحيح مسلم : 583)

اس حدیث میں مطلق ذکر کا بیان ہے، جبکہ پچھلی حدیث میں اس ذکر کو 'اللہ اکبر' کے

ساتھ مقید کیا ہے، لہٰذا اسے پچھلی حدیث پر ہی محمول کریں گے۔

حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد اونچی آواز میں اللہ اکبر رسول اللہ ﷺ بھی پڑھتے تھے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی۔ نیز یہ عمل دائمی تھا۔

لہٰذا بعض کا اس عمل کو بدعت کہنا بلا دلیل ہے۔

سوال: موبائل پر سورت بقرہ کی تلاوت لگائی، اسی دوران میاں بیوی نے ازدواج قائم کرلیا، کیا حکم ہے؟

جواب: کوئی حرج نہیں، کیونکہ تلاوت پہلے سے ہی چل رہی ہے، اس دوران وہ مل گئے، اس میں کوئی شرعی قباحت معلوم نہیں ہوتی، کیونکہ اس عمل میں ان کا ارداہ قرآن کریم کی توہین نہیں۔

سوال: سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ کیا ہے؟

جواب: سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بڑا تعجب خیر ہے، ذیل کی روایت میں ملاحظہ فرمائیں؛

❀ سیدنا عدی بن حاتم طائی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَهَاجَرَ إِلَيْهَا جَعَلَ يَبْعَثُ السَّرَايَا، فَلَا يَزَالُ إِبِلُ قَوْمٍ قَدْ أَغَارَتْ عَلَيْهَا خَيلُهُ، فَلَمَّا رَأَيْتُ ذٰلِكَ قُلْتُ : وَاللّٰهِ لَوْ خَلَّفْتُ أَجْمَالًا مِنْ إِبِلِي، فَكَانَتْ تَكُونُ قَرِيبًا، فَوَاللّٰهِ مَا شَعُرْتُ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ رَاعِي الْإِبِلِ قَدْ جَاءَ يَعْدُو بِعَصَاهُ، قُلْتُ : وَيْلَكَ مَا لَكَ؟ قَالَ

: أُغِيرَ وَاللّٰهِ عَلَى النُّعُومِ، قُلْتُ : مَنْ أَغَارَ عَلَيْهَا؟ قَالَ : خَيلُ مُحَمَّدٍ، قُلْتُ لِنَفْسِي : هٰذَا الَّذِي كُنْتُ أَحْذَرُ، فَوَثَبْتُ أُرحِّلُ أَجْمَالِي أَنْجُو بِأَهْلِي، وَكُنْتُ نَصْرَانِيًّا وَلِيَ عَمَّةٌ فَدَخَلْتُ، فَقُلْتُ : مَا تُرٰى يُصْنَعُ بِهَا؟ وحَمَلْتُ امْرَأَتِي، وَجَاءَ تْنِى عَمَّتِي فَقَالَتْ : يَا عَدِيُّ، أَمَا تَتَّقِي اللّٰهَ أَنْ تَنْجُوَ بِامْرَأَتِك وَتَدَعَ عَمَّتَكَ، فَقُلْتُ : مَا عَسٰى أَنْ يَصْنَعُوا بِهَا؟ امْرَأَةٌ قَدْ خُلِّيَ مِنْ سِنِّهَا، فَمَضَيْتُ وَلَمْ أَلْتَفِتْ إِلَيْهَا حَتّٰى وَرَدْتُ الشَّامَ، فَانْتَهَيْتُ إِلٰى قَيْصَرَ وَهُوَ يَوْمَئِذٍ بِحِمْصَ، فَقُلْتُ : إِنِي رَجُلٌ مِنَ الْعَرَبِ وَأَنَا عَلٰى دِينِكَ، وَإِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ لَيَتَنَاوَلُنَا، فَكَانَ الْمَفَرُّ إِلَيْكَ، قَالَ : اذْهَبْ فَانْزِلْ مَكَانَ كَذَا وَكَذَا حَتّٰى نَرٰى مِنْ رَأْيِكَ، فَذَهَبْتُ فَنَزَلْتُ الْمَكَانَ الَّذِي قَالَ لِي، فَكُنْتُ بِهِ حِينًا، فبَيْنَا أَنَا ذَاتَ يَوْمٍ إِذَا أَنَا بِظَعِينَةٍ مُتَوَجِّهَةٍ إِلَيْنَا حَتّٰى انْتَهَتْ إِلٰى بُيُوتِنَا، فَإِذَا هِيَ عَمَّتِي، فَقَالَتْ لِي : يَا عَدِيُّ أَمَا اتَّقَيْتَ اللّٰهَ أنْ تَنْجُوَ بِامْرَأَتِك وَتَرَكْتَ عَمَّتَكَ، قُلْتُ : قَدْ كَانَ ذٰلِكَ فَأَخْبِرِينَا مَا كَانَ بَعْدَنَا، قَالَتْ : إِنَّكُمْ لَمَّا انْطَلَقْتُمْ أَتَتْنَا الْخَيْلُ فَسَبَوْنَا وَذُهِبَ بِي فِي السَّبْيِ حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلَى الْمَدِينَةِ، وَكُنَّا فِي نَاحِيَةٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَمَرَّ عَلَيْنَا

رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الْقَائِلَةِ وَخَلْفَهُ رَجُلٌ يَتْبَعُهُ وَهُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، فَأَوْمَأَ إِلَيَّ ذٰلِكَ الرَّجُلُ أَنْ كَلِّمِيهِ، فَهَتَفْتُ بِهِ فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلَكَ الْوَلَدُ وَغَابَ الْوَافِدُ، فَمُنَّ عَلَيَّ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : وَمَنْ وَافِدُكِ؟ قُلْتُ : عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَ : الَّذِي فَرَّ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ، ثُمَّ مَضٰى وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيَّ حَتّٰى كَانَ الْغَدُ فَمَرَّ بِي نَحوَ تِلْكَ السَّاعَةِ وَخَلْفَهُ ذٰلِكَ الرَّجُلُ، فَأَوْمَأَ إِلَيَّ أَنْ كَلِّمِيهِ، فَهَتَفْتُ بِهِ فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلَكَ الْوَلَدُ، وَغَابَ الْوَافِدُ، فَمُنَّ عَلَيَّ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ، قَالَ : وَمَنْ وَافِدُكِ؟ قُلْتُ : عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ الطَّائِيُّ، قَالَ : الَّذِي فَرَّ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَلَمْ يَلْتَفِتْ إِلَيَّ، فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الثَّالِثُ نَحْوًا مِّنْ تِلْكَ السَّاعَةِ مَرَّ وَخَلْفَهُ ذَاكَ يَعْنِي عَلِيًّا، فَأَوْمَأَ أَنْ كَلِّمِيهِ، فَأَوْمَأْتُ إِلَيْهِ بِيَدِي أَنْ قَدْ كَلَّمْتُهُ مَرَّتَيْنِ، فَأَوْمَأَ : كَلِّمِيهِ أَيْضًا، فَهَتَفْتُ بِهِ فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلَكَ الْوَلَدُ، وَغَابَ الْوَافِدُ، فَمُنَّ عَلَيَّ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكَ، قَالَ : وَمَنْ وَافِدُكِ قُلْتُ : عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ، قَالَ : الَّذِي فَرَّ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ قَالَ : اذْهَبِي فَأَنْتِ حُرَّةٌ لِوَجْهِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، فَإِذَا وَجَدْتِ أَحَدًا يَأْتِي أَهْلَكِ

فَأَخْبِرِينِي نَحْمِلْكِ إِلٰى أَهْلِكِ قَالَتْ : فَانْطَلَقْتُ فَإِذَا أَنَا بِرُفْقَةٍ مِنْ تَنُوخَ يَحْمِلُونَ الزَّيْتَ، فَبَاعُوا زَيْتَهُمْ وَهُمْ يَرْجِعُونَ، فَحَمَلَنِي عَلٰى هٰذَا الْجَمَلِ وَزَوَّدَنِي، قَالَ عَدِيٌّ : ثُمَّ قَالَتْ لِي عَمَّتِي : أَنْتَ رَجُلٌ أَحْمَقُ، أَنْتَ قَدْ غَلَبَكَ عَلٰى شَرَفِكَ مِنْ قَوْمِكَ مَنْ لَيْسَ مِثْلَكَ، ائْتِ هٰذَا الرَّجُلَ فَخُذْ بِنَصِيبِكَ، فَقُلْتُ : وَإِنَّهُ لَقَدْ نَصَحَتْ لِي عَمَّتِي، فَوَاللّٰهِ لَوْ أَتَيْتُ هٰذَا الرَّجُلَ فَإِنْ رَأَيْتُ مَا يَسُرُّنِي أَخَذْتُ، وَإِنْ رَأَيْتُ غَيْرَ ذٰلِكَ رَجَعْتُ، وَكُنْتُ أَضِنُّ بِدِينِي .

فَأَتَيْتُ حَتّٰى وَصَلْتُ الْمَدِينَةَ فِي غَيْرِ جِوَارٍ، فَانْتَهَيْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا أَنَا فِيهِ بِحَلْقَةٍ عَظِيمَةٍ، وَلَمْ أَكُنْ قَطُّ فِي قَوْمٍ إِلَّا عُرِفْتُ، فَلَمَّا انْتَهَيْتُ إِلَى الْحَلْقَةِ سَلَّمْتُ، فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : مَنْ أَنْتَ؟ قُلْتُ : أَنَا عَدِيُّ بْنُ حَاتِمٍ الطَّائِيُّ، وَكَانَ أَعْجَبُ شَيْءٍ إِلَيْهِ أَنْ يُسَلِّمَ عَلَيْهِ أَشْرَافُ الْعَرَبِ وَرُؤُوسُهُمْ، فَوَثَبَ مِنَ الْحَلْقَةِ فَأَخَذَ بِيَدِي فَوَجَّهَ بِي إِلٰى مَنْزِلِهِ، فَبَيْنَا هُوَ يَمْشِي مَعِي إِذْ نَادَتْهُ امْرَأَةٌ وَغُلَامٌ مَعَهَا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّ لَنَا إِلَيْكَ حَاجَةً، فَخَلَوْا بِهِ قَائِمًا مَعَهُمَا حَتّٰى أَوَيْتُ لَهُ مِنْ طُولِ الْقِيَامِ، قُلْتُ فِي نَفْسِي : أَشْهَدُ أَنَّكَ

بَرِيءٌ مِنْ دِينِي وَدِينِ النُّعْمَانِ بْنِ الْمُنْذِرِ، وَأَنَّكَ لَوْ كُنْتَ مَلِكًا لَمْ يَقُمْ مَعَهُ صَبِيٌّ وَامْرَأَةٌ طُولَ مَا رَأَى، فَقَذَفَ اللّٰهُ فِي قَلْبِي لَهُ حُبًّا، حَتَّى انْتَهَيْتُ إِلٰى مَنْزِلِهٖ، فَأَلْقٰى إِلَيَّ وِسَادَةً حَشْوُهَا لِيفٌ، فَقَعَدْتُ عَلَيْهَا، وَقَعَدَ هُوَ عَلَى الْأَرْضِ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي : وَهٰذَا، ثُمَّ قَالَ لِي : مَا أَفْرَدَكَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا أَنَّكَ سَمِعْتَهُمْ يَقُولُونَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ؟ وَهَلْ مِنْ إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ؟ وَمَا أَفْرَدَكَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ إِلَّا أَنَّكَ سَمِعْتَهُمْ يَقُولُونَ اللّٰهُ أَكْبَرُ؟ فَهَلْ تَعْلَمُ شَيْئًا هُوَ أَكْبَرُ مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ؟ فَلَمْ يَزَلْ حَتّٰى أَسْلَمْتُ وَأَذْهَبَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مَا كَانَ فِي قَلْبِي مِنْ حُبِّ النَّصْرَانِيَّةِ، فَسَأَلْتُ فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَنَا بِأَرْضِ صَيْدٍ وَإِنَّ أَحَدَنَا يَرْمِي الصَّيْدَ بِسَهْمِهٖ لَمْ يَقْتَصَّ أَثَرَهُ لِيَوْمٍ أَوْ لِيَوْمَيْنِ، ثُمَّ يَجِدُهُ مَيِّتًا فِيهِ سَهْمُهُ، فَيَأْكُلُهُ؟ قَالَ : نَعَمْ إِنْ شَاءَ .

جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے اور وہاں ہجرت فرمالی، تو آپ ﷺ نے سرایا بھیجنا شروع کیں۔ چنانچہ ایسا ہوتا کہ کسی قوم کے اونٹوں پر آپ ﷺ کے سوار حملہ آور ہو جاتے۔ جب میں نے یہ صورتحال دیکھی، تو میں نے کہا: اللہ کی قسم! اگر میں اپنے کچھ اونٹ پیچھے چھوڑ دوں اور وہ قریب ہی ہوں، تو بہتر ہے۔ اللہ کی قسم! ایک دن اچانک میرا اونٹوں کا چرواہا دوڑتا ہوا آیا اور اپنی لاٹھی

مار کر مجھے جگایا۔ میں نے کہا: کیا ہوا؟ اس نے کہا: اللہ کی قسم! تمہارے قبیلے کے اونٹوں پر حملہ ہو گیا ہے۔ میں نے پوچھا: کس نے حملہ کیا؟ اس نے کہا: محمد (ﷺ) کے سواروں نے۔ میں نے دل میں کہا: اسی کا تو مجھے ڈر تھا۔ پھر میں فوراً اٹھا، اپنے اونٹ تیار کیے اور اپنے اہل وعیال کو لے کر بھاگ گیا۔ اس وقت میں نصرانی تھا اور میری ایک پھوپھی بھی تھی۔ میں اس کے پاس گیا اور پوچھا: آپ کے خیال میں ان مسلمانوں کا میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا؟ میں نے اپنی بیوی کو اٹھایا اور نکلنے لگا، تو میری پھوپھی آئی اور کہنے لگی: عدی! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ تم اپنی بیوی کو لے کر بچ نکلے اور اپنی پھوپھی کو چھوڑ دیا؟ میں نے کہا: یہ ایک بڑھیا ہے، ان کا اس کے ساتھ کیا سلوک ہوسکتا ہے؟ پھر میں روانہ ہو گیا اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھا، یہاں تک کہ شام پہنچ گیا۔ میں شاہِ روم قیصر کے پاس حمص میں جا پہنچا اور عرض کیا: میں عربوں میں سے ہوں اور آپ کے دین پر ہوں۔ محمد نامی شخص ہمیں نشانہ بنا رہا ہے، اس لیے ہم آپ کے پاس پناہ کے لیے آئے ہیں۔ قیصر نے کہا: فلاں جگہ جا کر ٹھہر جاؤ، ہم تمہارا معاملہ بعد میں دیکھیں گے۔ میں وہاں چلا گیا اور کچھ وقت رہا۔ ایک دن میں نے دیکھا کہ ایک اونٹنی ہماری طرف آ رہی ہے۔ وہ ہماری بستی میں داخل ہوئی، تو میں نے دیکھا، وہ میری پھوپھی ہے۔ بولی: عدی! کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے کہ اپنی بیوی کو لے گئے اور پھوپھی کو چھوڑ دیا؟ میں نے کہا: جو ہوا، سو ہوا، اب یہ بتائیے کہ ہمارے بعد کیا ہوا؟ اس نے بتایا: جب تم لوگ چلے گئے، تو (مسلمان) گھڑ سوار آئے، ہمیں قیدی بنایا، اور مجھے قیدیوں کے ساتھ مدینہ

لے جایا گیا۔ ہمیں مسجد کے ایک طرف رکھا گیا۔ دوپہر کے وقت رسول اللہ ﷺ ہمارے قریب سے گزرے، ان کے پیچھے ایک شخص تھا، وہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے مجھے اشارہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بات کیجئے۔ میں نے بآ واز بلند کہا: اللہ کے رسول! میرا بیٹا فوت ہو گیا اور میرا قاصد چلا گیا ہے، تو آپ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ آپ پر احسان کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ کا قاصد کون تھا؟ میں نے کہا: عدی بن حاتم طائی۔ فرمایا: وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگ گیا؟ اتنا کہہ کر نبی کریم ﷺ آگے چل دیے، میری طرف التفات نہیں کیا۔ اگلے روز اسی وقت آپ ﷺ دوبارہ گزرے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ ساتھ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر مجھے اشارہ کیا کہ بات کیجئے، میں نے بآ واز بلند کہا: اللہ کے رسول! میرا بیٹا فوت ہو گیا اور میرا قاصد چلا گیا ہے، تو آپ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ آپ پر احسان کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ کا قاصد کون تھا؟ میں نے کہا: عدی بن حاتم طائی۔ فرمایا: وہی جو اللہ اور اس کے رسول سے بھاگ گیا؟ اتنا کہہ کر نبی کریم ﷺ آگے چل دیے، میری طرف التفات نہیں کیا۔

تیسرے دن اسی وقت آپ ﷺ دوبارہ گزرے، سیدنا علی رضی اللہ عنہ ساتھ تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے پھر مجھے اشارہ کیا کہ بات کیجئے، میں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا: میں دو بار بات کر چکی ہوں، تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پھر بھی اشارہ کیا کہ بات کیجئے۔ اللہ کے رسول! میرا بیٹا فوت ہو گیا اور میرا قاصد چلا گیا ہے، تو آپ مجھ پر احسان فرمائیں، اللہ آپ پر احسان کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا: آپ کا قاصد کون تھا؟ میں نے کہا: عدی بن حاتم طائی۔فرمایا: وہی جو اللہ اور رسول سے بھاگ گیا؟ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: جایئے آپ اللہ کے لیے آزاد ہیں، اور اگر کوئی آپ کے گھر لے جانے والا ملے، تو مجھے بتایئے گا، ہم آپ کو وہاں پہنچا دیں گے۔ وہ کہنے لگیں: میں نکلی، تو ایک قافلہ تنوخ قبیلے کا ملا، جو زیتون کا تیل لے جا رہا تھا، انہوں نے تیل فروخت کیا اور واپسی پر مجھے اونٹ پر سوار کیا، زادراہ دیا اور ساتھ لے گئے۔ عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میری پھوپھی آئی اور کہنے لگی: عدی! تم بیوقوف ہو، تمہارے قبیلے کا وہ آدمی، جس کا مقام تم سے کم تھا، وہ تم پر غالب آ گیا۔ اس شخص (یعنی رسول اللہ ﷺ) کے پاس جاؤ اور اپنا حصہ لے لو، میں نے کہا: پھوپھی نے واقعی اچھی نصیحت کی ہے۔ اگر میں اس شخص کے پاس گیا اور وہ مجھے اچھا لگا، تو قبول کر لوں گا، ورنہ واپس آ جاؤں گا، اس وقت میں اپنے دین پر ڈٹا ہوا تھا۔ میں مدینہ پہنچا اور بغیر کسی کی پناہ لیے سیدھا مسجد نبوی گیا۔ وہاں ایک بڑی مجلس لگی ہوئی تھی۔ میں (اتنا مشہور تھا کہ) کسی قوم میں بھی جاتا، تو فوراً پہچانا جاتا، چنانچہ جب میں وہاں پہنچا اور سلام کیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آپ کون؟ میں نے کہا: عدی بن حاتم طائی۔ آپ کو عرب کے سرداروں کا سلام کرنا بہت پسند تھا۔ آپ فوراً مجلس سے اٹھے، میرا ہاتھ پکڑا اور اپنے گھر لے گئے۔ راستے میں ایک عورت اور بچہ آپ ﷺ سے ملے، کہنے لگے: اللہ کے رسول! ہمیں آپ سے ایک ضروری کام ہے۔ آپ ﷺ ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ میں تھک کر بیٹھ گیا۔ میں نے دل ہی دل میں کہا: بے شک آپ

میرے اور نعمان بن منذر کے دین سے براءت رکھتے ہیں، اگر آپ بادشاہ ہوتے، تو کبھی عورت اور بچے کے ساتھ اس طرح نہ رکتے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں آپ ﷺ کی محبت ڈال دی۔ گھر پہنچے، تو آپ ﷺ نے مجھے کھجور کی چھال دار ایک گدی دی، میں اس پر بیٹھا، خود زمین پر بیٹھ گئے۔ میں نے دل میں کہا: یہ تو اور بھی عجیب ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: آپ کو مسلمانوں سے کس چیز نے دور رکھا؟ کیا صرف یہ بات کہ آپ نے ان سے سنا کہ وہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں؟ بھلا اللہ کے سوا بھی کوئی معبود ہے؟ اور آپ نے انہیں ''اللہ اکبر'' کہتے سنا، تو کیا آپ اللہ تعالیٰ سے بڑا کسی کو جانتے ہیں؟ پھر آپ ﷺ مجھے مسلسل باتوں کے ذریعے قائل کرتے رہے، یہاں تک کہ میں مسلمان ہو گیا اور اللہ نے میرے دل سے نصرانیت کی محبت نکال دی۔ میں نے پوچھا: اللہ کے رسول! ہم شکار والے علاقے میں رہتے ہیں، ہم میں سے کوئی شکار پر تیر پھینکتا ہے، پھر ایک دو دن بعد اسے زخمی جانور مردہ ملتا ہے، اس میں اس کا تیر ہوتا ہے، تو کیا وہ اسے کھا سکتا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں، اگر وہ چاہے، تو کھا سکتا ہے (بشرطیکہ اس نے بسم اللہ پڑھ کر تیر پھینکا ہو)۔''

(مسند أحمد: 258/4، 337، الأحاديث الطّوال للطّبراني: 1، والسّياق لهٗ، صحيحٌ)

اسے امام ابن حبان رحمہ اللہ (٦٦٧٩) نے ''صحیح'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (٨٥٨٢) نے بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موافقت کی ہے۔

سوال: قبول اسلام، ہجرت اور حج بیت اللہ کے حوالہ سے آیا ہے کہ ان سے آدمی

کے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، کیا سارے کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں یا بعض گناہ؟ اس بارے میں تفصیل درکار ہے۔

جواب: حدیث مبارکہ میں ثابت ہے کہ کافر کے اسلام قبول کرنے، مسلمان کے ہجرت کرنے اور بیت اللہ کا حج کرنے سے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

❁ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ اپنے قبول اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہیں:

لَمَّا جَعَلَ اللّٰهُ الْإِسْلَامَ فِي قَلْبِي أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: ابْسُطْ يَمِينَكَ فَلْأُبَايِعْكَ، فَبَسَطَ يَمِينَهٗ، قَالَ: فَقَبَضْتُ يَدِي، قَالَ: مَا لَكَ يَا عَمْرُو؟ قَالَ: قُلْتُ: أَرَدْتُ أَنْ أَشْتَرِطَ، قَالَ: تَشْتَرِطُ بِمَاذَا؟ قُلْتُ: أَنْ يُغْفَرَ لِي، قَالَ: أَمَا عَلِمْتَ أَنَّ الْإِسْلَامَ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ؟ وَأَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا؟ وَأَنَّ الْحَجَّ يَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهٗ؟.

''جب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں اسلام کی محبت پیدا کر دی، تو میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا: اپنا دایاں ہاتھ دیجئے، میں آپ کی بیعت کرنا چاہتا ہوں، تو آپ ﷺ نے ہاتھ آگے بڑھایا، اچانک میں نے ہاتھ پیچھے کر لیا۔ فرمایا: عمرو! کیا ہوا؟ عرض کیا: میں ایک شرط رکھنا چاہتا ہوں، فرمایا: کیسی شرط؟ عرض کیا: یہ کہ (قبول اسلام سے) میرے سارے گناہ معاف کر دیے جائیں۔ فرمایا: کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اسلام سے گزشتہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اسی طرح ہجرت بھی سبھی گناہوں کو مٹا دیتی ہے، نیز حج

سے بھی پہلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔‘‘

(صحیح مسلم :121)

قبول اسلام سے تو حالت کفر کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں، خواہ وہ حقوق اللہ کے متعلق ہوں یا حقوق العباد سے، لیکن ہجرت اور حج میں ایسا نہیں، اس میں ذرا تفصیل ہے، جس کے لیے ذیل کی عبارت ملاحظہ ہو؛

❁ **علامہ مظہری حنفی رحمہ اللہ (۷۲۷ھ) فرماتے ہیں:**

إِنَّ الْإِسْلَامَ يُزِيلُ وَيَمْحُو الْكُفْرَ وَالذُّنُوبَ مِنَ الرَّجُلِ، سَوَاءٌ كَانَ الذُّنُوبُ مَظْلِمَةَ إِنْسَانٍ مِنَ الدَّمِ وَالْمَالِ وَالْقَذْفِ وَالْغِيبَةِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ، أَوْ كَانَ شَيْئًا يَكُونُ بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنَ الزِّنَا وَشُرْبِ الْخَمْرِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ مِنْ كَبَائِرِ الذُّنُوبِ، فَمَنْ أَسْلَمَ فَكَأَنَّهٗ وُلِدَ مِنْ أُمِّهٖ فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ؛ يَعْنِي كَمَا أَنَّهٗ لَا ذَنْبَ لِطِفْلٍ صَغِيرٍ، فَكَذٰلِكَ لَا ذَنْبَ لِكَافِرٍ وَقْتَ إِسْلَامِهٖ، هٰذَا بَحْثُ الْإِسْلَامِ.

وَأَمَّا الْهِجْرَةُ مِنْ مَكَّةَ إِلَى الْمَدِينَةِ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَرَسُولِهٖ قَبْلَ فَتْحِ مَكَّةَ، وَالْحَجُّ، فَلَا يُزِيلَانِ وَيَمْحُوَانِ حُقُوقَ الْعِبَادِ، بَلْ تَبْقَى الْمَظْلِمَةُ فِي ذِمَّةِ الرَّجُلِ وَإِنْ هَاجَرَ وَحَجَّ، حَتّٰى يُؤَدِّيَهَا إِلٰى أَصْحَابِهَا، أَوْ يَسْتَحِلَّ مِنْهُمْ.

أَمَّا الذُّنُوبُ الَّتِي تَكُونُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَ اللّٰهِ تَعَالٰى، فَمَا

كَانَ مِنَ الصَّغَائِرِ يَزُولُ وَيُعْفٰى بِالْهِجْرَةِ وَالْحَجِّ قَطْعًا، وَمَا كَانَ مِنَ الْكَبَائِرِ فَهُوَ فِي مَشِيئَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَلَا يَجُوزُ الْقَطْعُ بِأَنَّهَا تَزُولُ وَتُعْفٰى بِالْهِجْرَةِ وَالْحَجِّ، بَلْ تُرْجٰى أَنْ تُعْفٰى بِالْهِجْرَةِ وَالْحَجِّ وَلٰكِنْ لَا تُقْطَعُ بِهٖ.

فَهٰذِهِ الْأَشْيَاءُ الَّتِي قُلْنَاهَا فِي بَحْثِ الْإِسْلَامِ وَالْهِجْرَةِ وَالْحَجِّ مُتَّفِقٌ عَلَيْهَا جَمِيعُ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَمَنْ قَالَ بِخِلَافِهٖ فَهُوَ إِمَّا جَاهِلٌ أَوْ مُبْتَدِعٌ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ.

”بلاشبہ اسلام آدمی سے کفر اور گناہوں کو زائل کر دیتا ہے اور مٹا دیتا ہے، چاہے وہ گناہ کسی انسان پر ظلم وزیادتی کے حوالہ سے ہوں، جیسے خون، مال، تہمت، غیبت اور اس جیسے دوسرے گناہ، یا وہ گناہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہوں، جیسے زنا، شراب نوشی اور دیگر کبیرہ گناہ۔ تو جو شخص اسلام قبول کرے، تو (اس طرح گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے، جیسے) گویا وہ اسی وقت اپنی ماں سے پیدا ہوا ہو؛ یعنی جیسے ایک چھوٹے بچے پر کوئی گناہ نہیں ہوتا، اسی طرح کافر پر بھی اسلام قبول کرنے پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا۔ یہ تو ہے اسلام قبول کرنے کا بیان۔

رہا مکہ سے مدینہ کی طرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے ہجرت کرنا (فتح مکہ سے پہلے) اور حج کرنا، تو ان سے حقوق العباد معاف نہیں ہوتے، بلکہ انسان پر کیے جانے والے مظالم اس کے ذمہ باقی رہتے ہیں، اگر چہ وہ ہجرت

کرے یا حج کرے، یہاں تک کہ وہ ان مظالم کو ان کے مستحقین کو واپس کرے، یا ان سے معافی حاصل کرے۔

جہاں تک تعلق ہے ان گناہوں کا، جو بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتے ہیں، تو ان میں جو صغیرہ گناہ ہوں، وہ ہجرت اور حج کے ذریعے قطعاً مٹ جاتے ہیں اور معاف کر دیے جاتے ہیں۔ جو کبیرہ گناہ ہوں، وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں، اس بارے میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ وہ ہجرت اور حج سے مٹ جاتے ہیں یا معاف کر دیے جاتے ہیں، بلکہ امید رکھی جاتی ہے کہ وہ ہجرت اور حج سے معاف کر دیے جائیں، لیکن یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔ یہ تمام باتیں جو ہم نے اسلام، ہجرت اور حج کے بارے میں بیان کی ہیں، ان پر اہل سنت کا مکمل اتفاق ہے اور جو اس کے خلاف بات کرے، وہ یا تو جاہل ہے یا بدعتی۔ واللہ اعلم!۔''

(المَفاتيح في شرح المَصابيح :1/121-122)

سوال: ایک شخص نے مدرسہ میں کھانے کے لیے پیسے دیے اور کہا کہ کھانا کھلانے کے بعد دعا کرواتے ہوئے مرحوم والدین کا نام لے کر دعائے مغفرت کرنی ہے، کیا یہ عمل شرعاً درست ہے؟

جواب: اگر اس کے والدین مؤمن موحد ہیں، تو یہ عمل درست ہے۔ زندوں کی دعا فوت شدگان کو فائدہ دیتی ہے۔ یہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی مؤقف ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۹۴)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا مُنَیذ رافریقی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَالَ إِذَا أَصْبَحَ : رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، فَأَنَا الزَّعِيمُ لِآخُذَ بِيَدِهٖ حَتَّى أُدْخِلَهُ الْجَنَّةَ .

''جس نے صبح کے وقت یہ دعا پڑھی، میں ضمانت دیتا ہوں کہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے جنت میں داخل کروں گا؛

«رَضِيتُ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا» .

''میں اللہ کے رب ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نبی ہونے پر راضی ہوں۔''

(المُعجم الكبير للطّبراني : 355/20، معرفة الصّحابة لأبي نعيم : 6107)

جواب: سند سخت ضعیف ہے۔

① رشدین بن سعد ضعیف و متروک ہے۔

② حیی بن عبد اللہ معافری ضعیف ہے۔

③ ابو عبد الرحمٰن حبلی کا سیدنا منیذ ر رضی اللہ عنہ سے سماع معلوم نہیں۔

❁ رشدین بن سعد کی متابعت عبداللہ بن وہب مصری نے کی ہے۔

(معرفة الصّحابة لأبي نعيم : 6107)

یہ طریق بھی ضعیف ہے۔

① حیی بن عبداللہ معافری ضعیف ہے۔

② عبداللہ بن وہب مصری کا عنعنہ ہے۔

سوال: امام نماز مغرب کی پہلی رکعت میں اونچی قرأت کرنا بھول گیا اور پہلی رکعت پڑھائی دی، اب نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب: نماز درست ہے، سجدہ سہو کر لینا چاہیے۔

یاد رہے کہ مقتدیوں نے اگر سورت فاتحہ پڑھی ہے، تو نماز درست ہے، اگر وہ امام کی جہری قرأت کے انتظار میں فاتحہ نہ پڑھ سکے، تو ان پر وہ رکعت دہرانا لازم ہے، کیونکہ سورت فاتحہ کے بغیر نماز نہیں۔

سوال: اللہ تعالیٰ کے عرش پر بلند ہونے کی کیفیت کیا ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر بلند ہے۔ اس پر کتاب وسنت میں متواتر دلائل موجود ہیں، اسلاف اُمت کا اجماع اسی پر قائم ہے۔ اہل سنت والجماعت عرش پر بلند ہونے پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی جس قدر تفصیل کتاب وسنت میں مذکور ہے، اسے تسلیم کرتے ہیں اور جس کی تفصیل و کیفیت ہمیں نہیں بتائی گئی، وہاں سکوت اختیار کرتے ہیں، اپنی طرف سے رائے نہیں دیتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر بلند ہونا قطعی دلائل سے ثابت ہے، مگر اس کی کیفیت بیان نہیں کی گئی، وہ نامعلوم ہے، اس لیے کیفیت کے متعلق بات ہی نہیں کی جا

سکتی۔ کیفیت بارے سوال کرنا اور اس پر رائے دینا ازخود بدعت ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ قَوْلُ أَهْلِ السُّنَّةِ قَاطِبَةً أَنَّ كَيْفِيَّةَ الْاِسْتِوَاءِ لَا نَعْقِلُهَا، بَلْ نَجْهَلُهَا، وَأَنَّ اسْتِوَاءَهُ مَعْلُومٌ كَمَا أَخْبَرَ فِي كِتَابِهٖ، وَأَنَّهُ كَمَا يَلِيقُ بِهٖ، لَا نُعَمِّقُ، وَلَا نَتَحَذْلَقُ، وَلَا نَخُوضُ فِي لَوَازِمِ ذٰلِكَ نَفْيًا وَّلَا إِثْبَاتًا، بَلْ نَسْكُتُ وَنَقِفُ كَمَا وَقَفَ السَّلَفُ، وَنَعْلَمُ أَنَّهُ لَوْ كَانَ لَهُ تَأْوِيلٌ لَبَادَرَ إِلٰى بَيَانِهِ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ، وَلَمَا وَسِعَهُمْ إِقْرَارُهُ وَإِمْرَارُهُ وَالسُّكُوتُ عَنْهُ، وَنَعْلَمُ يَقِينًا مَعَ ذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ جَلَّ جَلَالُهُ لَا مِثْلَ لَهُ فِي صِفَاتِهٖ، وَلَا فِي اسْتِوَائِهٖ، وَلَا فِي نُزُولِهٖ، سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُولُ الظَّالِمُونَ عُلُوًّا كَبِيرًا.

”یہ سارے کے سارے اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ بے شک ہم استوا کی کیفیت کو عقل سے نہیں سمجھ سکتے، بلکہ ہم اس سے جاہل ہیں اور یہ کہ اللہ کا عرش پہ بلند ہونا ثابت اور معلوم ہے، جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے، جیسے اس کی شان کے لائق ہے۔ ہم اس بارے میں نہ گہرائی میں جاتے ہیں، نہ فلسفہ بگھارتے ہیں، اور نہ ہی ہم اس کے لوازمات میں نفی واثبات کے طور پر بحث کرتے ہیں، بلکہ ہم خاموشی اختیار کرتے ہیں اور وہاں رُک جاتے ہیں جہاں سلف رک گئے۔ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ اگر اس کی کوئی تاویل ہوتی،

تو صحابہ وتابعین ضرور اس کی وضاحت کرتے اور اسے یونہی تسلیم کرنا، اس پر خاموشی اختیار کرنا ان کے لیے جائز نہ ہوتا۔ ہم یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ اللہ جل جلالہ کی کوئی مثل نہیں، نہ اس کی صفات میں، نہ استوا میں اور نہ ہی نزول۔ وہ ہر اس بات سے پاک اور بہت بلند ہے، جو ظالم اس کی بابت کرتے ہیں۔''

(العُلُوُّ، ص 139)

اللہ تعالیٰ کے عرش پر بلند ہونے کی کیفیت کو جاننے کا درپے ہونا از خود بے عقلی ہے، کہ جس کی خبر باری تعالیٰ نے ہمیں دی ہی نہیں، اس کا پیچھا کس بنیاد پر کیا جائے؟

سوال: کیا کسی اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے؟

جواب: دنیا میں کسی نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا، نہ کوئی دیکھ سکتا ہے، جو یہ دعویٰ کرے، وہ جھوٹا ہے۔ البتہ اہل ایمان روز قیامت باری تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے۔ رؤیت باری تعالیٰ کے منکر اس اعزاز سے محروم رہیں گے، ان شاء اللہ!

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

اَلَّذِي عَلَيْهِ أَهْلُ السُّنَّةِ قَاطِبَةً أَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَرَهُ أَحَدٌ بِعَيْنَيْهِ فِي الدُّنْيَا .

''تمام کے تمام اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ دنیا میں کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔''

(مِنهاج السّنة : 3/349)

سوال: معیت اور قرب باری تعالیٰ پر دلالت کرنے والی آیات کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہے، اس پر کتاب وسنت اور اجماع کے دلائل بالکل واضح ہیں۔ جن آیات واحادیث میں اللہ تعالیٰ کے قرب کا ذکر ہے، ان سے مراد علمی، قدرت، سمع وبصر کے اعتبار سے قریب ہوتا ہے، ذات کے اعتبار سے قریب ہونا مراد نہیں۔ تمام اہل سنت والجماعت کا یہی مؤقف ہے۔ اس اجماعی عقیدہ کے خلاف کسی کی بات مسموع نہیں، کیونکہ سلف اُمت قرآن وحدیث کی نصوص اور ان کے معانی ومفاہیم سے پوری طرح واقف تھے۔

❀ علامہ مرعی بن یوسف کرمی مقدسی حنبلی رحمہ اللہ (۱۰۳۳ھ) فرماتے ہیں:

اِحْتَجَّ الْقَائِلُ بِأَنَّهٗ تَعَالٰى لَا دَاخِلَ الْعَالَمِ وَلَا خَارِجَهٗ، وَأَنَّهٗ سُبْحَانَهٗ لَا مُتَّصِلٌ بِهٖ وَلَا مُنْفَصِلٌ عَنْهُ، بِأُمُورٍ عَقْلِيَّةٍ، وَهٰذَا مَذْهَبُ كَثِيرٍ مِّنْ مُتَأَخِّرِي الْأَشَاعِرَةِ وَمَنْ وَافَقَهُمْ، وَالْعَقْلُ فِي هٰذَا بِمُجَرَّدِهٖ لَا اعْتِبَارَ بِهٖ مَا لَمْ يَسْتَنِدْ إِلَى النَّقْلِ الصَّحِيحِ، وَاحْتَجُّوا مِنَ النَّقْلِ بِآيَاتٍ لَا تَصْلُحُ لَهُمْ، وَإِنَّمَا تَصْلُحُ لِلْقَائِلِينَ بِأَنَّهٗ مَعَ كُلِّ أَحَدٍ بِذَاتِهٖ، فَمِنْ جُمْلَةِ مَا احْتَجُّوا بِهٖ قَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ﴾(الزّخرف: ٨٤)، وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ﴾(الأنعام: ٣)، وَقَوْلُهٗ: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾(البقرة: ١١٥)، وَقَوْلُهٗ: ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾(ق: ١٦) ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَا

تُبْصِرُونَ﴾ (الواقعة : ٨٥) وَالْقُرْبُ بِالْعِلْمِ لَا بِالْإِبْصَارِ، وَأَنْتَ قَدْ عَرَفْتَ مِمَّا مَرَّ أَنَّ أَهْلَ السُّنَّةِ قَاطِبَةً جَعَلُوا هٰذَا قُرْبَ عِلْمٍ لَا قُرْبَ ذَاتٍ .

''بعض کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ تو عالم کے اندر ہے اور نہ باہر اور نہ اس سے متصل ہے اور نہ ہی اس سے منفصل۔ یہ لوگ اپنی نظریے پر بعض عقلی چیزیں بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ یہ بہت سے متاخر اشاعرہ اور ان کے موافقین کا مذہب ہے۔لیکن محض عقل کی اس معاملے میں کوئی حیثیت نہیں، جب تک کہ وہ صحیح نقل (قرآن وسنت کی نص) پر مبنی نہ ہو۔انہوں نے منصوص دلائل میں سے بعض قرآنی آیات سے استدلال کیا، جو ان کے حق میں بالکل بھی قابل استدلال نہیں، البتہ یہ دلائل ان کے حق میں ہو سکتے تھے، جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر فرد کے ساتھ بذاتِ خود موجود ہے۔ چنانچہ ان کی پیش کردہ آیات میں سے کچھ یہ ہیں؛ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلٰهٌ﴾ (الزُّخرف : ٨٤) ''اللہ وہ ذات ہے، جو آسمان میں بھی الٰہ ہے اور زمین میں بھی الٰہ ہے۔'' نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ﴾ (الأنعام : ٣) ''آسمانوں اور زمین میں وہی (حقیقی) اللہ ہے۔'' اسی طرح ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَأَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ﴾ (البقرة : ١١٥) ''تم جس طرف بھی رُخ کروگے، وہیں اللہ کا چہرہ ہوگا۔'' اور فرمان الٰہی ہے : ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ

الْوَرِيدِ﴾(قٓ : ١٦) ''ہم اس (قریب الموت) سے اس کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔'' نیز فرمان ہے: ﴿وَنَحْنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَا تُبْصِرُونَ﴾ (الواقعة : ٨٥) ''ہم تم سے زیادہ اس (مرنے والے) کے قریب ہیں۔'' یہ قرب، بصارت کا نہیں، بلکہ علم کا قرب ہے۔آپ پہلے بھی جان چکے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کا متفقہ عقیدہ یہی ہے کہ یہاں مراد علم کا قرب ہے، نہ کہ ذات کا۔''

(أقاویل الثّقات، ص 105)

سوال: ابوموسیٰ مردار کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: معتزلہ سے جنم لینے والے فرقوں میں ایک نام ''مرداریہ'' کا بھی آتا ہے۔ یہ ابوموسیٰ عیسیٰ بن صبیح الملقب بہ ''مردار'' (۲۲۶ھ/ ۲۴۵ھ) کے متبعین ہیں، جس کا شمار بصرہ کے اکابر معتزلہ میں ہوتا ہے۔ یہ انتہائی گمراہ اور غالی عقائد ونظریات کا حامل شخص تھا، پرلے درجے کا تکفیری تھا، قرآن کریم جیسی کتاب کی نظیر ممکن ہونے کا قائل تھا، رؤیت باری تعالیٰ کا منکر اور اس کا اقرار کرنے والوں کی کھلے عام تکفیر کرتا تھا، بلکہ کہتا تھا کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے اور اس شک کرنے والے کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے۔اس کے یہ اور ان جیسے دیگر کفریہ اور ملحدانہ عقائد کی بنا پر کہا جا سکتا ہے کہ ابوموسیٰ مردار بلاشک وتردد کافر ہے۔اس کے کافر، ملحد اور زندیق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

❁ علامہ ابومنصور عبدالقاہر بغدادی رحمہ اللہ (۴۲۹ھ) فرماتے ہیں:

ذُكِرَ الْمُرْدَارِيَّةُ مِنْهُمْ؛ هٰؤُلَاءِ أَتْبَاعُ عِيسَى بْنِ صَبِيحٍ الْمَعْرُوفِ بِأَبِي مُوسَى الْمُرْدَارِ، وَكَانَ يُقَالُ لَهٗ رَاهِبُ

الْمُعْتَزِلَةِ، وَهٰذَا اللَّقَبُ لَائِقٌ بِهِ، إِنْ كَانَ الْمُرَادُ بِهِ مَأْخُوذًا مِّنْ رَهْبَانِيَّةِ النَّصَارٰى، وَلَقَبُهُ بِالْمُرْدَارِ لَائِقٌ بِهِ أَيْضًا، وَهُوَ فِي الْجُمْلَةِ كَمَا قِيلَ؛

وَقَلَّ مَا أَبْصَرَتْ عَيْنَاكَ مِنْ رَجُلٍ

إِلَّا وَمَعْنَاهُ إِنْ فَكَّرْتَ فِي لَقَبِهِ

وَكَانَ هٰذَا الْمُرْدَارُ يَزْعُمُ أَنَّ النَّاسَ قَادِرُونَ عَلٰى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ، وَبِمَا هُوَ أَفْصَحُ مِنْهُ، كَمَا قَالَهُ النِّظَامُ، وَفِي هٰذَا عِنَادٌ مِّنْهُمَا لِقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَنْ يَّأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ، وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾، وَكَانَ الْمُرْدَارُ مَعَ ضَلَالَتِهِ يَقُولُ بِتَكْفِيرِ مَنْ لَابَسَ السُّلْطَانَ، وَيَزْعُمُ أَنَّهُ لَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ، وَكَانَ أَسْلَافُهُ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ، يَقُولُونَ فِيمَنْ لَابَسَ السُّلْطَانَ مِنْ مُوَافِقِيهِمْ فِي الْقَدَرِ وَالْاِعْتِزَالِ: إِنَّهُ فَاسِقٌ، لَا مُؤْمِنٌ وَلَا كَافِرٌ، وَأَفْتَى الْمُرْدَارُ بِأَنَّهُ كَافِرٌ، وَالْعَجَبُ مِمَّنْ سُلْطَانُ زَمَانِهِ، كَيْفَ تَرَكَ قَتْلَهُ مَعَ تَكْفِيرِهِ إِيَّاهُ، وَتَكْفِيرِ مَنْ خَالَطَهُ؟ وَكَانَ يَزْعُمُ أَيْضًا أَنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يَّظْلِمَ وَيَكْذِبَ، وَلَوْ فَعَلَ مَقْدُورَهُ مِنَ الظُّلْمِ

وَالْكَذِبِ، لَكَانَ إِلٰهًا ظَالِمًا كَاذِبًا، وَحَكٰى أَبُو زُفَرَ عَنِ الْمُرْدَارِ أَنَّهٗ أَجَازَ وُقُوعَ فِعْلٍ وَّاحِدٍ مِنْ فَاعِلَيْنِ مَخْلُوقَيْنِ، عَلٰى سَبِيلِ التَّوَلُّدِ، مَعَ إِنْكَارِهٖ عَلٰى أَهْلِ السُّنَّةِ مَا أَجَازُوهُ مِنْ وُقُوعِ فِعْلٍ مِنْ فَاعِلَيْنِ أَحَدُهُمَا خَالِقٌ وَالْآخَرُ مُكْتَسِبٌ، وَزَعَمَ الْمُرْدَارُ أَيْضًا أَنَّ مَنْ أَجَازَ رُؤْيَةَ اللّٰهِ تَعَالٰى بِالْأَبْصَارِ بِلَا كَيْفَ، فَهُوَ كَافِرٌ، وَالشَّاكُّ فِي كُفْرِهٖ كَافِرٌ، وَكَذٰلِكَ الشَّاكُّ فِي الشَّاكِّ، لَا إِلٰى نِهَايَةٍ، وَالْبَاقُونَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ إِنَّمَا قَالُوا بِتَكْفِيرِ مَنْ أَجَازَ الرُّؤْيَةَ عَلٰى جِهَةِ الْمُقَابَلَةِ، أَوْ عَلَى اتِّصَالِ شُعَاعِ بَصَرِ الرَّائِي بِالْمَرْئِيِّ، وَالَّذِينَ أَثْبَتُوا الرُّؤْيَةَ مُجْمِعُونَ عَلٰى تَكْفِيرِ الْمُرْدَارِ، وَتَكْفِيرِ الشَّاكِّ فِي كُفْرِهٖ.

”**معتزلہ کے فرقے مرداریہ کا تذکرہ:** یہ عیسیٰ بن صبیح المعروف ابوموسیٰ مردار کے پیروکار ہیں۔ ابوموسیٰ مردار کو ”راہب المعتزلۃ“ (معتزلہ کا راہب) کہا جاتا تھا اور اگر اس لقب کا مقصد نصاریٰ کی رہبانیت سے ماخوذ ہو، تو یہ لقب اس پر مناسب ہے۔ اسی طرح ”مردار“ (گندا یا پلید) کا لقب بھی اس پر موزوں ہے۔ وہ مجموعی طور پر ویسے ہی تھا، جیسا کسی شاعر نے کہا ہے:

”تمہاری آنکھوں نے کم ہی کوئی ایسا آدمی دیکھا ہوگا، جس کے لقب پر تم غور کرو، تو اس کے معنیٰ کھل جاتے ہیں۔“

مرداریہ دعویٰ کرتا تھا کہ لوگ قرآن کریم جیسا بلکہ اس سے زیادہ فصیح کلام لا

سکتے ہیں، جیسا کہ نظام نے بھی کہا تھا۔ ان دونوں کا یہ کہنا اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا انکار اور عناد ہے: ﴿قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَنْ يَّأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ، وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾(بني إسرائيل : ٨٨) ''کہہ دیجئے اگر تمام انسان اور جنات اس قرآن جیسا لانے پر جمع ہو جائیں، تو وہ اس جیسا نہیں لا سکیں گے، اگر چہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔''

ابو موسیٰ مردار اپنی گمراہی کے ساتھ یہ بھی فتویٰ دیتا تھا کہ جو شخص حکمرانوں (یعنی ظالم سلاطین) کے ساتھ تعلق رکھے، وہ کافر ہے اور نہ وہ وراثت کا حق دار ہے اور نہ اس کا وارث بننا جائز ہے۔ اس کے معتزلی بزرگ ایسے شخص کو فاسق کہتے تھے کہ وہ نہ مومن ہے اور نہ کافر۔ لیکن مردار نے فتویٰ دیا کہ وہ کافر ہے۔ تعجب ہے کہ اُس کے دور کا حکمران اُسے قتل کیوں نہ کر سکا، حالانکہ وہ اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو کافر کہتا تھا؟!۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ظلم اور جھوٹ پر قادر ہے، لیکن اگر اللہ ایسا کرے، تو وہ ظالم اور جھوٹا خدا کہلائے گا (العیاذ باللہ!)۔ ابو زفر نے نقل کیا ہے کہ مردار نے یہ بات بھی کہی کہ دو مخلوقوں سے ایک فعل کا صدور بطورِ تولد ممکن ہے، حالانکہ وہ اہل سنت پر اعتراض کرتا تھا، جو کہتے ہیں کہ ایک فاعل خالق ہوتا ہے اور دوسرا کسب کرنے والا۔ مردار یہ بھی کہتا تھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رؤیت کو بلا کیف جائز سمجھے، وہ کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے اور جو اس شک کرنے والے کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے، اور یہ سلسلہ لامحدود ہے۔ جبکہ باقی

معتزلہ صرف اُس شخص کو کافر کہتے تھے، جو اللہ تعالیٰ کی رؤیت کو بالکل آمنے سامنے سے دیکھنے کو جائز سمجھے یا جو دیکھنے والی کی آنکھوں کی شعاع کو باری تعالیٰ کے ساتھ متصل ہونے کو جائز سمجھے۔ جو لوگ رؤیت باری تعالیٰ کے قائل ہیں، وہ سب کے سب ابو موسیٰ مردار کو کافر کہتے ہیں اور اُس کے کفر میں شک کرنے والے کو بھی کافر سمجھتے ہیں۔''

(الفَرق بين الفِرَق، ص 151-152)

❀ علامہ ابو مظفر اسفرائینی رحمہ اللہ (۴۷۱ھ) فرماتے ہیں:

هُمُ الْمُرْدَارِيَّةُ أَتْبَاعُ أَبِي مُوسَى الْمُرْدَارِ، وَكَانَ يُقَالُ لَهٗ : رَاهِبُ الْمُعْتَزِلَةِ، يَشْتَغِلُ بِالتَّرَهُّبِ كَمَا كَانَ يَشْتَغِلُ بِهٖ رُهْبَانُ النَّصَارٰى، وَكَانَ فِي الْحَقِيقَةِ مُرْدَارًا، أَحَقَّ اللّٰهُ فِيهِ حَقِيقَةَ لَقَبِهٖ، كَمَا قَالَ الشَّاعِرُ ؛

وَقَلَّ مَا أَبْصَرَتْ عَيْنَاكَ مِنْ رَجُلٍ
إِلَّا وَمَعْنَاهُ إِنْ فَكَّرْتَ فِي لَقَبِهٖ

وَكَانَ مِنْ أَنْوَاعِ مَا ارْتَكَبَهٗ مِنْ كُفْرِهٖ قَوْلُهٗ : إِنَّ النَّاسَ قَادِرُونَ عَلٰى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ، وَبِمَا هُوَ أَفْصَحُ مِنْهُ.

وَكَانَ يَقُولُ : إِنَّ كُلَّ مَنْ جَالَسَ السَّلَاطِينَ فَهُوَ كَافِرٌ، لَا يَرِثُ الْمُسْلِمِينَ، وَلَا يَرِثُهُ الْمُسْلِمُونَ، وَالْبَاقُونَ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ كَانُوا يَقُولُونَ : إِنَّ مَنْ جَالَسَ السُّلْطَانَ فَهُوَ فَاسِقٌ، لَا مُؤْمِنٌ

وَلَا كَافِرٌ، خَالِدٌ مُخَلَّدٌ فِي النَّارِ، وَهٰذَا خِلَافُ قَوْلِ الْمُسْلِمِينَ قَبْلَهُمْ، وَخِلَافُ أُصُولِ أَهْلِ السُّنَّةِ .

وَكَانَ يَقُولُ : إِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يَّظْلِمَ وَيَكْذِبَ، وَلَوْ ظَلَمَ وَكَذَبَ كَانَ إِلٰهًا ظَالِمًا كَاذِبًا، وَهٰذَا الْقَوْلُ لَا يَلِيقُ إِلَّا بِدِينِه الرَّقِيقِ الَّذِي لَيْسَ فِيهِ تَحْقِيقٌ .

وَكَانَ يَقُولُ : كُلُّ مَنْ قَالَ بِجَوَازِ رُؤْيَةِ الْبَارِي سُبْحَانَهٗ، فَهُوَ كَافِرٌ، وَمَنْ شَكَّ فِي كُفْرِهٖ فَهُوَ كَافِرٌ، وَمَنْ شَكَّ فِي كُفْرِ مَنْ شَكَّ فِي كُفْرِهٖ فَهُوَ كَافِرٌ لَا إِلٰى غَايَةٍ، وَكُلُّ مَنْ أَطْلَقَ مِثْلَ هٰذِهِ الْمَقَالَةِ فَهُوَ مَخْذُولٌ، لَا شَكَّ فِي كُفْرِهٖ .

معتزلہ کا ایک فرقہ ”مرداریہ“ ہے، جو ابوموسیٰ مردار کے پیروکار ہیں۔ اسے راھب المعتزلہ (معتزلہ کا راہب) کہا جاتا تھا، کیونکہ وہ رہبانیت میں مشغول رہتا تھا، جیسے نصاریٰ کے راہب مشغول رہتے ہیں۔ حقیقت میں وہ واقعی مردار ہی تھا اور اللہ نے اسے اسی کے لقب کا سچا مصداق بنایا، کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: ”تمہاری آنکھوں نے جتنے بھی آدمی دیکھے، ان میں سے کم ہی ہوں گے جن کا نام اگر تم سوچو، تو ان کے لقب کا مطلب ان پر پورا اترے۔“

اس نے جو کفریہ باتیں کیں، ان میں سے ایک یہ تھی کہ اس کا نظریہ تھا کہ لوگ اس قرآن جیسی یا اس سے بھی زیادہ فصیح کتاب لا سکتے ہیں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ جو بادشاہوں کی مجلس میں بیٹھے، وہ کافر ہے، نہ وہ مسلمانوں کا وارث ہو سکتا

ہے اور نہ مسلمان اس کا وارث بن سکتے ہیں۔ جبکہ دیگر معتزلہ کا مؤقف تھا کہ جو بادشاہ کے ساتھ بیٹھے، وہ فاسق ہے۔ وہ نہ مومن ہے نہ کافر اور وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ حالانکہ یہ بات ان سے پہلے مسلمانوں کے مؤقف کے خلاف ہے، نیز اہل سنت والجماعت کے اصول کے خلاف ہے۔

مردار یہ بھی کہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے یا جھوٹ بولنے پر قادر ہے اور اگر وہ ظلم کرے اور جھوٹ بولے، تو وہ ظالم اور جھوٹا معبود ہوگا۔ یہ قول صرف اس کے ناپختہ اور بے بنیاد دین کو ہی زیب دیتا ہے، جس میں کوئی تحقیق نہیں۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ جو (روز قیامت) اللہ تعالیٰ کی رؤیت کو جائز کہے، وہ کافر ہے اور جو اس کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے، اور جو اس کے کفر میں شک کرنے والے کے کفر میں شک کرے، وہ بھی کافر ہے، اس کی کوئی انتہا نہیں۔ جبکہ (ہمارا ماننا ہے کہ) جو ایسی بات کہے، وہ یقینی طور پر گمراہ ہے اور اس کے کفر میں کوئی شبہ نہیں۔''

(التّبصير في الدّين، ص 77)

سوال: درج ذیل روایت کی استنادی حیثیت کیا ہے؟

❀ **سیدنا جابر بن عبداللہ** رضی اللہ عنہما **سے مروی ہے:**

خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : خَرَجَ مِنْ عِنْدِي خَلِيلِي جِبْرِيلُ آنِفًا فَقَالَ : يَا مُحَمَّدُ، وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ إِنَّ لِلّٰهِ عَبْدًا مِّنْ عَبِيدِهٖ عَبَدَ اللّٰهَ تَعَالٰى خَمْسَ مِائَةِ سَنَةٍ عَلٰى رَأْسِ جَبَلٍ فِي الْبَحْرِ عَرْضُهٗ وَطُولُهٗ ثَلَاثُونَ ذِرَاعًا

فِي ثَلَاثِينَ ذِرَاعًا وَالْبَحْرُ مُحِيطٌ بِهِ أَرْبَعَةَ آلَافِ فَرْسَخٍ مِنْ كُلِّ نَاحِيَةٍ وَأَخْرَجَ اللَّهُ تَعَالَى لَهُ عَيْنًا عَذْبَةً بِعَرْضِ الْأُصْبَعِ تَبَضُّ بِمَاءٍ عَذْبٍ فَتَسْتَنْقِعُ فِي أَسْفَلِ الْجَبَلِ وَشَجَرَةَ رُمَّانٍ تُخْرِجُ لَهُ كُلَّ لَيْلَةٍ رُمَّانَةً فَتُغَذِّيهِ يَوْمَهُ، فَإِذَا أَمْسَى نَزَلَ فَأَصَابَ مِنَ الْوضُوءِ وَأَخَذَ تِلْكَ الرُّمَّانَةَ فَأَكَلَهَا ثُمَّ قَامَ لِصَلَاتِهِ، فَسَأَلَ رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ عِنْدَ وَقْتِ الْأَجَلِ أَنْ يَقْبِضَهُ سَاجِدًا وَأَنْ لَا يَجْعَلَ لِلْأَرْضِ وَلَا لِشَيْءٍ يُفْسِدُهُ عَلَيْهِ سَبِيلًا حَتَّى بَعَثَهُ وَهُوَ سَاجِدٌ قَالَ: فَفَعَلَ فَنَحْنُ نَمُرُّ عَلَيْهِ إِذَا هَبَطْنَا وَإِذَا عَرَجْنَا فَنَجِدُ لَهُ فِي الْعِلْمِ أَنَّهُ يُبْعَثُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُوقَفُ بَيْنَ يَدَيِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ فَيَقُولُ لَهُ الرَّبُّ: أَدْخِلُوا عَبْدِي الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِي، فَيَقُولُ: رَبِّ بَلْ بِعَمَلِي، فَيَقُولُ الرَّبُّ: أَدْخِلُوا عَبْدِي الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِي، فَيَقُولُ: يَا رَبِّ، بَلْ بِعَمَلِي، فَيَقُولُ الرَّبُّ: أَدْخِلُوا عَبْدِي الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِي، فَيَقُولُ: رَبِّ بَلْ بِعَمَلِي، فَيَقُولُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ لِلْمَلَائِكَةِ: قَايِسُوا عَبْدِي بِنِعْمَتِي عَلَيْهِ وَبِعَمَلِهِ فَتُوجَدُ نِعْمَةُ الْبَصَرِ قَدْ أَحَاطَتْ بِعِبَادَةِ خَمْسِ مِائَةِ سَنَةٍ وَبَقِيَتْ نِعْمَةُ الْجَسَدِ فَضْلًا عَلَيْهِ فَيَقُولُ: أَدْخِلُوا عَبْدِي النَّارَ قَالَ: فَيُجَرُّ إِلَى النَّارِ فَيُنَادِي: رَبِّ

بِرَحْمَتِكَ أَدْخِلْنِي الْجَنَّةَ، فَيَقُولُ : رُدُّوهُ فَيُوقَفُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَيَقُولُ : يَا عَبْدِي، مَنْ خَلَقَكَ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا؟ فَيَقُولُ : أَنْتَ يَا رَبِّ، فَيَقُولُ : كَانَ ذٰلِكَ مِنْ قِبَلِكَ أَوْ بِرَحْمَتِي؟ فَيَقُولُ : بَلْ بِرَحْمَتِكَ، فَيَقُولُ : مَنْ قَوَّاكَ لِعِبَادَةِ خَمْسِ مِائَةِ عَامٍ؟ فَيَقُولُ : أَنْتَ يَا رَبِّ، فَيَقُولُ : مَنْ أَنْزَلَكَ فِي جَبَلٍ وَسَطَ اللُّجَّةِ وَأَخْرَجَ لَكَ الْمَاءَ الْعَذْبَ مِنَ الْمَاءِ الْمَالِحِ وَأَخْرَجَ لَكَ كُلَّ لَيْلَةٍ رُمَّانَةً وَإِنَّمَا تَخْرُجُ مَرَّةً فِي السَّنَةِ، وَسَأَلْتَنِي أَنْ أَقْبِضَكَ سَاجِدًا فَفَعَلْتُ ذٰلِكَ بِكَ؟ فَيَقُولُ : أَنْتَ يَا رَبِّ، فَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : فَذٰلِكَ بِرَحْمَتِي وَبِرَحْمَتِي أُدْخِلُكَ الْجَنَّةَ، أَدْخِلُوا عَبْدِي الْجَنَّةَ فَنِعْمَ الْعَبْدُ كُنْتَ يَا عَبْدِي فَيُدْخِلُهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ، قَالَ جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ : إِنَّمَا الْأَشْيَاءُ بِرَحْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى يَا مُحَمَّدُ .

’’نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے اور فرمایا: ابھی ابھی میرے پاس میرے دوست جبرائیل علیہ السلام آئے اور انھوں نے کہا: اے محمد! اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے! اللہ تعالیٰ کے (برگزیدہ) بندوں میں سے ایک بندہ ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی پانچ سو سال عبادت کی۔ وہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر (عبادات میں مشغول تھا)، جو سمندر کے بیچ میں واقع ہے۔ وہ پہاڑ تیس ہاتھ لمبا اور تیس ہاتھ چوڑا ہے اور چاروں طرف سے سمندر اسے چار

ہزار فرسخ کے فاصلے تک گھیرے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایک میٹھے پانی کا چشمہ نکالا، جو ایک انگلی کی چوڑائی جتنا ہے اور وہ میٹھا پانی بہہ کر پہاڑ کے دامن میں جمع ہو جاتا ہے۔ ایک انار کا درخت پیدا کیا، جو ہر رات اس کے لیے ایک انار پیدا کرتا، جس سے وہ پورا دن غذا حاصل کرتا۔ جب شام ہوتی، تو وہ نیچے اترتا، وضو کرتا، انار کھاتا اور پھر اپنی نماز کے لیے کھڑا ہو جاتا۔ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ جب اس کی موت کا وقت آئے، تو اسے سجدہ کی حالت میں قبض کیا جائے اور زمین یا کسی اور چیز کو اس کا جسم خراب کرنے کا اختیار نہ دیا جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی اور وہ سجدے ہی کی حالت میں وفات پا گیا۔ جبرائیل علیہ السلام نے مزید فرمایا: ہم جب آسمان سے نیچے اترتے ہیں یا اوپر چڑھتے ہیں، اس کے پاس سے گزرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ سجدے میں ہے۔ ہمارے علم میں ہے کہ وہ قیامت کے دن اسی حالت میں اٹھایا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے بندے کو میری رحمت سے جنت میں داخل کر دو۔ وہ کہے گا: رب! (مجھے) میرے عمل کے سبب داخل فرما۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے کو میری رحمت سے جنت میں داخل کر دو۔ وہ پھر کہے گا: میرے رب! میرے عمل کے سبب۔ یہ تین مرتبہ ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا: میرے بندے کے عمل کو میری نعمتوں کے ساتھ تول دو۔ چنانچہ فرشتے اس کی پانچ سو سال کی عبادت کو اللہ کی دی ہوئی صرف ایک نعمت بصارت (بینائی) کے ساتھ تولیں گے، تو وہ نعمت اس کی پوری عبادت پر غالب آ جائے گی۔ پھر جسم

کی باقی نعمتیں تو اس پر اضافہ ہی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے کو جہنم میں لے جاؤ۔ پھر اسے (گھسٹتے ہوئے) جہنم کی طرف لے جایا جائے گا اور راستے میں پکارے گا: میرے رب! اپنی رحمت سے مجھے جنت میں داخل فرما! اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اسے واپس لاؤ۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھے گا: میرے بندے! جب تو کچھ نہ تھا، تو تجھے کس نے پیدا کیا؟ وہ کہے گا: میرے رب! تو نے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: یہ میری طرف سے تھا یا تیرے اپنے کمال سے؟ وہ کہے گا: بلکہ تیرے فضل ورحمت سے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تجھے پانچ سو سال عبادت کی قوت کس نے دی؟ وہ کہے گا: میرے رب! تو نے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تجھے سمندر کے بیچ پہاڑ پر کس نے بسایا؟ اور کھارے پانی میں سے تیرے لیے میٹھا چشمہ کس نے نکالا؟ اور تیرے لیے ہر رات ایک انار پیدا کیا، حالانکہ انار تو سال میں ایک بار نکلتا ہے؟ اور تُو نے مجھ دعا کی کہ میں تجھے سجدے کی حالت میں موت دوں، تو میں نے وہ بھی کر دیا؟ وہ کہے گا: میرے رب! یہ سب تیرے فضل ورحمت سے تھا۔ تب اللہ عزوجل فرمائے گا: میں تجھے اپنی رحمت سے ہی جنت میں داخل کر رہا ہوں۔ (پھر اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا:) میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو، تُو کیا ہی بہترین بندہ تھا! پھر جبرائیل علیہ السلام نے کہا: محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یقیناً تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے ہوتی ہیں۔''

(المُستدرك للحاكم : 7637، الضّعفاء الكبير للعُقيلي : 144/2، شُعب الإيمان للبيهقي : 4300)

جواب: روایت باطل ہے۔سلیمان بن ہرم قرشی مجہول ہے،اس کی روایات منکراور غیر محفوظ ہیں۔

❁ امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَجْهُولٌ فِي الرِّوَايَةِ، حَدِيثُهُ غَيْرُ مَحْفُوظٍ .

''نقل روایت میں مجہول ہے،اس کی بیان کردہ حدیث غیر محفوظ ہے۔''

(الضّعفاء الكبير : 144/2)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ غَيْرُ مُعْتَمَدٍ .

''سلیمان قرشی غیر معتمد راوی ہے۔''

❁ اس حدیث کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ هٰذَا . ''یہ روایت ثابت نہیں ہے۔''

(میزان الاعتدال : 228/2)

سوال: کیا کسی دینی مسئلہ میں اہل سنت والجماعت کے مقابلہ میں روافض کا مؤقف حق ہوسکتا ہے؟

جواب: یہ بات طے ہے کہ دین کے تمام اجماعی واختلافی مسائل میں حق اور صواب اہل سنت والجماعت میں منحصر ہے،کیونکہ مسلک اہل سنت والجماعت کتاب وسنت کے دلائل اوران کے صحیح اور متواتر فہم پر قائم ہے۔لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ کسی شرعی مسئلہ میں اہل سنت والجماعت میں سے کسی کے پاس حق بات نہ ہواور وہ سب باطل پر ہوں۔

روافض کا منہج وفکر باطل ہے،ان کا مذہب جھوٹ پر قائم ہے۔لہٰذا ایسا نہیں ہوسکتا ہے

کہ کسی مسئلہ میں روافض حق پر ہوں اور سارے کے سارے اہل سنت والجماعت باطل پر ہوں۔ اگر روافض کا کوئی مسئلہ صحیح بھی ہو، تو لازمی طور پر اہل سنت والجماعت سارے کے سارے یا اہل سنت کا ایک گروہ اس بات کا قائل ضرور ہوگا۔

لیکن اس کے برعکس ایسے بہت سے مسائل ہیں، جن میں اہل سنت والجماعت اجماع اور اتفاق رکھتے ہیں، مگر روافض ان مسائل کے قائل نہ ہوں۔

اس لیے ہمارا دعویٰ ہے کہ ہر حق اہل سنت والجماعت میں مضمر ہے۔

✿ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّمَا نَدَّعِي أَنَّهُمْ لَا يَتَّفِقُونَ عَلٰى ضَلَالَةٍ، وَأَنَّ كُلَّ مَسْأَلَةٍ اخْتَلَفَ فِيهَا أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ وَالرَّافِضَةُ فَالصَّوَابُ فِيهَا مَعَ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَحَيْثُ تُصِيبُ الرَّافِضَةُ فَلَا بُدَّ أَنْ يُوَافِقَهُمْ عَلَى الصَّوَابِ بَعْضُ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَلِلرَّوَافِضِ خَطَأٌ لَا يُوَافِقُهُمْ أَحَدٌ عَلَيْهِ مِنْ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَلَيْسَ لِلرَّافِضَةِ مَسْأَلَةٌ وَاحِدَةٌ لَا يُوَافِقُهُمْ فِيهَا أَحَدٌ انْفَرَدُوا بِهَا عَنْ جَمِيعِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ إِلَّا وَهُمْ مُخْطِئُونَ فِيهَا كَإِمَامَةِ الْإِثْنَيْ عَشَرَ وَعِصْمَتِهِمْ.

''ہم صرف یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت گمراہی پر متفق نہیں ہوتے اور یہ کہ ہر وہ مسئلہ جس میں اہل سنت والجماعت اور روافض اختلاف کریں، تو اس میں حق اہل سنت کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ جہاں رافضی درست

بات کہتے ہیں، تو لازمی ہے کہ اہل سنت والجماعت میں سے بھی کچھ لوگ اس بات میں ان سے اتفاق رکھتے ہوں۔ روافض کی ایسی غلطیاں بھی ہیں، جن پر اہل سنت میں سے کوئی بھی ان کا موافق نہیں ہوتا۔ روافض جس بھی مسئلہ میں میں تمام اہل سنت والجماعت سے الگ ہوں، اس مسئلہ وہ لازمی طور پر خطا پر ہوتے ہیں، جیسے بارہ اماموں کی امامت اوران کے معصوم ہونے کا مسئلہ ہے۔''

(مِنهاج السّنة : 342/3)

ثابت ہوا کہ بعض نام نہاد سکالرز کا یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ فلاں مسئلہ میں روافض کا مؤقف مضبوط ہے اور فلاں میں اہل سنت کا!

یہ تقسیم ہی باطل ہے۔ حق ہمیشہ اہل سنت کے ساتھ ہے، روافض کبھی اس حق میں اہل سنت کی موافقت کر لیتے ہیں اور کبھی نہیں کرتے۔ فافہم وتدبر!

سوال: کیا سیدنا ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں؟

جواب: خلفائے راشدین کو بقیہ تمام صحابہ پر مطلقاً فضیلت حاصل ہے، سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ برحق ہے، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ بلا شبہ سیدنا ابوعبیدہ بن جراح اور دیگر صحابہ سے افضل ہیں۔ اہل سنت والجماعت کا یہی مؤقف ہے۔

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

تَقَرَّرَ عِنْدَ أَهْلِ السُّنَّةِ قَاطِبَةً مِنْ تَقْدِيمِ عَلِيٍّ بَعْدَ عُثْمَانَ .

''سارے کے سارے اہل سنت والجماعت کے ہاں یہ بات طے ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا علی رضی اللہ عنہ (سیدنا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ وغیرہ سے) افضل ہیں۔''

(فتح الباري : 58/7)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۹۵)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا جانور کو ذبح کرنا ضروری ہے؟

جواب: حلال جانور کو ذبح یا نحر کرنا ضروری ہے۔ بغیر دَمِ مسفوح نکالے جانور کو کاٹ کر کھانا جائز نہیں۔ ایسا جانور حرام ہے اور اسے کھانا جائز نہیں۔

❁ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (۴۴۹ ھ) فرماتے ہیں:

ذٰلِكَ حَرَامٌ عِنْدَ جَمِيعِ الْأُمَّةِ .

''جانور کو ذبح یا نحر کیے بغیر کھانا ساری کی ساری اُمت کے ہاں حرام ہے۔''

(شرح صحيح البخاري : 438/5، التّوضيح لابن ملقن : 485/26)

سوال: حجیت حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: حدیث حجت ہے، اس پر کتاب وسنت میں متواتر دلائل موجود ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اقوال، افعال اور تقریرات (آپ کے سامنے اعمال کیے گئے، مگر آپ ﷺ نے ان پر نکیر نہیں فرمائی، بلکہ انہیں قائم رکھا) سب حدیث ہیں، یہ قرآن کریم کا بیان اور وضاحت ہیں۔ اگر کوئی حکم قرآن کریم میں مذکور نہ ہو، صحیح حدیث میں مذکور ہو، تو وہ بھی واجب الاتباع ہے۔ اسے ترک کرنے پر بھی وعید اور پکڑ ہے۔ اس لیے کہ قرآن کریم کی طرح حدیث بھی وحی الٰہی ہے، حدیث کو بھی اللہ تعالیٰ کی تائید حاصل ہے۔ معاملہ عقائد کا ہو یا احکام ومسائل کا، حلت وحرمت کا ہو، یا فضائل ومناقب کا، ہر معاملہ میں حدیث مبارکہ

حجت ہے۔

نبی کریم ﷺ شرعی احکام کے بیان میں جو فرماتے تھے، وہ اپنی طرف سے نہیں فرماتے تھے، بلکہ وہ باری تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا گیا ہوتا تھا۔اس لیے نبی کریم ﷺ کی حدیث کوتشریعی حیثیت حاصل ہے۔

❁ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ﴾ (الجمعة : ٩)

”مومنو! جب جمعہ کی نماز کے لیے آذان کہہ دی جائے،تو ذکر الٰہی (خطبہ سننے) کے لیے لپکو۔“

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُونَ﴾ (المائدة : ٥٨)

”جب تمہیں نماز کی طرف بلایا جاتا ہے،تو وہ (کفار) اس (اذان) کوہنسی مذاق اورکھیل تماشابنالیتے ہیں،اس لیے کہ یہ بے عقل قوم ہیں۔“

ندا(اذان) کا ذکرقرآن کریم نے کیا،اذان کے الفاظ حدیث میں بیان ہوئے ہیں، کفار جب اذان کے الفاظ سنتے،تو اذان کی اہانت اورتوہین کرتے اوراس کا تمسخراڑاتے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کی مذمت کی اورانہیں بے عقل قوم قراردیا۔

معلوم ہوا کہ اذان کے الفاظ حدیث ہیں اور حدیث کا تمسخراڑانا یا حدیث کی بری تاویلیں کرنا اوراحادیث لینے میں محدثین کے منہج سے انحراف برتنا بے عقل اور بے شعور

لوگوں کا طریقہ ہے۔

❁ اس آیت کی تفسیر میں مفسر سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَجُلٌ مِّنَ النَّصَارٰى بِالْمَدِينَةِ إِذَا سَمِعَ الْمُنَادِيَ يُنَادِي : «أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ» قَالَ : حُرِّقَ الْكَاذِبُ فَدَخَلَتْ خَادِمُهٗ ذَاتَ لَيْلَةٍ مِّنَ اللَّيَالِي بِنَارٍ وَهُوَ نَائِمٌ وَأَهْلُهٗ نِيَامٌ فَسَقَطَتْ شَرَارَةٌ فَأَحْرَقَتِ الْبَيْتَ فَاحْتَرَقَ هُوَ وَأَهْلُهٗ .

”مدینہ میں ایک عیسائی رہتا تھا، وہ جب مؤذن کو ”اشہد ان محمدا رسول اللہ“ پکارتے سنتا، تو کہتا: جھوٹا جل گیا۔ پس ایک رات اس کی خادمہ گھر میں آگ لے کر آئی، وہ اور اس کے گھر والے سوئے ہوئے تھے، آگ کی ایک چنگاری گری اور گھر جل گیا، جس میں وہ عیسائی اور اس کے گھر والے بھی جل گئے۔“

(تفسير ابن أبي حاتم : 6557، تفسير الطّبري : 536/8، وسندهٗ حسنٌ)

حدیث کا انکار اور اس سے تمسخر کرنے والوں کے لیے اس واقعہ میں عبرت ہے۔

❁ امام ابوعبداللہ مروزی رحمہ اللہ (۲۹۴ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَقُلْ أَحَدٌ : إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُحِلُّ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ، وَلَا يُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ، بَلِ الْقَوْلُ عِنْدَ جَمِيعِ الْأُمَّةِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يُحِلُّ إِلَّا مَا أَحَلَّ اللّٰهُ وَلَا يُحَرِّمُ إِلَّا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ، إِلَّا أَنَّ التَّحْلِيلَ وَالتَّحْرِيمَ مِنَ اللّٰهِ يَكُونُ عَلٰى وَجْهَيْنِ؛ أَحَدُهُمَا أَنْ يُنْزِلَ اللّٰهُ تَحْرِيمَ شَيْءٍ فِي

كِتَابِهٖ فَيُسَمِّيهٖ قُرْآنًا كَقَوْلِهٖ : ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ﴾(المائدة : ٣) وَمَا أَشْبَهُ ذٰلِكَ مِمَّا قَدْ حَرَّمَهٗ فِي كِتَابِهٖ، وَالْوَجْهُ الْآخَرُ أَنْ يُنْزِلَ عَلَيْهِ وَحْيًا عَلٰى لِسَانِ جِبْرِيلَ بِتَحْرِيمِ شَيْءٍ، أَوْ تَحْلِيلِهٖ، أَوِ افْتِرَاضِهٖ فَيُسَمِّيهُ حِكْمَةً، وَلَا يُسَمِّيهُ قُرْآنًا، وَكِلَاهُمَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ : ﴿وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾(النّساء : ١١٣)، وَقَالَ : ﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ﴾ (الأحزاب : ٣٤)، فَتَأَوَّلَتِ الْعُلَمَاءُ أَنَّ الْحِكْمَةَ هَا هُنَا هِيَ السُّنَّةُ؛ لِأَنَّهٗ قَدْ ذَكَرَ الْكِتَابَ، ثُمَّ قَالَ : ﴿وَالْحِكْمَةِ﴾ فَفَصَلَ بَيْنَهُمَا بِالْوَاوِ فَدَلَّ ذٰلِكَ عَلٰى أَنَّ الْحِكْمَةَ غَيْرُ الْكِتَابِ، وَهِيَ مَا سَنَّ الرَّسُولُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّا لَمْ يُذْكَرْ فِي الْكِتَابِ؛ لِأَنَّ التَّأْوِيلَ إِنْ لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ فَيَكُونُ كَأَنَّهٗ قَالَ : وَأَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْكِتَابَ، وَهٰذَا يَبْعُدُ .

”(علمائے مسلمین میں سے) کسی نے یہ نہیں کہا کہ نبی کریم ﷺ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کو حلال کر دیتے تھے یا اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام کر دیتے تھے، بلکہ پوری امت کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ صرف اُسی چیز کو حلال قرار دیتے تھے، جسے اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو اور صرف اُسی شے کو حرام قرار دیتے تھے، جسے اللہ نے حرام کیا ہو۔ البتہ اللہ کی طرف سے کسی چیز کے حلال یا حرام

کیے جانے کی دوصورتیں ہیں؛

پہلی صورت: اللہ تعالیٰ کسی چیز کی حرمت کو اپنی کتاب قرآن کریم میں نازل فرما دے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ﴾(المائدة : ٣) ''تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا ہے۔'' اسی طرح دیگر چیزیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حرام قرار دیا ہے۔

دوسری صورت: اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے وحی نازل فرمائے، جس میں کسی چیز کی حرمت، حلت یا فرضیت کا ذکر ہو، لیکن اس وحی کو قرآن کریم نہ کہا جائے، بلکہ حکمت کہا جائے اور یہ دونوں قرآن اور حکمت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾(النّساء : ١١٣) ''اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی۔'' اور فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ﴾ (الأحزاب : ٣٤) ''اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو، جو اس نے تم پر کی اور جو اس نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کیا۔'' اہل علم نے اس آیت کی تفسیر یوں کی ہے کہ یہاں ''حکمت'' سے مراد سنت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے پہلے ''کتاب'' کا ذکر کیا، پھر ''حکمت'' کو ''واؤ'' (عاطفہ) کے ساتھ الگ ذکر کیا، جس سے یہ واضح ہوا کہ ''حکمت'' کتاب سے الگ چیز ہے اور اس سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ سنت ہے،

جس کی تفصیل قرآن کریم میں مذکور نہیں۔ اگر اس آیت کی تفسیر یہ نہ کی جائے، تو گویا عبارت یوں ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر کتاب نازل کی اور (پھر) کتاب نازل کی۔ اور یہ بات بعید ہے۔''

(السّنّة، ص 109)

سوال: بعض عوام میں دیکھا گیا ہے کہ وہ مخالفین سے مناظرہ اور مناقشہ میں وقت صرف کر دیتے ہیں، انہیں کوئی نصیحت کر دیں۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے دین نازل کیا، اس کا مقصد عمل ہے۔ عوام الناس کو نصیحت ہے کہ وہ علم کے ساتھ جڑ جائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام و واجبات سے آشنائی حاصل کریں، جس کا واحد اور یکتا حل علمائے حق کی مجالس ہیں، ان کے محاضرات اور ان سے راہنمائی کے بغیر علم صحیح ممکن نہیں۔ بعض صرف انٹرنیٹ یا کتابوں سے علم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، علما سے بالکل رابطہ نہیں کرتے، ایسوں کا علم نامبارک ہوتا ہے اور وہ فہمی بگاڑ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان میں اکثریت کا مقصد ہی باطل ہوتا ہے۔

بہر حال دین کا علم حاصل کرنا اور اس کا درست فہم حاصل کرنا ضروری ہے اور اس کا واحد راستہ علما سے تعلق مربوط کرنا ہے۔ عقیدہ، عمل اور فضیلت ہر معاملہ میں راہنمائی حاصل کرنے کا مقصد عمل ہونا چاہیے۔ جس شخص کا علم عمل سے خالی ہے، وہ برکت سے محروم ہوتا ہے، اس پر کج فہمی کا عذاب آ سکتا ہے، وہ انشراح صدر کی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے، اسے فکری فتنے اپنے لپیٹ میں لے لیتے ہیں۔

عوام الناس کے لیے قطعاً جائز نہیں کہ وہ دین کی بنیادی باتوں کا علم حاصل کرنے کے بعد مناظرہ اور مباحثہ شروع کر دیں، دعوت کا فریضہ گو کہ ہر شخص پر اپنی وسعت کے مطابق

عائد ہوتا ہے، مگر عوام کا عوام سے مباحثہ نقصان دہ ہوتا ہے، اسی لیے اسلاف اُمت نے دین کے متعلق بلاوجہ جھگڑنے اور مناظرہ ومباحثہ سے منع فرمایا ہے۔ ایک عام شخص چونکہ دین کے علم میں راسخ نہیں ہوتا، تو اس کے مناظرہ کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ یا تو اہل بدعت کی ہاں میں ہاں ملا دیتا ہے، اگر مباحثہ ومجادلہ کرنے والا بدعتی چرب زبان ہو اور اپنی بات کہنے میں ماہر ہو یا عقلیات کا سہارا لے کر عوام کو گمراہ کرنے کا فن جانتا ہو۔ یا بدعتی کی باتیں سن کر شک وشبہ میں مبتلا ہو جاتا ہے، کبھی ضد اور عناد کی وجہ سے ایک دوسرے کی حق بات کا بھی انکار کر دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ بھی کئی خرابیاں ہیں، جو کم علمی اور کم فہمی میں مناظرہ کرنے سے پیدا ہو سکتی ہیں۔

اس لیے عافیت اسی میں ہے کہ کسی معاند ومخالف سے جھگڑنے کے بجائے اسے مثبت انداز میں دعوت دی جائے۔ یہ دعوت کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے۔ اس لیے سوشل میڈیا پر علم میں ناپختہ نوجوانوں کو چاہیے کہ علما کی راہنمائی کے بغیر اہل بدعت سے کوئی مباحثہ یا مناظرہ نہ کریں کہ اس کا نقصان خود انہیں اور اہل سنت عوام کو اٹھانا پڑتا ہے۔

مناظرہ کا جواز مجبوری میں ہے، جب کوئی بدعتی عالم فساد برپا کر رہا ہو اور بھولی بھالی عوام کو گمراہی کی طرف دعوت دے رہا ہو، تو اس وقت ایسے عالم کو میدان میں اترنا چاہیے، جو حق گو ہو اور عقائد سلف کا پہرے دار ہو، تاکہ وہ اہل سنت والجماعت کی نمائندگی کر سکے۔

بہر حال اہل بدعت سے مناظرہ کرنا جائز ہے، کتاب وسنت میں بھی مناظرہ کی مشروعیت پر دلائل ہیں، صحابہ کرام اور سلف اُمت نے بھی مناظرہ کیا ہے۔ البتہ اسے اپنی دعوت کی بنیاد نہیں بنایا۔

مناظرہ کب کرنا ہے اور کب نہیں؟ یہ فیصلہ حالات وظروف کے مطابق علمائے حق ہی

کریں گے۔ لیکن اتنا ضرور ہے کہ ہر کس وناکس کو مناظرہ کی اجازت نہیں، یہ علمی خیانت ہے، اس میں علم کا ضیاع اور بے ادبی ہے۔

❁ امام ابوبکر محمد بن حسین آجری رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَ لَهٗ عِلْمٌ وَّعَقْلٌ، فَمَيَّزَ جَمِيعَ مَا تَقَدَّمَ ذِكْرِي لَهٗ مِنْ أَوَّلِ الْكِتَابِ إِلٰى هٰذَا الْمَوْضِعِ عَلِمَ أَنَّهٗ مُحْتَاجٌ إِلَى الْعَمَلِ بِهٖ، فَإِنْ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا لَزِمَ سُنَنَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَا كَانَ عَلَيْهِ الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ مِّنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ فِي كُلِّ عَصْرٍ، وَتَعَلَّمَ الْعِلْمَ لِنَفْسِهٖ، لِيَنْتَفِيَ عَنْهُ الْجَهْلُ، وَكَانَ مُرَادُهٗ أَنْ يَتَعَلَّمَهُ لِلّٰهِ تَعَالٰى وَلَمْ يَكُنْ مُرَادُهٗ أَنْ يَتَعَلَّمَهٗ لِلْمِرَاءِ وَالْجِدَالِ وَالْخُصُومَاتِ، وَلَا لِلدُّنْيَا، وَمَنْ كَانَ هٰذَا مُرَادُهٗ سَلِمَ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰى مِنَ الْأَهْوَاءِ وَالْبِدَعِ وَالضَّلَالَةِ، وَاتَّبَعَ مَا كَانَ عَلَيْهِ مَنْ تَقَدَّمَ مِنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ لَا يُسْتَوْحَشُ مِنْ ذِكْرِهِمْ، وَسَأَلَ اللّٰهَ تَعَالٰى أَنْ يُوَفِّقَهٗ لِذٰلِكَ فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ: فَإِنْ كَانَ رَجُلٌ قَدْ عَلَّمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى عِلْمًا، فَجَاءَهٗ رَجُلٌ يَسْأَلُهٗ عَنْ مَسْأَلَةٍ فِي الدِّينِ، يُنَازِعُهٗ فِيهَا وَيُخَاصِمُهٗ، تَرٰى لَهٗ أَنْ يُنَاظِرَهٗ، حَتّٰى تَثْبُتَ عَلَيْهِ الْحُجَّةُ، وَيَرُدَّ عَلَيْهِ قَوْلَهٗ؟ قِيلَ لَهٗ: هٰذَا الَّذِي نُهِينَا عَنْهُ، وَهُوَ

الَّذِي حَذَّرَنَاهُ مَنْ تَقَدَّمَ مِنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ : فَمَاذَا نَصْنَعُ؟ قِيلَ لَهُ : إِنْ كَانَ الَّذِي يَسْأَلُكَ مَسْأَلَتَهُ مَسْأَلَةَ مُسْتَرْشِدٍ إِلٰى طَرِيقِ الْحَقِّ لَا مُنَاظَرَةً، فَأَرْشِدْهُ بِأَلْطَفِ مَا يَكُونُ مِنَ الْبَيَانِ بِالْعِلْمِ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَقَوْلِ الصَّحَابَةِ، وَقَوْلِ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَإِنْ كَانَ يُرِيدُ مُنَاظَرَتَكَ، وَمُجَادَلَتَكَ، فَهٰذَا الَّذِي كَرِهَ لَكَ الْعُلَمَاءُ، فَلَا تُنَاظِرْهُ، وَاحْذَرْهُ عَلٰى دِينِكَ، كَمَا قَالَ مَنْ تَقَدَّمَ مِنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ إِنْ كُنْتَ لَهُمْ مُتَّبِعًا فَإِنْ قَالَ : فَنَدَعُهُمْ يَتَكَلَّمُونَ بِالْبَاطِلِ، وَنَسْكُتُ عَنْهُمْ؟ قِيلَ لَهُ : سُكُوتُكَ عَنْهُمْ وَهِجْرَتُكَ لِمَا تَكَلَّمُوا بِهِ أَشَدُّ عَلَيْهِمْ مِنْ مُنَاظَرَتِكَ لَهُمْ كَذَا قَالَ مَنْ تَقَدَّمَ مِنَ السَّلَفِ الصَّالِحِ مِنْ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِينَ .

’’جسے علم وعقل کی دولت عطا کی گئی ہو اور وہ میری اس کتاب کے آغاز سے لے کر اس مقام تک بیان کی گئی تمام باتوں کو سمجھ لے، تو وہ خوب جان لے گا کہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان باتوں پر عمل کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے بھلائی کا ارادہ کرے، تو وہ رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کو حرزِ جاں بنائے گا اور ان راستوں کو اختیار کرے گا، جن پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عمدہ طریقہ کے ساتھ ہر دور میں ان کا اتباع کرنے والے چلے ہیں۔ وہ اپنے لیے علم حاصل کرے گا تا کہ جہالت اس سے دور ہو جائے اور اس کا مقصد صرف اللہ

تعالیٰ کی رضا کے لیے علم سیکھنا ہو گا۔ اس کا مقصد یہ نہ ہو گا کہ وہ اس علم کو جھگڑوں، مناظروں، یا دنیاوی فائدے کے لیے حاصل کرے۔ (طلب علم سے) جس کا مقصود یہ ہو گا، وہ ان شاء اللہ گمراہی، بدعت اور خواہشات سے محفوظ رہے گا اور ان ائمہ کی پیروی کرے گا، جن کا تذکرہ کرنے سے وحشت محسوس نہیں ہوتی اور وہ اللہ تعالیٰ سے توفیق مانگے گا کہ وہ اسے اس راستے پر قائم ودائم رکھے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ایک شخص کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہو، اور اس کے پاس ایک شخص آئے، جو اس سے دین کے کسی مسئلہ میں سوال کرے اور اس مسئلہ میں اس سے جھگڑا اور بحث کرے، تو کیا ایسے شخص کو مناظرہ کرنا چاہیے تا کہ اس پر حجت قائم ہو جائے اور اس کی بات کا رد کیا جا سکے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی چیز سے ہمیں روکا گیا ہے اور یہی وہ طریقہ ہے، جس سے اُمت مسلمہ کے ائمہ سلف نے خبردار کیا ہے۔

اگر کوئی پوچھے کہ پھر ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ تو جواب یہ ہے: اگر وہ سائل ہدایت کا طالب ہے، سچائی کا راستہ جاننا چاہتا ہے، نہ کہ مناظرہ، تو اسے نرمی اور محبت کے ساتھ کتاب وسنت، صحابہ کے اقوال اور ائمہ مسلمین کے اقوال کی روشنی میں سمجھا دیا جائے۔ اگر وہ مناظرہ اور جھگڑا کرنا چاہتا ہے، تو اس طریقہ کو اہل نے ناپسند کیا ہے، لہٰذا آپ اس (جاہل اور بیوقوف) سے مناظرہ مت کریں اور اپنے دین کے معاملہ میں اس سے بچیں، جیسا کہ مسلمانوں کے ائمہ سلف نے فرمایا، اگر آپ واقعی میں ان سلف کے پیرو ہیں تو۔

اگر کوئی پوچھے کہ کیا ہم ان (مناظرین) کو باطل بیان کرنے دیں اور ہم

خاموش رہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ کا ان سے خاموش رہنا اور ان کی باتوں سے کنارہ کشی کرنا، ان پر مناظرے سے زیادہ سخت اور مؤثر ہے، جیسا کہ سلف صالحین اور علمائے مسلمین نے فرمایا ہے۔‘‘

(الشّریعۃ :449/1)

سوال: گروہ محدثین کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

جواب: محدثین وہ طائفہ منصورہ ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت کے لیے پیدا کیا ہے۔ یہ حق کا تسلسل ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو شریعت کے ناقل ہیں، انہوں نے دین کو نازل ہوتے دیکھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر سنت کا مشاہدہ کیا، ان سنن پر عمل کیا اور انہیں کمال امانت کے ساتھ آگے پہنچایا، اسی طرح بعد والوں نے اپنے بعد والوں تک پہنچایا، یہاں تک کہ دین پوری دیانت اور امانت کے ساتھ کتابوں میں محفوظ کر لیا گیا۔ دین کو علمی اور عملی دونوں اعتبار سے محفوظ کیا گیا۔ عقائد، عبادات، معاملات اور اخلاقات سمیت دین کے تمام ابواب میں مکمل راہنمائی فراہم کی۔

علم نبوت کو علمی و عملی اعتبار سے محفوظ اور نشر کرنے کا یہ عظیم کام محدثین نے کیا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی دین کی حفاظت کے لیے کیا تھا۔ انہوں نے اس عظیم کاوش میں کسی بدنیتی یا رکھ رکھاؤ کا مظاہرہ نہیں کیا، بلکہ امانت و دیانت کے تمام تقاضوں کو پورا کیا۔ نہ صرف دین صحیح کو اُمت تک پہنچایا، بلکہ دین میں رخنہ سازی کرنے والی سازشوں کو بھی بے نقاب کیا اور اہل بدعت کی دشمنیاں مُول لیں۔

اللہ تعالیٰ نے محدثین کو اتنا مبارک بنایا کہ صدیاں گزرنے کے باوجود ان کا نام زندہ وجاوید ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے مسلک کو زندہ رکھا، ان کے متبعین کو دلیل کا غلبہ عطا کیا۔

محدثین کی مدح سرائی میں امام اہل سنت لالکائی رحمہ اللہ نے کیا کمال لکھا ہے، ذرا ملاحظہ فرمائیں؛

✿ امام ہبۃ اللہ لالکائی رحمہ اللہ (۴۱۸ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ نَجِدْ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَسُنَّةِ رَسُولِهٖ وَآثَارِ صَحَابَتِهٖ إِلَّا الْحَثَّ عَلَى الِاتِّبَاعِ، وَذَمَّ التَّكَلُّفِ وَالِاخْتِرَاعِ، فَمَنِ اقْتَصَرَ عَلٰى هٰذِهِ الْآثَارِ كَانَ مِنَ الْمُتَّبِعِينَ، وَكَانَ أَوْلَاهُمْ بِهٰذَا الِاسْمِ، وَأَحَقَّهُمْ بِهٰذَا الْوَسْمِ، وَأَخَصَّهُمْ بِهٰذَا الرَّسْمِ أَصْحَابُ الْحَدِيثِ؛ لِاخْتِصَاصِهِمْ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاتِّبَاعِهِمْ لِقَوْلِهٖ، وَطُولِ مُلَازَمَتِهِمْ لَهٗ، وَتَحَمُّلِهِمْ عِلْمَهٗ، وَحِفْظِهِمْ أَنْفَاسَهٗ وَأَفْعَالَهٗ، فَأَخَذُوا الْإِسْلَامَ عَنْهُ مُبَاشَرَةً، وَشَرَايِعَهٗ مُشَاهَدَةً، وَأَحْكَامَهٗ مُعَايَنَةً، مِنْ غَيْرِ وَاسِطَةٍ وَلَا سَفِيرٍ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَهٗ وَاصِلَةٍ، فَجَاوَلُوهَا عِيَانًا، وَحَفِظُوا عَنْهُ شِفَاهًا، وَتَلَقَّنُوهُ مِنْ فِيهِ رَطْبًا، وَتَلَقَّنُوهُ مِنْ لِسَانِهٖ عَذْبًا، وَاعْتَقَدُوا جَمِيعَ ذٰلِكَ حَقًّا، وَأَخْلَصُوا بِذٰلِكَ مِنْ قُلُوبِهِمْ يَقِينًا.

فَهٰذَا دِينٌ أُخِذَ أَوَّلُهٗ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُشَافَهَةً، لَمْ يَشُبْهُ لَبْسٌ وَلَا شُبْهَةٌ، ثُمَّ نَقَلَهَا الْعُدُولُ عَنِ الْعُدُولِ مِنْ غَيْرِ تَحَامُلٍ وَلَا مَيْلٍ، ثُمَّ الْكَافَّةُ عَنِ الْكَافَّةِ،

وَالصَّافَّةُ عَنِ الصَّافَّةِ، وَالْجَمَاعَةُ عَنِ الْجَمَاعَةِ، أَخْذَ كَفٍّ بِكَفٍّ، وَتَمَسُّكَ خَلَفٍ بِسَلَفٍ، كَالْحُرُوفِ يَتْلُو بَعْضُهَا بَعْضًا، وَيَتَّسِقُ أُخْرَاهَا عَلٰى أُولَاهَا رَصْفًا وَنَظْمًا .

فَهٰؤُلَاءِ الَّذِينَ تُعُهِّدَتْ بِنَقْلِهِمُ الشَّرِيعَةُ، وَانْحَفَظَتْ بِهِمْ أُصُولُ السُّنَّةِ، فَوَجَبَتْ لَهُمْ بِذٰلِكَ الْمِنَّةُ عَلٰى جَمِيعِ الْأُمَّةِ، وَالدَّعْوَةُ لَهُمْ مِنَ اللّٰهِ بِالْمَغْفِرَةِ؛ فَهُمْ حَمَلَةُ عِلْمِهِ، وَنَقَلَةُ دِينِهِ، وَسَفَرَتُهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أُمَّتِهِ، وَأُمَنَاؤُهُ فِي تَبْلِيغِ الْوَحْيِ عَنْهُ، فَحَرِيٌّ أَنْ يَكُونُوا أَوْلَى النَّاسِ بِهِ فِي حَيَاتِهِ وَوَفَاتِهِ، وَكُلُّ طَائِفَةٍ مِنَ الْأُمَمِ مَرْجِعُهَا إِلَيْهِمْ فِي صِحَّةِ حَدِيثِهِ وَسَقِيمِهِ، وَمُعَوَّلُهَا عَلَيْهِمْ فِيمَا يُخْتَلَفُ فِيهِ مِنْ أُمُورِهِ .

ثُمَّ كُلُّ مَنِ اعْتَقَدَ مَذْهَبًا فَإِلٰى صَاحِبِ مَقَالَتِهِ الَّتِي أَحْدَثَهَا يَنْسِبُ، وَإِلٰى رَأْيِهِ يَسْتَنِدُ، إِلَّا أَصْحَابَ الْحَدِيثِ، فَإِنَّ صَاحِبَ مَقَالَتِهِمْ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَهُمْ إِلَيْهِ يَنْتَسِبُونَ، وَإِلٰى عِلْمِهِ يَسْتَنِدُونَ، وَبِهِ يَسْتَدِلُّونَ، وَإِلَيْهِ يَفْزَعُونَ، وَبِرَأْيِهِ يَقْتَدُونَ، وَبِذٰلِكَ يَفْتَخِرُونَ، وَعَلٰى أَعْدَاءِ سُنَّتِهِ بِقُرْبِهِمْ مِنْهُ يَصُولُونَ، فَمَنْ يُوَازِيهِمْ فِي شَرَفِ الذِّكْرِ، وَيُبَاهِيهِمْ فِي سَاحَةِ الْفَخْرِ وَعُلُوِّ الِاسْمِ؟ .

إِذِ اسْمُهُمْ مَأْخُوذٌ مِنْ مَعَانِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ يَشْتَمِلُ عَلَيْهِمَا؛ لِتَحَقُّقِهِمْ بِهِمَا أَوْ لِاخْتِصَاصِهِمْ بِأَخْذِهِمَا، فَهُمْ مُتَرَدِّدُونَ فِي انْتِسَابِهِمْ إِلَى الْحَدِيثِ بَيْنَ مَا ذَكَرَ اللّٰهُ سُبْحَانَهُ وَتَعَالٰى فِي كِتَابِهٖ، فَقَالَ تَعَالٰى ذِكْرُهُ: ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ﴾ (الزّمر: ٢٣) فَهُوَ الْقُرْآنُ، فَهُمْ حَمَلَةُ الْقُرْآنِ وَأَهْلُهُ وَقُرَّاؤُهُ وَحَفَظَتُهُ، وَبَيْنَ أَنْ يَنْتَمُوا إِلٰى حَدِيثِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَهُمْ نَقَلَتُهُ وَحَمَلَتُهُ فَلَا شَكَّ أَنَّهُمْ يَسْتَحِقُّونَ هٰذَا الْاِسْمَ لِوُجُودِ الْمَعْنَيَيْنِ فِيهِمْ لِمُشَاهَدَتِنَا أَنَّ اقْتِبَاسَ النَّاسِ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ مِنْهُمْ، وَاعْتِمَادَ الْبَرِيَّةِ فِي تَصْحِيحِهِمَا عَلَيْهِمْ، لِأَنَّا مَا سَمِعْنَا عَنِ الْقُرُونِ الَّتِي قَبْلَنَا، وَلَا رَأَيْنَا نَحْنُ فِي زَمَانِنَا مُبْتَدِعًا رَأْسًا فِي إِقْرَاءِ الْقُرْآنِ، وَأَخَذَ النَّاسُ عَنْهُ فِي زَمَنٍ مِنَ الْأَزْمَانِ، وَلَا ارْتَفَعَتْ لِأَحَدٍ مِّنْهُمْ رَايَةٌ فِي رِوَايَةِ حَدِيثِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا خَلَتْ مِنَ الْأَيَّامِ، وَلَا اقْتَدٰى بِهِمْ أَحَدٌ فِي دِينٍ وَلَا شَرِيعَةٍ مِنْ شَرَائِعِ الْإِسْلَامِ.

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي كَمَّلَ لِهٰذِهِ الطَّائِفَةِ سِهَامَ الْإِسْلَامِ، وَشَرَّفَهُمْ بِجَوَامِعِ هٰذِهِ الْأَقْسَامِ، وَمَيَّزَهُمْ مِنْ جَمِيعِ الْأَنَامِ، حَيْثُ أَعَزَّهُمُ اللّٰهُ بِدِينِهٖ، وَرَفَعَهُمْ بِكِتَابِهٖ، وَأَعْلٰى ذِكْرَهُمْ

بِسُنَّتِهِ، وَهَدَاهُمْ إِلٰى طَرِيقَتِهِ وَطَرِيقَةِ رَسُولِهِ، فَهِيَ الطَّايِفَةُ الْمَنْصُورَةُ، وَالْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ، وَالْعُصْبَةُ الْهَادِيَةُ، وَالْجَمَاعَةُ الْعَادِلَةُ الْمُتَمَسِّكَةُ بِالسُّنَّةِ، الَّتِى لَا تُرِيدُ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَدِيلًا، وَلَا عَنْ قَوْلِهِ تَبْدِيلًا، وَلَا عَنْ سُنَّتِهِ تَحْوِيلًا، وَلَا يُثْنِيهِمْ عَنْهَا تَقَلُّبُ الْأَعْصَارِ وَالزَّمَانِ، وَلَا يَلْوِيهِمْ عَنْ سَمْتِهَا تَغَيُّرُ الْحَدَثَانِ، وَلَا يَصْرِفُهُمْ عَنْ سَمْتِهَا ابْتِدَاعُ مَنْ كَادَ الْإِسْلَامَ لِيَصُدَّ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَيَبْغِيَهَا عِوَجًا، وَيَصْرِفَ عَنْ طُرُقِهَا جَدَلًا وَلَجَاجًا، ظَنًّا مِنْهُ كَاذِبًا، وَتَمَنِّيًا بَاطِلًا أَنَّهُ يُطْفِئُ نُورَ اللّٰهِ، وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ.

وَاغْتَاظَ بِهِمُ الْجَاحِدُونَ، فَإِنَّهُمُ السَّوَادُ الْأَعْظَمُ، وَالْجُمْهُورُ الْأَضْخَمُ، فِيهِمُ الْعِلْمُ وَالْحُكْمُ، وَالْعَقْلُ وَالْحِلْمُ، وَالْخِلَافَةُ وَالسِّيَادَةُ، وَالْمُلْكُ وَالسِّيَاسَةُ، وَهُمْ أَصْحَابُ الْجُمُعَاتِ وَالْمَشَاهِدِ، وَالْجَمَاعَاتِ وَالْمَسَاجِدِ، وَالْمَنَاسِكِ وَالْأَعْيَادِ، وَالْحَجِّ وَالْجِهَادِ، وَبَاذِلُو الْمَعْرُوفِ لِلصَّادِرِ وَالْوَارِدِ، وَحُمَاةُ الثُّغُورِ وَالْقَنَاطِرِ، الَّذِينَ جَاهَدُوا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ، وَاتَّبَعُوا رَسُولَهُ عَلٰى مِنْهَاجِهِ، الَّذِينَ أَذْكَارُهُمْ فِي الزُّهْدِ مَشْهُورَةٌ، وَأَنْفَاسُهُمْ عَلَى الْأَوْقَاتِ مَحْفُوظَةٌ، وَآثَارُهُمْ عَلَى الزَّمَانِ مَتْبُوعَةٌ، وَمَوَاعِظُهُمْ لِلْخَلْقِ

زَاجِرَةٌ، وَإِلٰى طُرُقِ الْآخِرَةِ دَاعِيَةٌ، فَحَيَاتُهُمْ لِلْخَلْقِ مَنْبَهَةٌ، وَمَسِيرُهُمْ إِلٰى مَصِيرِهِمْ لِمَنْ بَعْدَهُمْ عِبْرَةٌ، وَقُبُورُهُمْ مُزَارَةٌ، وَرُسُومُهُمْ عَلَى الدَّهْرِ غَيْرُ دَارِسَةٍ، وَعَلٰى تَطَاوُلِ الْأَيَّامِ غَيْرُ نَاسِيَةٍ، يُعَرِّفُ اللّٰهُ إِلَى الْقُلُوبِ مَحَبَّتَهُمْ، وَيَبْعَثُهُمْ عَلٰى حِفْظِ مَوَدَّتِهِمْ، يُزَارُونَ فِي قُبُورِهِمْ كَأَنَّهُمْ أَحْيَاءٌ فِي بُيُوتِهِمْ، لِيَنْشُرَ اللّٰهُ لَهُمْ بَعْدَ مَوْتِهِمُ الْأَعْلَامَ حَتّٰى لَا تَنْدَرِسَ أَذْكَارُهُمْ عَلَى الْأَعْوَامِ، وَلَا تَبْلٰى أَسَامِيهِمْ عَلٰى مَرِّ الْأَيَّامِ، فَرَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَرِضْوَانُهُ، وَجَمَعَنَا وَإِيَّاهُمْ فِي دَارِ السَّلَامِ.

ثُمَّ إِنَّهُ لَمْ يَزَلْ فِي كُلِّ عَصْرٍ مِنَ الْأَعْصَارِ إِمَامٌ مِّنْ سَلَفٍ، أَوْ عَالِمٌ مِّنْ خَلَفٍ، قَايِمٌ لِلّٰهِ بِحَقِّهِ، وَنَاصِحٌ لِدِينِهِ فِيهَا، يَصْرِفُ هِمَّتَهُ إِلٰى جَمْعِ اعْتِقَادِ أَهْلِ الْحَدِيثِ عَلٰى سُنَنِ كِتَابِ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ وَآثَارِ صَحَابَتِهِ، وَيَجْتَهِدُ فِي تَصْنِيفِهِ، وَيُتْعِبُ نَفْسَهُ فِي تَهْذِيبِهِ؛ رَغْبَةً مِّنْهُ فِي إِحْيَاءِ سُنَّتِهِ، وَتَجْدِيدِ شَرِيعَتِهِ، وَتَطْرِيَةِ ذِكْرِهِمَا عَلٰى أَسْمَاعِ الْمُتَمَسِّكِينَ بِهِمَا مِنْ أَهْلِ مِلَّتِهِ، أَوْ لِزَجْرِ غَالٍ فِي بِدْعَتِهِ، أَوْ مُسْتَغْرِقٍ يَدْعُو إِلٰى ضَلَالَتِهِ، أَوْ مُفْتَتِنٍ بِجَهَالَتِهِ لِقِلَّةِ بَصِيرَتِهِ.

”ہمیں کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ اور آثار صحابہ میں اتباع کی ترغیب اور

تکلف واختراع کی مذمت ہی ملی ہے۔ لہٰذا جس نے انہی آثار پر اکتفا کیا، وہی اتباع کرنے والا ہے۔ اس لقب کے سب سے زیادہ حق دار، اس وصف کے سب سے زیادہ مستحق اور اس راستے کے خاص راہی اصحاب الحدیث (اہل حدیث محدثین) ہی ہیں۔ کیونکہ یہی وہ (عظیم) لوگ ہیں، جو رسول اللہ ﷺ سے خاص تعلق رکھنے والے، آپ ﷺ کے فرامین کی پیروی کرنے والے، آپ ﷺ کے ساتھ طویل وقت گزارنے والے، آپ ﷺ کا علم اٹھانے والے، آپ ﷺ کی سانسوں اور حرکات کو محفوظ رکھنے والے تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے براہِ راست دین حاصل کیا، شرائع کو براہِ راست دیکھا، احکام کا عینی مشاہدہ کیا، ان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان میں کوئی واسطہ یا سفیر نہیں۔ انہوں نے شریعت کو آنکھوں سے دیکھا، نبی کریم ﷺ سے براہِ راست سنا، آپ ﷺ کے دہن مبارک سے تر و تازہ سیکھا اور آپ ﷺ کی زبان سے شیریں انداز میں حاصل کیا۔ انہوں نے ان اُمور کو حق مانا، دل سے یقین کیا اور اخلاص سے اپنایا۔ یہ وہ دین ہے، جس کی ابتدا رسول اللہ ﷺ سے براہِ راست ہوئی، اس میں نہ التباس ہوا اور نہ کوئی شک وشبہ۔ پھر اسے عادل لوگوں نے عادلوں سے بغیر کسی تصنع یا جھکاؤ کے نقل کیا۔ پھر اسے ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے، ایک صف سے دوسری صف، ایک جماعت سے دوسری جماعت، ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ، ایک پیچھے والے نے اپنے سے پہلے والے سے مضبوطی سے تھام کر لیا، جیسے حروف ایک دوسرے کے پیچھے آتے ہیں اور نظم وربط سے مل کر ترتیب بنتی ہے۔

یہی وہ لوگ ہیں، جن کے (دین کو) نقل کرنے سے شریعت کی بنیادیں کھڑی ہوئیں اور سنت کی بنیادیں محفوظ ہوئیں۔ چنانچہ (اس عظیم خدمت کی وجہ سے) ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ساری امت کے حق میں احسان ثابت ہوا اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعا کرنا واجب ہوا۔ یہ لوگ علم نبوت کے حاملین، دین محمدی کے ناقلین، آپ ﷺ اور آپ کی امت کے درمیان سفیر اور آپ ﷺ سے وحی الٰہی کو نقل کرنے میں امین ہیں۔ چنانچہ یہی وہ لوگ ہیں، جو نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ میں (صحابہ کی صورت میں) اور وفات حسرت آیات کے بعد (محدثین کی صورت میں) آپ ﷺ کے سب سے زیادہ خاص ہیں۔

امت کا ہر گروہ اپنے مؤقف کی (تائید کرنے والی) حدیث کی صحت وضعف کے معاملہ میں انہی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ جن اُمور میں اختلاف ہوتا ہے، اس میں انہی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ پھر ہر وہ شخص جو کسی مذہب کو اختیار کرتا ہے، وہ اپنے مذہب کے بانی کی طرف منسوب ہوتا یا اس کے قول پر اعتماد کرتا ہے، مگر اہل حدیث محدثین ایسے نہیں، ان کے اقوال کی دلیل رسول اللہ ﷺ ہیں۔ وہ نبی کریم ﷺ کی طرف ہی منسوب ہوتے ہیں، آپ ﷺ کے علم پر بھروسا کرتے ہیں، آپ ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں، آپ ﷺ کی راہنمائی کی پیروی کرتے ہیں اور اسی پر فخر کرتے ہیں اور آپ ﷺ سے تعلق نبھاتے ہوئے آپ ﷺ کی سنت کے دشمنوں پر غلبہ حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ شرف وعزت میں ان کی برابری کون کرسکتا ہے؟ اور فخر ونا موری میں ان

کا کون ہمسر ہوسکتا ہے؟ ان کا نام کتاب وسنت کے مفاہیم سے ماخوذ ہے، جو ان پر صادق آتے ہیں، کیونکہ وہ کتاب وسنت پر ثابت قدم ہیں، یا ان سے حجت پکڑنے میں خصوصیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی نسبت میں لفظ ''حدیث'' کے پیچ جھولتے ہیں، جس سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام (قرآن کریم) بھی ہے، جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ أَحْسَنَ الْحَدِيثِ﴾ (الزّمر : ۲۳) ''اللہ نے سب سے بہتر حدیث نازل کی۔'' پس اصحاب الحدیث ہی قرآن کریم کے حامل، اس کے قاری اور حافظ ہیں۔

اہل حدیث (قرآن کے ساتھ ساتھ) حدیث رسول ﷺ کی طرف بھی منسوب ہوتے ہیں، یہی لوگ حدیث کے ناقل وحامل ہیں۔ لہٰذا اس میں کوئی شک وشبہ نہیں کہ وہ اس نام کے مستحق ہیں، کیونکہ ان میں دونوں معنوں (قرآن وحدیث) کی حقیقت موجود ہے۔

اس لیے کہ ہمارا مشاہدہ ہے کہ لوگ قرآن وسنت کا استفادہ انہی سے کرتے ہیں اور کتاب وسنت کے صحیح ہونے میں اعتماد بھی انہی پر کرتے ہیں، کیونکہ ہم نے پہلے ادوار یا موجودہ زمانے میں کبھی کسی بدعتی کو دیکھا سنا نہیں کہ وہ قرآن کریم کی قرأت میں امام کی حیثیت رکھتا ہو، یا کسی بدعتی سے کسی زمانہ میں لوگوں نے علم حاصل کیا ہو، یا کسی نے اس کی قیادت تسلیم کی ہو، یا گزشتہ کسی زمانہ میں کسی بدعتی کا روایت حدیث میں پرچم بلند ہوا ہو، یا دین وشریعت کے معاملے میں کسی نے اس کی اقتدا کی ہو۔

اللہ کا بے حد شکر ہے، جس نے اس جماعت محدثین کو اسلام کے تیر عطا کیے،

انہیں ان تمام شعبہ جات کو جمع کرنے کا شرف بخشا، انہیں تمام انسانوں سے ممتاز کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے دین سے عزت دی، اپنی کتاب سے بلند کیا، اپنی سنت سے ان کا ذکر بلند کیا، اپنی راہ اور اپنے رسول ﷺ کی راہ کی طرف ان کی رہنمائی فرمائی۔

یہی وہ طائفہ منصورہ، فرقہ ناجیہ، عصبہ ہادیہ، جماعت عادلہ ہے، جو سنت کو مضبوطی سے تھامے ہوئے ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی جگہ کسی کو نہیں لاتے، نہ آپ ﷺ کے قول میں تبدیلی کرتے، نہ سنت سے روگردانی کرتے ہیں، نہ زمانے کی تبدیلیاں انہیں پھیرتی ہیں، نہ حوادثات انہیں منحرف بناتے ہیں، نہ اہل بدعت کا فتنہ انہیں راہِ حق سے ہٹاتا ہے، کہ جو اسلام کے خلاف گھناؤنی سازش رچتے ہیں، تاکہ وہ (اپنی بدعت کے ذریعے لوگوں کو) اللہ کی راہ سے روک دیں، اس راہ میں کج روی پھیلائیں اور جدل ومباحثہ کے ذریعہ (لوگوں کو) اسلام کے راستوں سے منحرف کردیں، یہ ان کا جھوٹا گمان اور باطل آرزو ہے کہ وہ اللہ کے نور کو بجھا دیں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے نور (دین) کو مکمل کرنے والا ہے، اگرچہ کافر ناخوش ہوں۔

اہل حدیث سے منکرین کو غیظ وغضب ہوا، کیونکہ اہل حدیث ہی سواد اعظم ہیں اور سب سے بڑا گروہ ہیں۔ انہی کے اندر علم وحکمت، عقل وبردباری، خلافت وقیادت، حکومت وسیاست پائی جاتی ہے۔ وہی جمعے، میدانوں، جماعتوں اور مساجد کے اہل ہیں۔ وہی مناسک، عیدیں، حج اور جہاد کا فریضہ ادا کرنے والے ہیں۔ وہی آنے اور جانے والوں پر بھلائی لٹانے والے ہیں، وہی

سرحدوں اور پلوں کے محافظ ہیں۔ وہی ہیں، جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ویسا جہاد کیا، جیسے جہاد کرنے کا حق ہے اور یہی طائفہ ہے، جس نے رسول اللہ ﷺ کا اس طرح اتباع کیا، جو آپ ﷺ کا دین اور منہاج ہے۔

ان کے اذکار زہد میں مشہور ہیں، ان کے سانس وقت پر محفوظ ہیں، ان کے آثار کی زمانے بھر میں پیروی کی جاتی ہے، ان کی نصیحتیں مخلوق خدا کو (گناہوں سے) روکنے والی ہیں اور آخرت کی راہ کی طرف بلانے والی ہیں۔ ان کی زندگی مخلوق کے لیے سبق ہے اور ان کا اپنی منزل کی طرف سفر بعد والوں کے لیے درس عبرت ہے۔ ان کی قبریں کی زیارت کی جاتی ہیں (یعنی لوگ انہیں بھولتے نہیں، بلکہ ان کے حق میں دعا کرنے اور عبرت حاصل کرنے کے لیے ان پر قبروں پر جاتے ہیں)، ان کے نشانات دنیا میں مٹتے نہیں اور مدتیں گزرنے کے باوجود بھلائے نہیں جاتے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت پیدا کر دیتا ہے اور ان سے محبت قائم رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ان کی قبروں کی زیارت اس طرح کی جاتی ہے گویا وہ اپنے گھروں میں زندہ ہوں، تاکہ اللہ تعالیٰ ان کی وفات کے بعد ان کی یاد کو عام کرے، یہاں تک کہ ان کا ذکر کبھی مٹنے نہ پائے اور ان کے نام زمانے کے ساتھ پرانے نہ ہوں۔ ان پر اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت کا نزول ہو اور اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے ساتھ جنت میں جمع کر دے۔

پھر ہر زمانے میں سلف کا کوئی امام، یا بعد کا کوئی عالم موجود رہا ہے، جو اللہ تعالیٰ کے حق کو قائم کرنے والا تھا اور اس کے دین کا خیر خواہ تھا۔ وہ اپنی ساری توجہ

اہل حدیث کے عقیدے کو اللہ کی کتاب، اس کے رسول ﷺ کی سنت اور صحابہ کے آثار کے مطابق جمع کرنے پر مرکوز کرتا رہا۔ وہ اپنی تصنیف میں جدوجہد کرتا رہا اوراس کی تہذیب وترتیب میں اپنے نفس کوتھکاتا رہا، اس کی نیت یہ تھی کہ سنت کو زندہ کرے، شریعت کی تجدید کرے اوران کا تذکرہ ان مسلمانوں تک پہنچائے، جو ان پر عمل کرتے ہیں۔ یا (اس کی نیت یہ تھی کہ) کسی بدعتی کوروکا جائے، جو حد سے تجاوز کر چکا ہے یا کسی گمراہ کا رد کیا جائے، جولوگوں کو اپنی گمراہی کی دعوت دے رہا ہے، یا کسی نادان کو دعوت اصلاح دی جائے کہ جو اپنی کم فہمی کی وجہ سے (گمراہی کے) فتنے میں مبتلا ہے۔‘‘

(شرح أصول اعتقاد أهل السّنة والجماعة :1/24-27)

❁❁❁❁❁❁❁

فتاویٰ امن پوری (قسط ٦٩٦)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا رشوت پہلی قوموں میں بھی حرام تھی؟

جواب: رشوت ستانی وہ اخلاقی جرم ہے، جو پہلی اُمتوں میں بھی حرام اور ناجائز رہا ہے اور اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اس کی حرمت بالکل واضح اور اجماعی ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ نے یہود کی خصلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿أَكَّالُونَ لِلسُّحْتِ﴾ (المائدة : ٤٢)

''بہت زیادہ حرام خوری کرنے والے۔''

اکثر مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہاں حرام کھانے سے مراد رشوت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہود کو رشوت ستانی پر اسی لیے عار دلائی، کیونکہ ان کے دین میں رشوت حرام تھی، ورنہ انہیں ایسے گناہ پر کیسے عار دلائی جا سکتی ہے، جو ان کی شریعت میں حرام ہی نہ ہو؟

❀ علامہ محمد بن عبد الباقی زرقانی رحمہ اللہ (١١٢٢ھ) فرماتے ہیں:

هُوَ حَرَامٌ عِنْدَ جَمِيعِ أَهْلِ الْكِتَابِ.

''رشوت تمام اہل کتاب کے ہاں حرام ہے۔''

(شرح الزّرقاني على موطأ الإمام مالك : 543/3)

رشوت سنگین اخلاقی جرم ہے، جس قوم میں جتنی زیادہ رشوت ہوتی ہے، اس میں عدل وانصاف کا اتنا خون ہوتا ہے۔ معاشرتی قابلیت کو مسخ کرنے میں سب سے بنیادی کردار

رشوت ستانی کا ہے، رشوت قابلیت کا جنازہ نکال دیتی ہے، نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قابل افراد کا فقدان ہو جاتا ہے اور نا اَہل اور ناخلف لوگ معاشرے کے راہبر بن جاتے ہیں اور پھر پورے گلشن کا مستقبل تباہ ہوکر رہ جاتا ہے۔

؎ بقول کسے؛

برباد گلستان کرنے کو ایک ہی اُلو کافی ہے

ہر شاخ پہ اُلو بیٹھا ہے، انجام گلستاں کیا ہوگا؟

سوال: بعض سکالرز اہل حدیث اور اہل سنت کو ''روایت پرست'' کہتے ہیں، اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: جو اہل حدیث اور اہل سنت والجماعت کو ''روایت پرست'' کہتے ہیں، وہ منکرین حدیث ہیں۔ ان کی صبح وشام کوشش ہے کہ مسلمانوں سے حدیث کی نعمت چھین لی جائے، جس طرح مشرکین عرب اور منافقین مدینہ کی اول آخر کوشش یہی ہوتی تھی کہ نبی کریم ﷺ پر قرآن وسنت نازل نہ کیا جائے اور وہ حسد کرتے تھے، اسی طرح آج کے منکرین حدیث کا ''خواب'' ہے کہ مسلمانوں کے ہاتھ سے بخاری ومسلم اور دیگر کتب حدیث چھڑا دی جائیں۔

وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ قرآن پر آ جائیں، دراصل یہ لوگ قرآن کریم کے قریب نہیں لا رہے، بلکہ اپنے خواہشات کی پیروی کو آسان بنا رہے ہیں، کیونکہ قرآن کریم کی وہی تعلیمات ہیں، جو حدیث مبارکہ کی ہیں۔ مسلمانوں کے پاس احادیث مبارکہ اور آثار صحابہ وہ اثاثہ ہیں، جن سے وہ قرآن کریم کے صحیح اور درست مفاہیم متعین کر سکتے ہیں۔ اس کے بغیر قرآن فہمی ممکن نہیں۔ بالخصوص جب ہر طرف رائے اور عقلیات کا دوردورہ ہو۔ ہر

خواہش پرست اپنی من مرضی کے مطابق قرآن کریم کے مفاہیم متعین کررہا ہو اور بھولی عوام کو راہِ حق سے بھٹکا رہا ہو۔

اللہ کی نازل کردہ آخری کتاب اور نوع انسانی کے لئے وحی کے اتمام کے بعد ضرورت اس امر کی تھی کہ قیامت تک کے آخری فرد کے لئے اس وحی کو محفوظ کرلیا جائے، جس کا وعدہ باری تعالیٰ نے خود کرلیا کہ ہم نے اسے نازل کیا ہے، ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ رب تعالیٰ کا مذکورہ وعدہ فقط قرآنی الفاظ کے ساتھ خاص نہیں تھا، بلکہ قرآن کے معنی ومفہوم، اس کی تشریح، اس کے آفاقی پیغام کی ہر پرت کا محفوظ رہ جانا ہی مراد تھا۔ کیوں کہ اس کے بغیر حفاظت قرآنی کا مقصد ہی باقی نہیں رہ جاتا، کسی ایسی چیز کو اللہ کا کلام تو نہیں کہا جاسکتا، جس کا معنی ومفہوم ہی واضح نہ ہوسکے، لوگ ہمیشہ بھٹکتے ہی رہ جائیں، بلکہ قرآن ایک واضح اور روشن ہدایت کے طور پر نازل ہوا، جس کے معنوی احتمالات کو نبوت کے ذریعے حتمی شکل دی گئی، عربی مبین کا کامل نمونہ بنایا گیا اور قیامت تک کے انسانوں کے لئے باقی رکھا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغام کی حفاظت کے لئے ایک خاص اہتمام کیا، جس میں سب سے پہلے تو اپنے پیغمبر کو صحابہ کا پاکباز گروہ دیا، ان کو امانت، دیانت، اور رشد وہدایت کی بشارتیں دیں، جنہوں نے اس پیغام کو رسول اللہ سے لے کر رہتی دنیا تک پہنچانے میں ایک لمحے کی بھی کوتاہی نہیں کی۔ پھر اس دین کو سلف کے پاکباز گروہ کے ہاتھوں میں دے دیا، وہ امور حکومت سے بے نیاز، لڑائی جھگڑے سے پرے، دنیا سے بے غرض، اپنی موج میں اس کارعظیم میں حصہ ڈالتے رہے، دین کو تحریف سے محفوظ رکھا، پیغمبر پر جھوٹ باندھنے والوں کا ناطقہ بند کیا اور الفاظ حدیث کے ساتھ معانی حدیث کی بھی مکمل حفاظت کر کے دین

کو پوری امت تک پہنچا دیا، حق کو باطل سے الگ رکھا، اس میں بدعات و رسومات کی آمیزش ہونے دی نہ فلسفہ و منطق کی بھول بھلیوں میں سرگرداں ہوئے۔

حدیث کو حفظ کرنے، اسے جمع کرنے والے، اسے مرتب کرنے والے اور اسے نشر کرنے والے محدثین کرام تھے۔ اس کرہ ارض پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد سب سے شان وعظمت والے لوگ یہی تھے، زہد وتقویٰ، عدل وانصاف، امانت ودیانت، عقل وبینش اور عمل وامتثال میں ان سے بڑھ کر کوئی نہ تھا۔ جن کی عظمت قرآن وحدیث میں بیان ہوئی ہے۔ قرآن وحدیث میں علم اور اہل علم کی جو فضیلت بیان کی گئی ہے، اس کے اول مصداق محدثین ہیں، محدثین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے۔

❁ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نَضَّرَ اللّٰهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثًا فَحَفِظَهٗ حَتّٰى يُبَلِّغَهٗ غَيْرَهٗ، فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ، وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ لَيْسَ بِفَقِيهٍ .

''اللہ تعالیٰ اسے تر وتازہ رکھے، جو مجھ سے کوئی حدیث سنے، پھر اسے یاد رکھ کر دوسروں کو پہنچا دے، بہت سے شریعت کا علم رکھنے والے اپنے سے زیادہ بہتر سمجھنے والوں کو پہنچا دیتے ہیں اور بہت سے لوگ علم کو حاصل کرتے ہیں، لیکن اس کی (کما حقہ) فقہ نہیں رکھتے۔''

(سنن التّرمذي : 2656، وسندهٗ صحيحٌ)

اس میں کسی کو خلاف نہیں کہ حدیث کی حفظ وصیانت اور نشر واشاعت کا جو بیڑا محدثین نے اٹھایا ہے، وہ کسی کے حصہ میں نہ آیا۔ یوں محدثین کو دعائے نبوی کا استحقاق ہے۔

یہی وہ گروہ ہے، جنہوں نے قرآن کریم کے الفاظ اور معانی ومفاہیم کو نقل کیا اور پوری

اُمت (بشمول منکرین حدیث) نے ان کی نقل پر اعتماد کیا اور یہی وہ طائفہ ہے، جنہوں نے محمد کریم ﷺ سے متصل سند کے ساتھ احادیث مبارکہ نقل کیں، ان کی سندوں کے قبول ورد کرنے کے اصول بیان کیے کہ ان کی سند سے بیان کردہ ہر ہر حدیث نہ قبول کی جائے اور نہ رد کردی جائے، بلکہ انہیں محدثین کے اصولوں پر پرکھا جائے، یہ ذمہ داری علمائے اُمت اور حدیث کے ماہرین کے سپرد کی گئی۔

جب محدثین کے نقل کردہ قرآن پر اعتماد کیا جا سکتا ہے اور اسے ''انسانی کاوش'' نہیں کہا جا سکتا، تو پھر احادیث رسول ﷺ نقل کرنے پر ان پر بداعتمادی کیوں؟

معلوم ہوا کہ حدیث کا انکار کرنے کا مقصد کچھ اور ہے۔ اور وہ مقصد اوپر بیان کر دیا گیا ہے کہ منکرین حدیث قرآن کریم کی من چاہی تفاسیر کر کے اپنی خواہشات پوری کرنا چاہتے ہیں، ان کا راستہ روکنے کا واحد حل صحیح احادیث ہیں اور محدثین کے بیان کردہ اصول ہیں۔ علم محدثین ہر اٹھنے والے فتنہ کے آگے آہنی دیوار کی حیثیت رکھتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو پہلی اُمتوں پر ایک خصوصیت ایسی دی تھی، جس کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے دین محمدی کو ہمیشہ کے لیے محفوظ بنا دیا۔ وہ یہ کہ پہلی اُمتوں کو سند نہیں دی گئی، ان کے دین میں کوئی بھی کچھ بھی کہہ دیتا، اسے دین کا درجہ دے دیا جاتا، اس کے سچے یا جھوٹے ہونے کا کوئی معیار نہیں تھا۔ جبکہ اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو سند کی خوبی سے سرفراز کیا گیا، یہ وہ معیار ہے، جس پر ہم حق اور باطل کا پتا لگا سکتے ہیں، صدیاں گزرنے کے بعد بھی ہمارے پاس وہ معیار موجود ہے، جس پر ہم ہر ایک کی بات کو پرکھ سکتے ہیں کہ آیا یہ اس دین کے موافق ہے جو نبی کریم ﷺ پر نازل ہوا یا نہیں؟ سند وہ دین ہے، جو صرف اور صرف محدثین اور ان کے ماننے والوں کے حصے میں آیا۔ سند کے ہوتے ہوئے دین میں کمی

پیشی نہیں کی جا سکتی، نہ کہ کوئی دین میں دخیل بن سکتا۔ اگر کوئی بد بخت دین میں کوئی بات شامل کرنے لگے، تو سندوں والے فوراً اٹھ کھڑے ہوتے ہیں اور اس بات کا جھوٹا ہونا واضح کر دیتے ہیں۔ یوں دین سندوں کے ذریعے محفوظ ہوا اور اس کے لیے پوری اُمت محدثین کی محتاج ہے۔ محدثین نہ ہوتے، تو سندیں نہ ہوتیں، سندیں نہ ہوتیں تو دین محفوظ نہ ہوتا، جس کے جی میں جو آتا، کہہ دیتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دین محدثین کے توسط سے محفوظ ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی حفاظت وصیانت کے لیے پیدا کیا ہے۔

اس لیے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ جو محدثین کا نہیں، وہ دین کا نہیں۔ محدثین کو ڈاچ کر کے دین کی خدمت کوئی خدمت نہیں۔

یاد رہے کہ حجیت حدیث عظمت محدثین کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، جو لوگ محدثین کے دشمن ہیں، ان کے علم وفہم سے بے بہرہ ہیں، انہیں حدیث سمجھ ہی نہیں آ سکتی، وہ اگر حدیث پڑھتے بھی ہیں، تو رسول اللہ ﷺ کی حقیقی مراد کو پانے سے قاصر رہتے ہیں۔ یہ بہت بڑی محرومی ہے۔

❀ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَّنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا .

''اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال بعد مجدد دین ضرور پیدا کرے گا۔''

(سنن أبي داود : 4291، وسندهٗ حسنٌ)

اس سے مراد محدثین اور ان کے متبعین ہیں۔ جو محدثین کے عقیدہ وعمل، منہج اور علم پر نہیں، وہ بالضرور دین میں بگاڑ لاتا ہے، مثلاً حدیث کا انکار کر کے، یا حدیث کی معنوی تحریف کر کے دین کی غلط تعبیریں پیش کرتا ہے۔ تو محدثین اور ان کے متبعین دین کی صحیح

تعبیر کرتے ہیں، یوں مبتدین، ضالین اور منحرفین کی دین کے خلاف کوششوں کو مٹا دیتے ہیں اور حق کو غالب کر دیتے ہیں۔

قرآن کریم میں ہر شے کی تفصیل ذکر نہیں کی گئی۔ مثلاً شہادتین کے بعد سب سے اہم عمل نماز ہے، قرآن کریم میں صرف نماز کا حکم بیان ہوا ہے، اس کی ترغیب دی گئی ہے، مگر اس کی تفصیل قرآن کریم نے ذکر نہیں کیا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اُمت کو سکھائی گئی۔ تبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میری طرح نماز پڑھیں۔'' (بخاری: ۶۳۱)

زکوٰۃ کا حکم قرآن کریم میں مذکور ہے، لیکن اس کا نصاب کیا ہے؟ اور اس میں زکوٰۃ کا تناسب کیا ہے؟ اس کی تفصیل صرف حدیث میں ہے۔

وراثت کے احکام قرآن وحدیث میں بیان ہوئے ہیں، مگر بعض احکام ایسے ہیں، جنہیں صرف حدیث نے بیان کیا ہے، قرآن کریم میں اس کا واضح بیان نہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ ......﴾ (النّساء: ۱۱)

اس آیت کریمہ میں مخلوط اولاد (بیٹوں اور بیٹیوں) کا حصہ بیان ہوا ہے، اسی طرح صرف بیٹیوں کا حصہ بھی بیان ہوا ہے۔ لیکن صرف بیٹوں کا حصہ ذکر نہیں۔ وہ حدیث مبارکہ میں ہے۔

❁ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَلْحِقُوا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا، فَمَا بَقِيَ فَهُوَ لِأَوْلٰى رَجُلٍ ذَكَرٍ .

''حقداروں کو وراثت دینے کے بعد جو باقی بچ جائے وہ اس مرد کو دے دیں، جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے۔''

(صحيح البخاري : 6732، صحيح مسلم : 1615، المنتقٰى لابن الجارود : 955)

اگر اولاد میں صرف ایک بیٹا یا زیادہ بیٹے ہیں، تو انہیں عصبہ بنا کر ان میں برابر برابر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اس حدیث میں بیٹوں کا حصہ بیان کر دیا گیا ہے، جسے قرآن کریم میں واضح بیان نہیں کیا گیا۔

قرآن کریم کے کسی بھی حکم کو تب تک ادا نہیں کیا جا سکتا، جب تک حدیث مبارکہ سے راہنمائی نہ لی جائے اور انہیں دل و جان سے تسلیم نہ کر لیا جائے۔

قرآن کریم کی طرح حدیث مبارکہ بھی وحی ہے، دونوں کا مصدر ایک ہے۔ دونوں اللہ کی حفاظت سے محفوظ ہیں، دونوں واجب الاتباع ہیں، دونوں پر عمل جنت کی ضمانت ہے اور دونوں کی مخالفت ہلاکت خیز ہے۔ پہلی قوموں میں بہت سوں کی ہلاکت اپنے نبی کی حدیث چھوڑنے اور مخالفت کرنے سے ہوئی۔

گویا جس طرح محمد کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی، پہلے نبیوں پر بھی وحی اتاری گئی، جن کے ذریعے ان کی قوم کو مؤمن یا کافر قرار دیا گیا۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلٰى نُوحٍ وَّالنَّبِيِّينَ مِنْ بَعْدِهِ﴾

(النساء : 163)

”ہم نے آپ کی طرف وحی کی، جیسے ہم نے نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف وحی کی تھی۔“

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو جواب یہ دیا کہ نبی کریم ﷺ کو بھی اسی طرح وحی عطا کی گئی، جس طرح نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کے انبیائے کرام علیہم السلام کو وحی عطا ہوئی۔ اب یہ

بات تو طے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی پر کتاب نہیں اتاری، بلکہ انہیں وحی خفی (حدیث) عطا کی، جس پر عمل کر کے اس قوم کے لوگ مؤمن بنے اور جس کا انکار کر کے اس قوم کے لوگ کافر قرار پائے اور عذاب الٰہی سے دوچار ہوئے۔

اس آیت مبارکہ سے وحی خفی (حدیث) کی بھی عظمت ثابت ہوتی ہے اور اس کی اہمیت اور ضرورت اجاگر ہوتی ہے، اس پر عمل کے بغیر نجات نہیں۔

❁ امام ابوبکر محمد بن حسین آجری رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

يَنْبَغِي لِأَهْلِ الْعِلْمِ وَالْعَقْلِ إِذَا سَمِعُوا قَائِلًا يَقُولُ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي شَيْءٍ قَدْ ثَبَتَ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ، فَعَارَضَ إِنْسَانٌ جَاهِلٌ فَقَالَ : لَا أَقْبَلُ إِلَّا مَا كَانَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى، قِيلَ لَهٗ : أَنْتَ رَجُلُ سُوءٍ، وَأَنْتَ مِمَّنْ يُحَذِّرُنَاكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَحَذَّرَ مِنْكَ الْعُلَمَاءُ وَقِيلَ لَهٗ : يَا جَاهِلُ، إِنَّ اللّٰهَ أَنْزَلَ فَرَائِضَهٗ جُمْلَةً، وَأَمَرَ نَبِيَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا أَنْزَلَ إِلَيْهِمْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ﴾(النّحل : ٤٤).

فَأَقَامَ اللّٰهُ تَعَالٰى نَبِيَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَقَامَ الْبَيَانِ عَنْهُ، وَأَمَرَ الْخَلْقَ بِطَاعَتِهٖ، وَنَهَاهُمْ عَنْ مَعْصِيَتِهٖ، وَأَمَرَهُمْ بِالْاِنْتِهَاءِ عَمَّا نَهَاهُمْ عَنْهُ، فَقَالَ تَعَالٰى : ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا

نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر : ٧)، ثُمَّ حَذَّرَهُمْ أَنْ يُخَالِفُوا أَمْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ تَعَالٰى : ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(النّور : ٦٣) وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾(النّساء : ٦٥)

ثُمَّ فَرَضَ عَلَى الْخَلْقِ طَاعَتَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَيِّفٍ وَّثَلَاثِينَ مَوْضِعًا مِنْ كِتَابِهٖ تَعَالٰى وَقِيلَ لِهٰذَا الْمُعَارِضِ لَسُنَنِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا جَاهِلُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾(البقرة : ٤٣) أَيْنَ تَجِدُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى أَنَّ الْفَجْرَ رَكْعَتَانِ، وَأَنَّ الظُّهْرَ أَرْبَعٌ، وَالْعَصْرَ أَرْبَعٌ، وَالْمَغْرِبَ ثَلَاثٌ، وَأَنَّ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ أَرْبَعٌ؟ أَيْنَ تَجِدُ أَحْكَامَ الصَّلَاةِ وَمَوَاقِيتَهَا، وَمَا يُصْلِحُهَا وَمَا يُبْطِلُهَا إِلَّا مِنْ سُنَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ وَمِثْلُهُ الزَّكَاةُ، أَيْنَ تَجِدُ فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى مِنْ مِائَتَيْ دِرْهَمٍ خَمْسَةُ دَرَاهِمَ، وَمِنْ عِشْرِينَ دِينَارًا نِصْفُ دِينَارٍ، وَمِنْ أَرْبَعِينَ شَاةٍ شَاةٌ، وَمِنْ خَمْسٍ مِنَ الْإِبِلِ شَاةٌ، وَمِنْ جَمِيعِ أَحْكَامِ الزَّكَاةِ، أَيْنَ

تَجِدُ هٰذَا فِي كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى؟ وَكَذٰلِكَ جَمِيعُ فَرَائِضِ اللّٰهِ، الَّتِي فَرَضَهَا اللّٰهُ فِي كِتَابِهٖ، لَا يُعْلَمُ الْحُكْمُ فِيهَا إِلَّا بِسُنَنِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هٰذَا قَوْلُ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِينَ، مَنْ قَالَ غَيْرَ هٰذَا خَرَجَ عَنْ مِلَّةِ الْإِسْلَامِ، وَدَخَلَ فِي مِلَّةِ الْمُلْحِدِينَ، نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الضَّلَالَةِ بَعْدَ الْهُدٰى وَقَدْ رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَنْ صَحَابَتِهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِثْلُ مَا بَيَّنْتُ لَكَ فَاعْلَمْ ذٰلِكَ.

''علم وعقل والوں کے لیے ضروری ہے کہ جب وہ کسی کو یہ کہتا سنیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فلاں چیز کے بارے میں یہ فرمایا اور وہ حدیث اہل علم کے نزدیک ثابت ہو چکی ہو، تو (اسے تسلیم کرنا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے، لیکن) اگر کوئی جاہل اس کی مخالفت کرتے ہوئے کہے: میں صرف وہی بات مانوں گا، جو قرآن کریم میں ہو، تو اسے کہا جائے: تم بہت برے ہو! تم انہی لوگوں میں سے ہے، جن کے متعلق ہمیں نبی کریم ﷺ نے متنبہ فرمادیا تھا اور جن سے اہل علم نے بھی خبردار کیا ہے۔

ایسے (منکر حدیث) سے کہا جائے گا: جاہل! اللہ تعالیٰ نے اپنے فرائض اجمالی طور پر نازل فرمائے ہیں اور اپنے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ ان کی تفصیل لوگوں کے لیے بیان کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ

يَتَفَكَّرُونَ﴾(النّحل : ٤٤)''ہم نے آپ کی طرف نصیحت نازل کی، تاکہ آپ لوگوں کے لیے اس شے کی وضاحت کردیں، جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے اور تاکہ وہ غور کریں۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو بیان کا مقام دیا اور لوگوں کو آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا اور نافرمانی سے منع فرمایا، نیز جس چیز سے آپ ﷺ روکتے ہیں، اس سے باز رہنے کا حکم دیا۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر : ٧) ''جو کچھ رسول تمہیں دیں، وہ لے لو اور جس سے روکیں، اس سے باز رہو۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے خبردار کردیا کہ رسول ﷺ کے حکم کی مخالفت کرنے والوں کو کسی بڑے فتنے یا دردناک عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا، چنانچہ فرمان الٰہی ہے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾(النّور : ٦٣)''نبی کی حکم عدولی کرنے والے باز آجائیں، کہیں وہ فتنے میں مبتلا نہ ہوجائیں، یا ان کو دردناک عذاب نہ گھیر لے۔'' فرمایا: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾(النّساء : ٦٥)''(نبی!) آپ کے رب کی قسم! یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے جب تک اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، آپ کے فیصلے پر دلوں میں گھٹن محسوس نہ کریں، بلکہ سر تسلیم خم کردیں۔''

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی اطاعت کو اپنی کتاب میں ۳۰ سے زائد مقامات پر فرض قرار دیا۔لہٰذا رسول اللہ ﷺ کی سنت کی مخالفت کرنے والے سے کہا جائے گا :اے جاہل! اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾(البقرۃ : ٤٣)''نماز قائم کرواورزکوٰۃادا کرو۔''تو قرآن کریم میں یہ ذکرکہاں ہے کہ فجر دورکعت،ظہر چار،عصر چار،مغرب تین اورعشا چار رکعت ہے؟ نماز کے احکام، اس کے اوقات، ان کی درستی اور بطلان کی تفصیلات قرآن میں کہاں ہیں؟ یہ سب کچھ ہمیں صرف رسول اللہ ﷺ کی سنت سے معلوم ہوا ہے۔

اسی طرح زکوٰۃ کے احکام قرآن کریم میں کہاں ہیں کہ ۲۰۰ درہم میں ۵ درہم، ۲۰ دینار میں آدھا دینار، ۴۰ بکریوں میں ایک بکری، ۵ اونٹوں میں ایک بکری دی جائے؟ زکوٰۃ کے تمام احکام قرآن کریم میں کہاں ہیں؟اسی طرح اللہ کے تمام فرائض جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اجمالاً فرض کیا،ان کے تفصیلی احکام صرف رسول اللہ ﷺ کی سنت سے معلوم ہوتے ہیں۔یہ علمائے مسلمین کا اتفاقی واجماعی مؤقف ہے۔ جو شخص اس کے خلاف بات کہے، وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہو جاتا ہے اورملحدوں کی ملت میں داخل ہو جاتا ہے۔ہم اللہ تعالیٰ سے ہدایت کے بعد گمراہ ہو جانے سے پناہ مانگتے ہیں۔جو بات میں نے آپ کے سامنے واضح کی ہے، یہ باتیں نبی کریم ﷺ اورصحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے منقول ہیں،لہٰذا ان باتوں کوخوب جان لیں۔''

(الشّریعۃ :412/1)

منکرین حدیث کا انکار حدیث میں ایک بہانہ یہ بھی ہے کہ احادیث تو قرآن کے معارض ہوتی ہیں، لہٰذا ہر حدیث کو قبول نہیں کیا جائے گا، بلکہ انہیں قرآن پر پیش کیا جائے گا، جو قرآن کے موافق ہوں، انہیں قبول کر لیا جائے گا اور جو مخالف ہوں، انہیں چھوڑ دیا جائے گا۔ یہ اصول بے بنیاد ہے، اس بارے میں مروی روایات بے اصل اور ضعیف ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں ہوتی، ظاہری مخالفت ہوسکتی ہے، حقیقت میں مخالفت نہیں ہوسکتی، لہٰذا ایک صحیح، مرفوع اور متصل حدیث پیش کی جائے، جو قرآن کے خلاف ہو، اللہ کی توفیق سے ہم اس تعارض کو رفع کر دیں گے، اگر قرآن کا قرآن سے ظاہری تعارض رفع ہوسکتا ہے، تو قرآن اور حدیث کا ظاہری تعارض بھی رفع ہو سکتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ عظام رحمہم اللہ نے احادیث کو قرآن پر پیش کر کے یہ بتایا ہے کہ کوئی صحیح حدیث درحقیقت قرآن کے مخالف نہیں۔

سوال: قرآن کریم کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟

جواب: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا منزل کلام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے صوت وحروم کے ساتھ کلام کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی اور لفظی کلام ہے۔ جبریل امین علیہ السلام کے ذریعہ بحفاظت محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، عرب وعجم اس جیسا کلام لانے سے قاصر رہے۔

سلف اُمت اور بعد کے اہل سنت والجماعت کا اتفاق واجماع ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، یہ مخلوق نہیں۔

❁ امام عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ (۲۸۰ھ) فرماتے ہیں:

''ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول

ہیں، اللہ نے آپ ﷺ کو اپنی وحی کے لیے چن لیا، انہیں اپنی رسالت کے لیے منتخب فرمایا اور ان پر اپنا واضح کلام اور اپنی عزت والی کتاب کا نزول فرمایا کہ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ﴾ ''اس کے آگے سے اور پیچھے سے باطل نہیں آ سکتا، یہ حکمت والے اور تعریف والے (رب) کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿قُرْآنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِي عِوَجٍ﴾(الزّمر : ٢٨) ''یہ عربی قرآن ہے، جس میں کوئی کجی نہیں۔'' اور فرمایا: ﴿يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِينَ﴾(بني إسرائيل : ٩) ''یہ اس راستے کی رہنمائی کرتا ہے، جو سب سے زیادہ سیدھا ہے اور ایمان والوں کو خوشخبری دیتا ہے۔''

اس قرآن میں پہلوں کی خبریں اور پچھلوں کے واقعات موجود ہیں۔ اس کے عبرت انگیز پہلو ختم نہیں ہوتے اور نہ ہی اس کے عجائبات مٹتے ہیں۔ یہ نہ مخلوق ہے اور نہ ہی کسی مخلوق کی طرف منسوب ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۞ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ﴾(الشُّعراء : ١٩٣۔١٩٤) ''اسے روح الامین (جبرائیل) نے آپ کے دل پر نازل کیا تا کہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہوں۔'' یہ حکمت والے اور علم والے کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ فرمایا: ﴿إِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْآنَ مِنْ لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ﴾(النّمل : ٦) ''یقیناً آپ کو حکیم اور علیم ذات کی طرف سے قرآن سکھایا

جا رہا ہے۔'' نیز فرمایا: ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ * عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنْذِرِينَ * بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾(الشُّعراء : ١٩٣_١٩٥) ''اسے روح الامین آپ کے دل پر لے کر نازل ہوا ہے، تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں، یہ واضح عربی زبان میں۔'' جس نے اس کتاب کے مطابق بات کی، وہ سچا ہے اور جس نے اسے تھام لیا، وہ راہِ راست پا گیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا: ﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا﴾(بني إسرائيل : ١٠٦) ''ہم نے قرآن کریم کو تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا تاکہ آپ اسے ٹھہر ٹھہر کر لوگوں کو پڑھ کر سنائیں اور ہم نے اسے رفتہ رفتہ نازل کیا۔'' چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ویسا ہی پڑھا، جیسا کہ انہیں حکم دیا گیا تھا اور اس کے ذریعے ظاہری اور پوشیدہ سب کو دعوت دی۔

جب مشرکوں نے واضح آیات سنیں، تو کہنے لگے: یہ (محمد ﷺ) جادوگر، کاہن، شاعر اور کسی انسان سے سیکھنے والا ہے، نیز مجنون ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:: ﴿وَانْطَلَقَ الْمَلَأُ مِنْهُمْ أَنِ امْشُوا وَاصْبِرُوا عَلٰى آلِهَتِكُمْ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ يُرَادُ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِي الْمِلَّةِ الْآخِرَةِ إِنْ هٰذَا إِلَّا اخْتِلَاقٌ﴾ (صٓ : ٦) ''ان کے سردار نکل کھڑے ہوئے اور کہا: یہاں سے چلو اور اپنے معبودوں پر ڈٹے رہو، یقیناً یہ ایک منصوبہ ہے، ہم نے پچھلی ملت میں ایسی بات نہیں سنی، یہ محض ایک من گھڑت بات ہے۔'' اور فرمایا

:﴿إِنْ هٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾(المُدّثِّر : ٢٥)''یہ تو انسان ہی کا کلام ہے۔''

مزید فرمایا: ﴿لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَا إِنْ هٰذَآ إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾(الأنفال : ٣١)''اگر ہم چاہتے، تو ہم بھی ایسا کلام کہہ لیتے، یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔'' نیز فرمایا: ﴿إِنْ هٰذَا إِلَّا إِفْكٌ افْتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَيْهِ قَوْمٌ آخَرُونَ﴾(الفُرقان : ٤)''یہ محض جھوٹ ہے، جسے اس نے خود گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگ اس کی مدد کر رہے ہیں۔'' نیز فرمایا: ﴿وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا﴾ (الفرقان : ٥)''وہ کہتے ہیں کہ یہ تو پچھلوں کی کہانیاں ہیں، جنہیں اسے لکھوایا گیا ہے اور وہ صبح وشام اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔'' ﴿إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ بَشَرٌ﴾(النّحل : ١٠٣)''یہ تو ایک انسان اسے سکھا رہا ہے۔'' یعنی یہ کلام مخلوق کا ہے، کسی انسان کا گھڑا ہوا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو جھٹلایا اور ان کے دعوے کو باطل قرار دیا اور فرمایا: ﴿فَقَدْ جَاؤُوا ظُلْمًا وَّزُورًا﴾ ''بے شک وہ ظلم اور جھوٹ لے کر آئے۔'' اور فرمایا: ﴿قُلْ أَنْزَلَهُ الَّذِي يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ''کہو! اس قرآن کو اس ذات نے نازل کیا ہے، جو آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے، یقیناً وہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم والا ہے۔'' اور فرمایا: ﴿قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ

الَّذِينَ آمَنُوا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِينَ﴾ ''کہو! روح القدس نے اسے آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کیا تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور یہ ہدایت ہے اور مسلمانوں کے لیے بشارت ہے۔'' اور فرمایا: ﴿لِسَانُ الَّذِي يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ أَعْجَمِيٌّ وَهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُبِينٌ﴾(النّحل : ۱۰۳) ''جس شخص کی طرف ان کا میلان ہے، اس کی زبان عجمی ہے اور یہ تو واضح عربی زبان ہے۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے چیلنج دیا کہ ﴿لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰى أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا﴾(بني إسرائيل : ۸۸) ''اگر تمام جن وانس اکٹھے ہو جائیں کہ اس قرآن جیسا کوئی کلام لے آئیں، تو بھی نہیں لا سکتے، چاہے وہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو چیلنج کیا کہ ﴿فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ (هود : ۱۳) ''وہ سچے ہیں، تو ایسی دس سورتیں لے آئیں، خواہ گھڑی ہوئی ہی کیوں نہ ہوں اور اللہ کے سوا جسے چاہیں (مدد کے لیے) بلا لیں۔'' یا صرف ایک سورت ہی لے آئیں، فرمایا: ﴿وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۞ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ أُعِدَّتْ

لِلْكَافِرِينَ﴾(البقرة : ٢٣-٢٤) ''اگر تمھیں اس قرآن کے بارے میں شک ہے، جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے، تو تم بھی ایک سورت اس جیسی لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے مددگاروں کو بلالو، اگر تم سچے ہو۔ اگر تم ایسا نہ کرسکو، اور تم ہرگز نہ کرسکو گے، تو اس آگ سے بچو، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔''

چنانچہ جن وانس، عرب اور عجم، بت پرست اور اہل کتاب کے علماء، کوئی بھی نہ تو ایک سورت لا سکا اور نہ ہی کسی سورت کا کچھ حصہ۔ اگر وہ لا سکتے، تو ضرور اپنے مددگاروں کو بلاتے اور اپنے خطیبوں، شاعروں، احبار، پادریوں، کاہنوں اور جادوگروں کو انعامات دے کر مجبور کرتے کہ اس جیسا کچھ بنادیں، تاکہ ان کے جھوٹے دعوے محمد ﷺ کی تکذیب میں سچے ثابت ہوں۔ لیکن بھلا کوئی مخلوق خالق کے کلام جیسا کلام کیسے لاسکتی ہے؟ اور کیسے اس کی طاقت رکھتی ہے؟ جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَنْ تَفْعَلُوا﴾(البقرة : ٢٤) ''تم ہرگز ایسا نہیں کر سکو گے۔'' یعنی قیامت تک بھی نہیں کرسکو گے۔ پس جیسے اللہ کی ذات کا کوئی مثل نہیں، ویسے ہی اس کے کلام کا بھی کوئی مثل نہیں۔

رسول اللہ ﷺ مسلسل لوگوں کو اللہ اور اس کے کلام کی طرف خفیہ اور علانیہ دونوں طرح دعوت دیتے رہے، ان کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کو برداشت کرتے رہے اور صبر سے کام لیتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو غلبہ عطا فرما دیا، آپ کو عزت دی اور اپنی نصرت نازل فرمائی۔ پھر آپ ﷺ نے تلوار سے عرب وعجم کے رخ موڑ دیے، یہاں تک کہ وہ

ذلیل ہوئے اور اطاعت کرنے لگے، کچھ خوشی سے اور کچھ مجبوری سے اسلام میں داخل ہوئے۔ وہ آپ ﷺ کی زندگی میں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی دین پر قائم رہے۔ کوئی کافر اور منافق، جو اسلام کا سہارا لیے ہوئے ہو، وہ جرات نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے دل کا کفر یا نبوت کا انکار ظاہر کرے، ایسا وہ تلوار کے خوف اور رسوائی کے ڈر سے کرتا رہا۔ بلکہ وہ طویل مدت تک مسلمانوں کے ساتھ منافقت کے ساتھ جیتے رہے، ان کے درمیان ذلت کے ساتھ زندگی گزارتے رہے۔

کفار قریش کے بعد سب سے پہلے جس نے کچھ ظاہر کیا، وہ بصرہ میں جعد بن درہم تھا، خراسان میں جہم بن صفوان تھا، انہوں نے ایسا کفار قریش کی پیروی میں کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جہم کو بدترین طریقے سے ہلاک کیا اور جعد بن درہم کو خالد بن عبداللہ قسری نے واسط میں قربانی کے دن مسلمانوں کے سامنے عید کے خطبے کے بعد ذبح کر دیا۔ کسی نے اسے معیوب نہیں سمجھا، نہ کسی نے اس پر اعتراض کیا، بلکہ لوگوں نے اس کے اس اقدام کو پسند کیا اور اس کی رائے کو درست مانا۔''

(مقدمة كتاب الرّد على الجَهمية، ص21)

❀❀❀❀❀❀❀❀

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۹۷)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: اسلام کی تعلیم کے حوالہ سے کیا نصیحت کرتے ہیں؟

جواب: ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ دین کا بنیادی اور اَساسی علم ضرور حاصل کرے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور منع کردہ اُمور کو جانے۔ تا کہ اللہ تعالیٰ کی کما حقہ عبادت کی جا سکتی۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ قرآن کریم اور سنت رسول ﷺ کی علم حاصل کرے، نیز ائمہ مسلمین کے عقائد کا مطالعہ کرے۔

یاد رہے کہ دین کا علم ہر کس و نا کس سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے لیے اہل حق علما کا انتخاب کرے۔ کتاب وسنت کا خود ہی مطالعہ کر کے ''فقیہ'' بننا نقصان دہ ہے، کیونکہ ہر عامی آدمی قرآنی علوم اور حدیثی علوم سے باخبر نہیں ہوتا۔ اس لیے علمائے ربانیین کی راہنمائی از حد ضروری ہے۔

سب سے اہم بات یہ ہے کہ دینی علم حاصل کرنے کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت، خشیت اور للّٰہیت ہے۔ اگر کسی کا حصول علم کا مقصد لڑائی جھگڑے، بحث ومجادلہ اور دوسروں کو زیر کرنا ہے، تو یہ غیر شرعی مقصد ہے۔ اس لیے کتاب وسنت کا علم حاصل کریں، ان میں تدبر کریں، انہیں دل وجان سے تسلیم کریں، ان پر عمل کریں اور حسب استطاعت ان کی دعوت دیں۔ کوئی منحرف کتاب وسنت کے دلائل میں جھگڑا کرے، تو اس سے کنارہ کشی اختیار کریں، وہ جس طرح خود منحرف ہے، آپ کو بھی انحراف کا شکار کر سکتا ہے۔ اس لیے

اپنے دین کو بچانا سب سے اہم ہے، دوسروں کی فکر بعد میں ہے۔ یہ نہ ہو کہ دوسروں سے جدل وتکرار کرتے کرتے خود بھی ان خرابیوں میں مبتلا ہو جائے، جس میں معاندین اور مخالفین مبتلا ہوئے ہیں۔

اگر کسی بدعتی یا ملحد سے مناقشہ کی ضرورت ہو، تو اس کے لیے علمائے حق موجود ہیں، وہ حکمت ودانائی اور علم وعدل کے ساتھ اس گمراہ اور اس کی گمراہی کا رد پیش کر دیں گے۔ عوام کو یہ ذمہ داری اٹھانے کی ضرورت نہیں۔

۞ امام ابوبکر محمد بن حسین آجری رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

يَنْبَغِي لِلْمُسْلِمِينَ أَنْ يَتَّقُوا اللّٰهَ تَعَالٰى، وَيَتَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ، وَيَتَعَلَّمُوا أَحْكَامَهٗ، فَيُحِلُّوا حَلَالَهٗ وَيُحَرِّمُوا حَرَامَهٗ، وَيَعْمَلُوا بِمُحْكَمِهٖ، وَيُؤْمِنُوا بِمُتَشَابِهِهٖ، وَلَا يُمَارُوا فِيهِ، وَيَعْلَمُوا أَنَّهٗ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى، غَيْرَ مَخْلُوقٍ، فَإِنْ عَارَضَهُمْ إِنْسَانٌ جَهْمِيٌّ فَقَالَ : مَخْلُوقٌ، أَوْ قَالَ : الْقُرْآنُ كَلَامُ اللّٰهِ وَوَقَفَ، أَوْ قَالَ : لَفْظِي بِالْقُرْآنِ مَخْلُوقٌ، أَوْ قَالَ : هٰذَا الْقُرْآنُ حِكَايَةٌ لِمَا فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ فَحُكْمُهٗ أَنْ يُهْجَرَ وَلَا يُكَلَّمَ، وَلَا يُصَلّٰى خَلْفَهٗ، وَيُحَذَّرَ مِنْهُ، وَعَلَيْكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ بِالسُّنَنِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَسُنَنِ أَصْحَابِهٖ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُمْ، وَقَوْلِ التَّابِعِينَ، وَقَوْلِ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ مَعَ تَرْكِ الْمِرَاءِ وَالْخُصُومَةِ وَالْجِدَالِ فِي الدِّينِ، فَمَنْ كَانَ عَلٰى هٰذَا الطَّرِيقِ رَجَوْتُ لَهٗ

مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰى كُلَّ خَيْرٍ، وَسَأَذْكُرُ بَعْدَ ذٰلِكَ مَا لَا بُدَّ لِمَنْ كَانَ هٰذَا مَذْهَبَهٗ وَعِلْمَهٗ، عَمِلَ بِهٖ مِنْ مَعْرِفَةِ الْإِيمَانِ، وَشَرِيعَةِ الْإِسْلَامِ، حَالًا بَعْدَ حَالٍ، وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ لِكُلِّ رَشَادٍ، وَالْمُعِينُ عَلَيْهِ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ.

”مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں، قرآن کریم تعلیم حاصل کریں اور اس کے احکام کو سمجھیں۔ اس کے حلال کو حلال مانیں اور اس کے حرام کو حرام سمجھیں۔ اس کی محکم (واضح) آیات پر عمل کریں اور متشابہ آیات پر ایمان رکھیں اور اس میں جھگڑا نہ کریں۔ نیز یہ یقین رکھیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے۔

پھر اگر مسلمانوں کے سامنے کوئی جہمی (قرآن کو مخلوق کہنے والا) آ جائے اور کہے کہ قرآن مخلوق ہے، یا کہے: قرآن اللہ کا کلام ہے، مگر اس عقیدہ میں توقف کرے، یا کہے: میرا قرآن کا تلفظ مخلوق ہے (اس کی مراد پڑھا جانے والا کلام ہو نہ کہ پڑھنے والے کا فعل)، یا کہے: یہ قرآن لوح محفوظ میں موجود کلام کی محض حکایت ہے، تو ایسے شخص کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے، اس سے بات نہ کی جائے، اس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے، اور لوگوں کو اس سے خبردار کیا جائے۔

قرآن کریم کے بعد آپ پر لازم ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو لازم پکڑیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے طریقے، تابعین کے اقوال اور ائمہ مسلمین کے (اجماعی) اقوال کو اختیار کریں، اس کے ساتھ ساتھ دین میں جھگڑوں،

مناظروں اور بحث وتکرار سے اجتناب کریں۔

پس جو شخص اس منہج ومسلک پر گامزن ہوگا، میں اللہ تعالیٰ سے اس کے لیے ہر بھلائی کی امید رکھتا ہوں۔ میں بعد میں ان شاء اللہ یہ بھی ذکر کروں گا کہ جو شخص اس راستے اور اس علم کو اختیار کرے، تو اس کے لیے ایمان کی معرفت اور اسلام کی شریعت پر مرحلہ وار عمل کرنا لازم ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ہی ہر بھلائی کی طرف رہنمائی دینے والا ہے اور اسی کی مدد سے یہ سب کچھ ممکن ہوگا، ان شاء اللہ۔ لاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم!''

(الشّريعة :579/1)

سوال: یہود ونصاریٰ اور اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کتنے فرقوں میں منقسم ہوئی؟

جواب: پہلی اُمتوں کے بہتر (۷۲) فرقے بن گئے اور اس اُمت کے تہتر (۷۳) فرقے ہوں گے۔ اس پر کئی دلائل موجود ہیں۔

اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور پہلی اُمتوں میں فرق یہ ہے کہ پہلی اُمتوں میں حق کا تسلسل برقرار نہ رہا، بلکہ ان کے حق والے لوگ آہستہ آہستہ ختم ہی ہو گئے، یہاں تک کہ ایک وقت ایسا آیا کہ یہود ونصاریٰ کا کوئی بھی گروہ حق پر قائم نہ رہا۔ لیکن اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں باوجود ۷۳ فرقے ہونے کے ایک فرقہ اور گروہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا، یہ وہی گروہ ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کا امین ہے، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حق پر چھوڑ کر گئے، اس فرقے کا تسلسل قیامت قائم ہونے تک برقرار رہے گا۔ اسے باقی فرقے مل کر نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔ یہ حق کا غلبہ ہے، جو الحمدللہ حق والے گروہ کو حاصل رہا ہے۔

❀ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے:

قَدْ دَعَا رَأْسَ الْجَالُوتِ وَأُسْقُفَّ النَّصَارٰى، فَقَالَ : إِنِّي سَائِلُكُمْ عَنْ أَمْرٍ وَأَنَا أَعْلَمُ بِهٖ مِنْكُمَا فَلَا تَكْتُمَانِي، يَا رَأْسَ الْجَالُوتِ أَنْشَدْتُكَ اللّٰهَ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَاةَ عَلٰى مُوسٰى وَأَطْعَمَكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى وَضَرَبَ لَكُمْ فِي الْبَحْرِ طَرِيقًا، وَأَخْرَجَ لَكُمْ مِنَ الْحَجَرِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ عَيْنًا، لِكُلِّ سَبْطٍ مِّنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَيْنٌ إِلَّا مَا أَخْبَرْتَنِي عَلٰى كَمِ افْتَرَقَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ بَعْدَ مُوسٰى؟ فَقَالَ لَهٗ : وَلَا فِرْقَةً وَاحِدَةً، فَقَالَ لَهٗ عَلِيٌّ ثَلَاثَ مِرَارٍ : كَذَبْتَ وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَقَدِ افْتَرَقَتْ عَلٰى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا فِرْقَةً، ثُمَّ دَعَا الْأُسْقُفَّ فَقَالَ : أَنْشُدُكَ اللّٰهَ الَّذِي أَنْزَلَ الْإِنْجِيلَ عَلٰى عِيسٰى وَجَعَلَ عَلٰى رَحْلِهِ الْبَرَكَةَ وَأَرَاكُمُ الْعِبْرَةَ فَأَبْرَأَ الْأَكْمَهَ وَأَحْيَا الْمَوْتٰى، وَصَنَعَ لَكُمْ مِنَ الطِّينِ طُيُورًا وَأَنْبَأَكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ، فَقَالَ :

دُونَ هٰذَا أَصْدُقُكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، فَقَالَ : عَلٰى كَمِ افْتَرَقَتِ النَّصَارٰى بَعْدَ عِيسٰى مِنْ فِرْقَةٍ؟ فَقَالَ : لَا وَاللّٰهِ وَلَا فِرْقَةً، فَقَالَ ثَلَاثَ مِرَارٍ : كَذَبْتَ وَاللّٰهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ لَقَدِ افْتَرَقَتْ عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا فِرْقَةً،

فَأَمَّا أَنْتَ يَا يَهُودِيُّ فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ : ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوسٰى أُمَّةٌ يَّهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُونَ﴾(الأعراف : ١٥٩) فَهِيَ الَّتِي تَنْجُو وَأَمَّا أَنْتَ يَا نَصْرَانِيُّ فَإِنَّ اللّٰهَ يَقُولُ : ﴿مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُونَ﴾(المائدة : ٦٦) فَهِيَ الَّتِي تَنْجُو، وَأَمَّا نَحْنُ فَيَقُولُ : ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَّهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُونَ﴾ (الأعراف :١٨١) وَهِيَ الَّتِي تَنْجُو مِنْ هٰذِهِ الْأُمَّةِ .

”آپ رضی اللہ عنہ نے رأس الجالوت (یہودیوں کے سردار) اور عیسائیوں کے بشپ کو بلایا اور فرمایا: میں تم دونوں سے ایک بات پوچھنے والا ہوں اور میں تم دونوں سے اس بارے میں بہتر جانتا بھی ہوں، لہٰذا مجھ سے کوئی بات مت چھپانا۔ رأس الجالوت! میں تجھے اس اللہ تعالیٰ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی، تمہیں من وسلویٰ کھلایا، سمندر میں تمہارے لیے راستہ بنایا اور پتھر سے تمہارے لیے بارہ چشمے نکالے، یعنی بنی اسرائیل کے ہر قبیلے کے لیے ایک چشمہ۔ مجھے بتاؤ کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کتنے فرقوں میں تقسیم ہوئے؟ اس نے جواب دیا: ایک فرقہ بھی نہیں۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تین بار فرمایا: اللہ کی قسم! تم جھوٹ بول رہے ہو، اُس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں! بنی اسرائیل اکہتر (۷۱) فرقوں میں بٹ گئے، وہ سب جہنم میں جائیں گے، البتہ ایک فرقہ جنت میں جائے گا۔

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے عیسائی پادری کو بلایا اور فرمایا: میں تجھے اس اللہ تعالیٰ کا

واسطہ دے کر پوچھتا ہوں، جس نے عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل نازل فرمائی، ان کے کجاوے پر برکت رکھی، تمہیں عبرتیں دکھائیں، (سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں) مادرزاد اندھوں کو شفا دی، مردوں کو زندہ کیا، مٹی سے پرندے بنائے اور تمہیں وہ خبریں دیں، جو تم کھاتے اور گھروں میں ذخیرہ کرتے تھے۔ پادری نے کہا: امیرالمومنین! ٹھہریے، میں آپ سے سچی بات کہوں گا۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بتاؤ کہ عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نصاریٰ کتنے فرقوں میں منقسم ہوئے؟ اس نے کہا : اللہ کی قسم! ایک بھی فرقہ نہیں۔ تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے تین بار فرمایا: اللہ کی قسم! تم نے جھوٹ بولا، نصاریٰ بہتر (۷۲) فرقوں میں بٹ گئے، سب جہنم میں جائیں گے سوائے ایک فرقے کے۔

پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے یہودی! تم یہودیوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوسٰى أُمَّةٌ يَّهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُونَ﴾ (الأعراف : ١٥٩) ''موسیٰ کی قوم میں ایک گروہ ایسا بھی ہے، جو حق کے ساتھ راہنمائی کرتا ہے اور اسی کے مطابق عدل کرتا ہے۔'' نجات پانے والا گروہ یہی ہے۔ اور اے نصرانی! تم نصاریٰ کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے : ﴿مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُونَ﴾ (المائدة : ٦٦) ''ان میں ایک میانہ رو جماعت بھی ہے اور ان میں سے بہت سے لوگ برے عمل کرتے ہیں۔'' وہی جماعت نجات پانے والی ہے۔

ہم مسلمانوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَّهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُونَ﴾ (الأعراف : ١٨١) ''ہماری پیدا کی ہوئی

مخلوق میں سے ایک امت ایسی ہے، جو حق کے ساتھ راہنمائی کرتی ہے اور اسی کے مطابق عدل کرتی ہے۔'' یہی وہ گروہ ہے، جو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں نجات پائے گا۔''

(السّنّة للمروزي : 60، تفسير ابن أبي حاتم : 1587/5، وسندهٗ حسنٌ)

سوال: بعض کہتے ہیں کہ وحی الٰہی کو سمجھنے کے لیے عقل انتہائی اہم ہے، اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: وحی اللہ تعالیٰ کا علم ہے، اللہ تعالیٰ کا علم خطا اور غلطی سے پاک ہے، اس علم میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ اور ہر حکم مبنی بر حکمت ہے، کوئی حکم حکمت بالغہ سے خالی نہیں۔ اب یہ حکمت کبھی انسانوں کی عقل میں آتی ہے اور کبھی عقل کی رسائی اس حکمت تک نہیں ہو پاتی۔

اس لیے کتاب وسنت کی نصوص کو کما حقہ تسلیم کرنا ضروری ہے، البتہ عقل وفہم اور تدبر وتفکر سے ان نصوص کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے، لیکن ایسا نہیں کہ جب تک اس نص کی سمجھ ہماری عقل کے موافق نہیں ہو جاتی، تب تک ہم اسے تسلیم ہی نہ کریں، یہ فکر ملحدانہ ہے۔

ایمان والوں کا شیوہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہر وحی پر ایمان رکھتے ہیں، اس کی صدق اور پُر حکمت ہونے کی گواہی دیتے ہیں، نیز اس کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات میں تدبر کریں، سمجھ آ جائے، تو اللہ کا شکر ادا کریں، ورنہ اہل علم سے سیکھیں، اگر پھر سمجھ نہ آئے، تو اس پر ایمان رکھیں اور اس کا علم اسے جاننے والے کی طرف لوٹا دیں، اپنی عقل کی بنیاد پر اس وحی الٰہی کو ٹھکرانے کی کوشش نہ کریں، ورنہ ایمان سلب ہو جائے گا۔

❁ علامہ مرعی بن یوسف کرمی مقدسی حنبلی رحمہ اللہ (۱۰۳۳ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ أَصْحَابُنَا : أَسْلَمُ الطُّرُقِ التَّسْلِيمُ، فَمَا سَلِمَ دِينُ مَنْ لَمْ يُسَلِّمْ لِلّٰهِ وَرَسُولِهٖ، وَيَرُدَّ عِلْمَ مَا اشْتَبَهَ إِلٰى عَالِمِهٖ، وَمَنْ أَرَادَ عِلْمَ مَا يَمْتَنِعُ عِلْمُهٗ، وَلَمْ يَقْنَعْ بِالتَّسْلِيمِ، فَهْمُهٗ حَجَبَهٗ مَرَامُهٗ عَنْ خَالِصِ التَّوْحِيدِ، وَصَافِي الْمَعْرِفَةِ وَالْإِيمَانِ، وَالتَّعَمُّقُ فِي الْفِكْرِ ذَرِيعَةُ الْخِذْلَانِ، وَسُلَّمُ الْحِرْمَانِ، وَالْإِسْرَافُ فِي الْجِدَالِ يُوجِبُ عَدَاوَةَ الرِّجَالِ ...... وَأَهْلُ الْإِسْلَامِ قَدِ اتَّفَقُوا عَلٰى إِثْبَاتِ مَا أَثْبَتَهُ اللّٰهُ لِنَفسِهٖ مِنْ أَوْصَافِهِ الَّتِي نَطَقَ بِهَا الْقُرْآنُ مِنْ نَحْوِ سَمِيعٍ وَّبَصِيرٍ وَّعَلِيمٍ وَقَدِيرٍ وَنَافِي ذٰلِكَ كَافِرٌ لِأَنَّهٗ مُكَذِّبٌ لِصَرِيحِ الْقُرْآنِ .

”ہمارے اصحاب نے کہا: سب سے محفوظ راستہ تسلیم (سپردگی) ہے۔ چنانچہ اس کا دین سلامت نہیں، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لیے سپردگی اختیار نہ کرے اور جو مشتبہ امور کا علم اس کے جاننے والے (عالم) کی طرف نہ لوٹائے اور جو شخص ایسے امور کا علم چاہے، جن کا جاننا ممکن ہی نہیں اور تسلیم پر قناعت نہ کرے، تو اس کی عقل کو اس کی کوشش (مراد) خالص توحید، صاف معرفت اور کامل ایمان سے روک دیتی ہے۔ فکر میں حد سے زیادہ گہرائی اختیار کرنا خذلان (اللہ کی مدد سے محرومی) کا ذریعہ ہے اور محرومی کی سیڑھی ہے۔ جدال (بحث و مباحثہ) میں حد سے تجاوز کرنا لوگوں کی دشمنی کو واجب کر

دیتا ہے۔...... مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہر وہ وصف (خوبی) ثابت کرنا ضروری ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ثابت کیا ہے، یعنی جس کا اثبات قرآن میں موجود ہے، جیسے سمیع، بصیر، علیم، قدیر وغیرہ، اس کا انکار کرنے والا کافر ہے، کیونکہ وہ قرآن کی صریح نص کو جھٹلا رہا ہے۔''

(أقاويل الثّقات، ص 67)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی کریم ﷺ نے صحیح حدیث میں جو بھی خبر دی ہے، اس پر ایمان رکھنا ضروری ہے، اگر کوئی شخص ثابت شدہ نص کو عقل کی بنیاد پر انکار کر دے، تو وہ کافر ہے، کیونکہ اس نے نص شرعی یعنی وحی الٰہی کی تکذیب کی ہے۔

سوال: بعض لوگوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو رد کرنے کے کچھ اصول وضع کیے ہیں، ان کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: مؤمنوں کے محبوب، صحابی جلیل سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مفسر، محدث، فقیہ اور مفتی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ سید المحدثین ہیں، مدینہ کے مفتی تھے۔ آپ کے بے شمار تلامذہ ہیں، جن میں جلیل القدر صحابہ سیدنا عبد اللہ بن عباس، سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا جابر بن عبد اللہ، سیدنا انس بن مالک، سیدنا واثلہ بن اسقع اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم وغیرہم شامل ہیں۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے عقیدہ، عمل، عبادت، احکام و مسائل، فضائل و مناقب اور ترغیب و ترہیب سمیت دین کے ہر گوشہ میں روایات بیان کی ہیں۔

اس لیے دشمنان اسلام اور دشمنان سنت کو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ایک آنکھ نہیں بھاتے، جب وہ ان کی روایت کردہ احادیث کا جواب دینے سے قاصر ہوتے ہیں اور وہ احادیث ان کی باطل افکار پر کھلے عام رد کرتی ہیں، تو وہ اہل بدعت اور اہل ضلال سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

کے ہی دشمن بن جاتے ہیں اور ان پر طرح طرح کے اتہامات لگاتے ہیں، کبھی انہیں غیر فقیہ کہتے ہیں اور کبھی ان کی روایت پر عقل اعتراض اٹھاتے ہیں اور انہیں سوئے حفظ کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ ان کے حفظ کی گواہی خود رسول اللہ ﷺ اور دیگر صحابہ نے دی ہے، بلکہ ان کے قوی حافظہ ہونے پر اُمت متفق ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ طلب حدیث میں شدید حریص تھے، آپ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ لازم رہتے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دنیاوی آسائشوں کو قربان کر کے خود کو طلب علم اور نشر علم کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

اس لیے دین کے دشمنوں نے آپ رضی اللہ عنہ کی مخالفت بھی سب سے زیادہ کی۔

❁ امام ابوبکر ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۳۱۱ھ) فرماتے ہیں:

حِرْصُهُ عَلَى الْعِلْمِ يَبْعَثُهُ عَلٰى سَمَاعِ خَبَرٍ لَمْ يَسْمَعْهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْهُ، وَإِنَّمَا يَتَكَلَّمُ فِي أَبِي هُرَيْرَةَ لِدَفْعِ أَخْبَارِهِ مَنْ قَدْ أَعْمَى اللّٰهُ قُلُوبَهُمْ فَلَا يَفْهَمُونَ مَعَانِيَ الْأَخْبَارِ، إِمَّا مُعَطِّلٌ جَهْمِيٌّ يَسْمَعُ أَخْبَارَهُ الَّتِي يَرَوْنَهَا خِلَافَ مَذْهَبِهِمُ الَّذِي هُوَ كُفْرٌ، فَيَشْتُمونَ أَبَا هُرَيْرَةَ، وَيَرْمُونَهُ بِمَا اللّٰهُ تَعَالٰى قَدْ نَزَّهَهُ عَنْهُ تَمْوِيهًا عَلَى الرِّعَاءِ وَالسَّفِلِ، أَنَّ أَخْبَارَهُ لَا تَثْبُتُ بِهَا الْحُجَّةُ، وَإِمَّا خَارِجِيٌّ يَرَى السَّيْفَ عَلٰى أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا يَرٰى طَاعَةَ خَلِيفَةٍ، وَلَا إِمَامٍ إِذَا سَمِعَ أَخْبَارَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

خِلَافَ مَذْهَبِهِمُ الَّذِي هُوَ ضَلَالٌ، لَمْ يَجِدْ حِيلَةً فِي دَفْعِ أَخْبَارِهِ بِحُجَّةٍ وَبُرْهَانٍ كَانَ مَفْزَعُهُ الْوَقِيعَةَ فِي أَبِي هُرَيْرَةَ، أَوْ قَدَرِيٌّ اعْتَزَلَ الْإِسْلَامَ وَأَهْلَهُ وَكَفَّرَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الْأَقْدَارَ الْمَاضِيَةَ الَّتِي قَدَّرَهَا اللّٰهُ تَعَالٰى، وَقَضَاهَا قَبْلَ كَسْبِ الْعِبَادِ لَهَا إِذَا نَظَرَ إِلٰى أَخْبَارِ أَبِي هُرَيْرَةَ الَّتِي قَدْ رَوَاهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِثْبَاتِ الْقَدَرِ لَمْ يَجِدْ بِحُجَّةٍ يُرِيدُ صِحَّةَ مَقَالَتِهِ الَّتِي هِيَ كُفْرٌ وَشِرْكٌ، كَانَتْ حُجَّتُهُ عِنْدَ نَفْسِهِ أَنَّ أَخْبَارَ أَبِي هُرَيْرَةَ لَا يَجُوزُ الِاحْتِجَاجُ بِهَا، أَوْ جَاهِلٌ يَتَعَاطَى الْفِقْهَ وَيَطْلُبُهُ مِنْ غَيْرِ مَظَانِّهِ إِذَا سَمِعَ أَخْبَارَ أَبِي هُرَيْرَةَ فِيمَا يُخَالِفُ مَذْهَبَ مَنْ قَدِ اجْتَبٰى مَذْهَبَهُ، وَأَخْبَارَهُ تَقْلِيدًا بِلَا حُجَّةٍ وَلَا بُرْهَانٍ كَلَّمَ فِي أَبِي هُرَيْرَةَ، وَدَفَعَ أَخْبَارَهُ الَّتِي تُخَالِفُ مَذْهَبَهُ، وَيَحْتَجُّ بِأَخْبَارِهِ عَلٰى مُخَالَفَتِهِ إِذَا كَانَتْ أَخْبَارُهُ مُوَافِقَةً لِمَذْهَبِهِ، وَقَدْ أَنْكَرَ بَعْضُ هٰذِهِ الْفِرَقِ عَلٰى أَبِي هُرَيْرَةَ أَخْبَارًا لَمْ يَفْهَمُوا مَعْنَاهَا أَنَا ذَاكِرٌ بَعْضَهَا بِمَشِيئَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ.

”سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی علم پر حرص انہیں اس حدیث کے سماع پر اُبھارتی ہے،

جسے انہوں نے براہِ راست رسول اللہ ﷺ سے نہ سنا ہو۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایات کو جھٹلانے کے لیے ان پر ایسے لوگ جرح کرتے ہیں، جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے اندھا کر دیا ہے، وہ احادیث کے مفاہیم سمجھنے سے قاصر ہیں۔ معطل جہمی جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ احادیث سنتے ہیں، جو ان کے کفریہ مذہب کے خلاف جاتی ہیں، تو وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر سب وشتم کرنا شروع کر دیتے ہیں اور ان پر وہ وہ الزامات لگاتے ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے انہیں بری کر دیا ہے، یہ لوگ اپنی جہالت اور بیوقوفی کی وجہ سے یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل ثابت نہیں ہوتی۔ رہے خوارج کہ جو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے خلاف قتال کو جائز سمجھتے ہیں اور کسی خلیفہ یا امام کی اطاعت کو جائز نہیں سمجھتے، وہ جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ احادیث سنتے ہیں، جو ان کے گمراہ کن مذہب کے خلاف ہیں، تو ان روایات کا دلیل کے ساتھ کوئی جواب نہیں پاتے، اس وقت ان کے پاس واحد راستہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی شخصیت میں طعن ہوتا ہے۔ قدریہ، جو اسلام اور اہل اسلام سے جدا ہو گئے اور انہوں نے ان مسلمانوں کی تکفیر کی، جو ان اقدار کا اتباع کرتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے رونما ہونے سے پہلے ہی مقدر اور نصیب میں لکھ دیا۔ یہ لوگ جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اُن احادیث کو سنتے ہیں، جو تقدیر کے اثبات پر دلالت کرتی ہیں۔ تو انہیں ایسی کوئی دلیل نہیں ملتی، جو ان کے کفریہ اور شرکیہ نظریے کی تائید کرے، تب ان کی واحد دلیل یہ ہوتی ہے کہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث سے حجت پکڑنا جائز نہیں۔ جاہل انسان، جو فقہ میں

مستغرق ہو چکا ہے اور فقہ کو اس کے بنیادی اُصولوں سے حاصل نہیں کرتا۔ یہ جب سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی وہ احادیث سنتا ہے، جو اس کے پسندیدہ اور جس کی وہ بلا دلیل و برہان تقلید کرتا ہے، اس مذہب کے خلاف ہوتی ہیں، تو وہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتا ہے اور ان کی وہ احادیث رد کر دیتا ہے، جو اس کے مذہب کے خلاف ہوتی ہیں اور ان احادیث کو قبول کر لیتا ہے، جو اس کے مذہب کے موافق ہوں اور مخالف کے مذہب کے خلاف ہوں۔ ان لوگوں نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ پر بعض احادیث کا انکار کیا ہے، جن کو در حقیقت یہ لوگ سمجھ نہ پائے۔ اللہ کے حکم سے میں ان میں سے بعض احادیث ذکر کروں گا۔‘‘

(المستدرك للحاكم : 513/3، وسندهٗ صحيحٌ)

✿ امام حاکم رحمہ اللہ (۴۰۵ھ) فرماتے ہیں:

أَنَا ذَاكِرٌ بِمَشِيئَةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي هٰذَا رِوَايَةَ أَكَابِرِ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ فَقَدْ رَوٰى عَنْهُ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ، وَأَبُو أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيُّ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الزُّبَيْرِ، وَأُبَيُّ بْنُ كَعْبٍ، وَجَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، وَعَائِشَةُ، وَالْمِسْوَرُ بْنُ مَخْرَمَةَ، وَعُقْبَةُ بْنُ الْحَارِثِ، وَأَبُو مُوسَى الْأَشْعَرِيُّ، وَأَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، وَالسَّائِبُ بْنُ يَزِيدَ، وَأَبُو رَافِعٍ مَوْلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبُو أُمَامَةَ بْنُ سَهْلٍ، وَأَبُو الطُّفَيْلِ، وَأَبُو نَضْرَةَ

الْغِفَارِيُّ، وَأَبُو رُهْمٍ الْغِفَارِيُّ، وَشَدَّادُ بْنُ الْهَادِ، وَأَبُو حَدْرَدٍ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حَدْرَدٍ الْأَسْلَمِيُّ، وَأَبُو رَزِينٍ الْعُقَيْلِيُّ، وَوَاثِلَةُ بْنُ الْأَسْقَعِ، وَقَبِيصَةُ بْنُ ذُؤَيْبٍ، وَعَمْرُو بْنُ الْحَمِقِ، وَالْحَجَّاجُ الْأَسْلَمِيُّ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُكَيْمٍ، وَالْأَغَرُّ الْجُهَنِيُّ، وَالشَّرِيدُ بْنُ سُوَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ، فَقَدْ بَلَغَ عَدَدُ مَنْ رَوٰى عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ مِنَ الصَّحَابَةِ ثَمَانِيَةً وَعِشْرِينَ رَجُلًا، فَأَمَّا التَّابِعُونَ فَلَيْسَ فِيهِمْ أَجَلُّ وَلَا أَشْهُرُ وَأَشْرَفُ وَأَعْلَمُ مِنْ أَصْحَابِ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَذِكْرُهُمْ فِي هٰذَا الْمَوْضِعِ يَطُولُ لِكَثْرَتِهِمْ وَاللّٰهُ يَعْصِمُنَا مِنْ مُخَالَفَةِ رَسُولِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّحَابَةِ الْمُنْتَخَبِينَ وَأَئِمَّةِ الدِّينِ مِنَ التَّابِعِينَ وَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ فِي أَمْرِ الْحَافِظِ عَلَيْنَا شَرَائِعَ الدِّينِ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

”میں ان شاء اللہ یہاں ان اکابر صحابہ کی روایت کا ذکر کروں گا، جو سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں؛ جن میں سیدنا زید بن ثابت، سیدنا ابوایوب انصاری، سیدنا عبداللہ بن عباس، سیدنا عبداللہ بن عمر، سیدنا عبداللہ بن زبیر، سیدنا ابی بن کعب، سیدنا جابر بن عبداللہ، سیدہ عائشہ، سیدنا مسور بن مخرمہ، سیدنا عقبہ بن حارث، سیدنا ابوموسیٰ اشعری، سیدنا انس بن مالک، سیدنا سائب بن یزید، سیدنا ابورافع (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام)، سیدنا ابو

امامہ بن سہل، سیدنا ابو طفیل عامر بن واثلہ، سیدنا ابونضرہ غفاری، سیدنا ابورُہم غفاری، سیدنا شداد بن ہاد، سیدنا ابوحدرد، سیدنا ابورزین عقیلی، سیدنا واثلہ بن اسقع، سیدنا قبیصہ بن ذؤیب، سیدنا عمرو بن حمق، سیدنا حجاج اسلمی، سیدنا عبداللہ بن عکیم، سیدنا اغر جہنی اور سیدنا شرید بن سوید وغیرہم رضی اللہ عنہم۔

چنانچہ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرنے والے صحابہ کی تعداد ۲۸ ہے۔

رہے تابعین کرام، تو ان میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے زیادہ جلیل القدر، مشہور، شرف والے اور علم والے کوئی نہ تھے۔ ان کا ذکر یہاں تفصیل طلب ہے کیونکہ وہ بہت زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم، چنیدہ صحابہ، تابعین اور ان کے بعد آنے والے مسلمانوں کے ائمہ کرام رحمہم اللہ کی مخالفت سے محفوظ رکھے، بالخصوص سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مخالفت سے کہ جنہوں نے ہمارے لیے اُمور دین کی حفاظت کی ہے۔‘‘

(المُستدرك للحاكم، تحت الرقم: 6176)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

مَنْ زَعَمَ أَنَّ اللّٰهَ يُرٰى جَهْرَةً فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ زَعَمَ أَنَّ مُوسٰى سَأَلَ رَبَّهٗ أَنْ يَرَاهُ جَهْرَةً فَقَدْ أَشْرَكَ .

’’جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کو سرعام دیکھا جا سکتا ہے، تو اس نے شرک کیا اور جس نے یہ دعویٰ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے التجا کی تھی کہ وہ اسے سرعام چاہتے ہیں، تو اس نے بھی شرک کیا۔‘‘

(التّوحيد لابن خزيمة : 581/2)

جواب: جھوٹی روایت ہے۔

① امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے یہ روایت کسی جہمیہ کی کتاب سے نقل کی ہے، جو کہ مجہول و نامعلوم ہے۔

② اس کی مکمل سند مذکور نہیں۔

③ محمد بن جابر بن سیار یمامی ضعیف و متروک ہے۔

❀ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

مَا هُوَ بِحُجَّةٍ، وَلَهٗ مَنَاكِيْرُ عِدَّةٌ.

''محمد بن جابر قابل اعتماد نہیں ہے، اس کی کئی منکر روایات ہیں۔''

(سِيَر أعلام النُّبلاء : 238/8)

④ ابو اسحاق سبیعی کا عنعنہ ہے۔

❀ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْخَبَرُ كِذْبٌ مَوْضُوعٌ، بَاطِلٌ وَضَعَهٗ بَعْضُ الْجَهْمِيَّةِ، وَعِنْدَنَا بِحَمْدِ اللّٰهِ وَنِعْمَتِهٖ خَبَرَانِ بِإِسْنَادَيْنِ مُتَّصِلَيْنِ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، خِلَافَ هٰذَا الْخَبَرِ الْمَوْضُوعِ.

''یہ روایت جھوٹی، من گھڑت اور باطل ہے، اسے کسی جہمی نے گھڑا ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ ہمارے پاس سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی متصل سندوں سے مروی دو روایات ہیں، جس کا مضمون اس من گھڑت روایت کے خلاف ہے۔''

(كتاب التّوحيد : 581/2)

❁ **نیز فرماتے ہیں:**

هٰذَا الْخَبَرُ، وَخَبَرُ مَسْرُوقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، يُصَرِّحَانِ أَنَّ ابْنَ مَسْعُودٍ، كَانَ يُقِرُّ أَنَّ الْمُسْلِمِينَ، يَرَوْنَ خَالِقَهُمْ عَزَّ وَجَلَّ، يَوْمَ الْقِيَامَةِ، إِذَا كَشَفَ عَنْ سَاقٍ، وَأَنَّ الْمُؤْمِنِينَ يَخِرُّونَ لِلّٰهِ سُجَّدًا، إِذَا رَأَوْهُ فِي ذٰلِكَ الْوَقْتِ، فَكَيْفَ يَكْفُرُ مَنْ يَقُولُ بِمَا هُوَ عِنْدَهُ حَقٌّ وَصِدْقٌ وَعَدْلٌ وَلَوْ ثَبَتَ هٰذَا الْخَبَرُ عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ لَكَانَ لِلْخَبَرِ عِنْدَنَا مَعْنًى صَحِيحًا لَا كَمَا تَوَهَّمَهُ الْجَهْمِيُّ، عَلَيْهِ لَعَائِنُ اللّٰهِ، وَنَحْنُ نَقُولُ: إِنَّ مَنْ زَعَمَ أَنَّ اللّٰهَ يُرٰى جَهْرَةً فِي الدُّنْيَا، فَقَدْ كَذَبَ، وَافْتَرٰى؛ لِأَنَّ مَا يُرٰى جَهْرَةً يَرَاهُ كُلُّ بَصِيرٍ، لَا حِجَابَ بَيْنَهُ وَبَيْنَهُ وَإِنَّمَا سَأَلَ قَوْمُ مُوسٰى مُوسٰى، أَنْ يُرِيَهُمُ اللّٰهَ جَهْرَةً، فَأَمَّا مُوسٰى فَإِنَّمَا سَأَلَ عَلٰى لَفْظِ الْكِتَابِ: ﴿قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ، قَالَ لَنْ تَرَانِي﴾ (الأعراف: ١٤٣) وَلَمْ يَقُلْ: أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ جَهْرَةً؛ لِأَنَّ الرُّؤْيَةَ جَهْرَةً هِيَ الرُّؤْيَةُ الَّتِي يَرَاهُ كُلُّ مَنْ كَانَ بَصَرُهُ مِثْلَ بَصَرِ النَّاظِرِ إِلَى الشَّيْءِ، وَاللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ يَحْتَجِبُ عَنْ أَبْصَارِ أَهْلِ الدُّنْيَا، فِي الدُّنْيَا، لَا يَرٰى أَحَدٌ رَبَّهُ فِي الدُّنْيَا جَهْرَةً ...... وَقَدْ أَعْلَمْتُ قَبْلُ أَنَّ الْعُلَمَاءَ لَمْ يَخْتَلِفُوا أَنَّ جَمِيعَ الْمُؤْمِنِينَ

يَرَوْنَ خَالِقَهُمْ فِي الْآخِرَةِ لَا فِي الدُّنْيَا، وَمَنْ أَنْكَرَ رُؤْيَةَ الْمُؤْمِنِينَ خَالِقَهُمْ يَوْمَ الْمَعَادِ، فَلَيْسُوا بِمُؤْمِنِينَ، عِنْدَ الْمُؤْمِنِينَ، بَلْ هُمْ أَسْوَأُ حَالًا فِي الدُّنْيَا عِنْدَ الْعُلَمَاءِ مِنَ الْيَهُودِ، وَالنَّصَارٰى، وَالْمَجُوسِ .

''یہ اور مسروق کی سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے منقول دونوں روایات اس بات کی صراحت کرتی ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس بات کا اقرار کرتے تھے کہ مسلمان قیامت کے دن اپنے خالق عزوجل کا دیدار کریں گے، جب اللہ تعالیٰ اپنی پنڈلی کھولے گا اور مؤمن اللہ کے سامنے سجدے میں گر پڑیں گے، جب وہ اسے اس وقت دیکھیں گے۔

تو کوئی شخص اس بات کا قائل ہونے سے کیسے کافر ہوسکتا ہے، جسے سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حق، سچائی اور عدل سمجھتے ہیں؟ اور اگر یہ (مذکورہ) روایت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ثابت بھی ہو جائے، تب بھی ہمارے نزدیک اس روایت کا معنی بالکل درست ہوگا، نہ کہ وہ جو جہمیہ (اللہ کے صفات کے منکر) نے وہم کرلیا ہے، اس پر اللہ کی لعنتیں ہوں۔

لہٰذا ہم (اس روایت کا معنی کرتے ہوئے) کہتے ہیں: ''جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ دنیا میں سرِ عام دیکھا جا سکتا ہے، تو وہ جھوٹ بولتا ہے اور افترا باندھتا ہے۔'' کیونکہ جو چیز سرِ عام دیکھی جاتی ہے، وہ ہر دیکھنے والے شخص کو نظر آتی ہے، اس کے اور دیکھنے والے کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ سرِ عام دکھائیں، لیکن خود

موسیٰ علیہ السلام نے تو قرآن کریم کے الفاظ کے مطابق صرف یہ عرض کی تھی: ﴿قَالَ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ، قَالَ لَنْ تَرَانِي﴾(الأعراف : ١٤٣) ''میرے رب! مجھے دکھا دے کہ میں تجھے دیکھ سکوں۔تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا۔'' موسیٰ علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ مجھے سرِ عام دیکھنے کی اجازت دے، کیونکہ سرِ عام دیکھنا وہ ہوتا ہے، جسے ہر دیکھنے والا دیکھ سکتا ہو، جبکہ اللہ عزوجل دنیا والوں کی نگاہوں سے پردے میں ہے، دنیا میں کوئی بھی اللہ تعالیٰ کو سرِ عام نہیں دیکھ سکتا۔...... میں پہلے ہی یہ واضح کر چکا ہوں کہ اہل علم کا اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں کہ تمام مؤمنین آخرت میں اپنے خالق کو دیکھیں گے، نہ کہ دنیا میں۔ جو شخص مؤمنوں کے آخرت میں اپنے خالق کو دیکھنے کا انکار کرتا ہے، وہ اہل ایمان کے نزدیک مؤمن نہیں، بلکہ اہل علم کے نزدیک دنیا میں اس کی حالت یہود، نصاریٰ اور مجوس سے بھی بدتر ہے۔''

(کتاب التّوحید : 585/2)

رؤیت باری تعالیٰ پر قرآن وسنت میں متواتر دلائل ہیں، جن کا انکار کرنا جائز نہیں۔ جہمیہ کو رؤیت باری تعالیٰ کے انکار کی وجہ سے کافر قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس سے قرآن وسنت کی بے شمار نصوص کی تکذیب لازم آتی ہے۔

اوپر ذکر کردہ روایت جہمیوں کی گھڑنتل ہے، جس کی اسلام میں کوئی حیثیت نہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور ائمہ دین میں سے کسی سے بھی مطلقاً رؤیت باری تعالیٰ کی نفی ثابت نہیں۔ جو لوگ آخرت میں دیدار الٰہی کا انکار کرتے ہیں، وہ ان شاء اللہ دیدار سے محروم ہی رہیں گے، کیونکہ یہ دیدار اہل ایمان کے لیے ہے۔

فتاویٰ امن پوری (قسط ۲۹۸)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: کیا قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام ہے، جسے اس نے صوت وحروف کے ساتھ کلام کیا ہے۔ یہ کلام اللہ تعالیٰ سے جبریل علیہ السلام نے سنا، جبریل علیہ السلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا۔ قرآن کریم کو مخلوق کہنا کفر ہے، اس کا ارتکاب جہمیہ نے کیا ہے، نیز قرآن کو کلام نفسی کہنا شدید درجہ کی گمراہی ہے، جس کے تصور سے اہل سنت پناہ مانگتے ہیں۔

✿ امام ابوبکر محمد بن حسین آجری رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

اِعْلَمُوا رَحِمَنَا اللّٰهُ وَإِيَّاكُمْ أَنَّ قَوْلَ الْمُسْلِمِينَ الَّذِينَ لَمْ يُزِغْ قُلُوبَهُمْ عَنِ الْحَقِّ، وُوُفِّقُوا لِلرَّشَادِ قَدِيمًا وَحَدِيثًا أَنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى لَيْسَ بِمَخْلُوقٍ؛ لِأَنَّ الْقُرْآنَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ، وَعِلْمُ اللّٰهِ لَا يَكُونُ مَخْلُوقًا، تَعَالَى اللّٰهُ عَنْ ذٰلِكَ دَلَّ عَلٰى ذٰلِكَ الْقُرْآنُ وَالسُّنَّةُ، وَقَوْلُ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَقَوْلُ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ لَا يُنْكِرُ هٰذَا إِلَّا جَهْمِيٌّ خَبِيثٌ، وَالْجَهْمِيُّ فَعِنْدَ الْعُلَمَاءِ كَافِرٌ.

’’خوب جان لیں، اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے۔ مسلمانوں کا وہ قول، جن کے دل حق سے نہیں پھرے اور جنہیں قدیم وجدید زمانے میں رشد وہدایت کی توفیق ملی، وہ یہ ہے کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے، کیونکہ قرآن کریم اللہ کے علم میں سے ہے اور اللہ کا علم مخلوق نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ اس سے بلند وبرتر ہے کہ اس کے کلام کو مخلوق کہا جائے۔ قرآن کریم، سنت نبویہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال اور ائمہ مسلمین کے اقوال سب اسی پر دلالت کناں ہیں۔ اس حقیقت کا انکار صرف خبیث جہمی ہی کرتا ہے اور اہل علم کے ہاں جہمی کافر ہوتا ہے۔‘‘

(الشّریعة :489/1)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

كَذٰلِكَ مَسْأَلَةُ اللَّفْظِ، فَإِنَّهٗ لَمَّا كَانَ السَّلَفُ وَالْأَئِمَّةُ مُتَّفِقِينَ عَلٰى أَنَّ الْقُرْآنَ كَلَامُ اللّٰهِ غَيْرُ مَخْلُوقٍ، وَقَدْ عَلِمَ الْمُسْلِمُونَ أَنَّ الْقُرْآنَ بَلَّغَهٗ جِبْرِيلُ عَنِ اللّٰهِ إِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبَلَّغَهٗ مُحَمَّدٌ إِلَى الْخَلْقِ، وَأَنَّ الْكَلَامَ إِذَا بَلَّغَهُ الْمُبَلِّغُ عَنْ قَائِلِهٖ لَمْ يَخْرُجْ عَنْ كَوْنِهٖ كَلَامَ الْمُبَلِّغِ عَنْهُ، بَلْ هُوَ كَلَامٌ لِّمَنْ قَالَهٗ مُبْتَدِئًا، لَا كَلَامُ مَنْ بَلَّغَهٗ عَنْهُ مُؤَدِّيًا، فَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ : إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰى وَبَلَّغَ هٰذَا الْحَدِيثَ عَنْهُ وَاحِدٌ بَعْدَ وَاحِدٍ حَتّٰى

وَصَلَ إِلَيْنَا.

كَانَ مِنَ الْمَعْلُومِ أَنَّا إِذَا سَمِعْنَاهُ مِنَ الْمُحَدِّثِ بِهِۦ، إِنَّمَا سَمِعْنَا كَلَامَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الَّذِي تَكَلَّمَ بِهِۦ بِلَفْظِهِۦ وَمَعْنَاهُ، وَإِنَّمَا سَمِعْنَاهُ مِنَ الْمُبَلِّغِ عَنْهُ بِفِعْلِهِۦ وَصَوْتِهِۦ، وَنَفْسُ الصَّوْتِ الَّذِي تَكَلَّمَ بِهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ نَسْمَعْهُ، وَإِنَّمَا سَمِعْنَا صَوْتَ الْمُحَدِّثِ عَنْهُ، وَالْكَلَامُ كَلَامُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا كَلَامُ الْمُحَدِّثِ، فَمَنْ قَالَ: إِنَّ هٰذَا الْكَلَامَ لَيْسَ كَلَامَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ مُفْتَرِيًا، وَكَذٰلِكَ مَنْ قَالَ: إِنَّ هٰذَا لَمْ يَتَكَلَّمْ بِهِۦ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّمَا أَحْدَثَهُۥ فِي غَيْرِهِۦ، أَوْ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَتَكَلَّمْ بِلَفْظِهِۦ وَحُرُوفِهِۦ، بَلْ كَانَ سَاكِتًا أَوْ عَاجِزًا عَنِ التَّكَلُّمِ بِذٰلِكَ، فَعَلِمَ غَيْرُهُۥ مَا فِي نَفْسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَظَمَ هٰذِهِ الْأَلْفَاظَ لِيُعَبِّرَ بِهَا عَمَّا فِي نَفْسِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ نَحْوَ هٰذَا الْكَلَامِ، فَمَنْ قَالَ هٰذَا كَانَ مُفْتَرِيًا، وَمَنْ قَالَ: إِنَّ هٰذَا الصَّوْتَ الْمَسْمُوعَ صَوْتُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ مُفْتَرِيًا، فَإِذَا كَانَ هٰذَا مَعْقُولًا فِي كَلَامِ الْمَخْلُوقِ، فَكَلَامُ

الْخَالِقِ أَوْلٰى بِإِثْبَاتِ مَا يَسْتَحِقُّهُ مِنْ صِفَاتِ الْكَمَالِ، وَتَنْزِيهِ اللّٰهِ أَنْ تَكُونَ صِفَاتُهُ وَأَفْعَالُهُ هِيَ صِفَاتِ الْعِبَادِ وَأَفْعَالَهُمْ، أَوْ مِثْلَ صِفَاتِ الْعِبَادِ وَأَفْعَالِهِمْ.

فَالسَّلَفُ وَالْأَئِمَّةُ كَانُوا يَعْلَمُونَ أَنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ الْمُنَزَّلَ الْمَسْمُوعَ مِنَ الْقَارِئِينَ كَلَامُ اللّٰهِ، كَمَا قَالَ تَعَالٰى: ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ﴾ (التّوبة: ٦)، لَيْسَ هُوَ كَلَامًا لِغَيْرِهِ، لَا لَفْظَهُ وَلَا مَعْنَاهُ، وَلَكِنْ بَلَّغَهُ عَنِ اللّٰهِ جِبْرِيلُ، وَبَلَّغَهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ عَنْ جِبْرِيلَ، وَلِهٰذَا أَضَافَهُ اللّٰهُ إِلٰى كُلٍّ مِنَ الرَّسُولَيْنِ، لِأَنَّهُ بَلَّغَهُ وَأَدَّاهُ، لَا لِأَنَّهُ أَحْدَثَ لَا لَفْظَهُ وَلَا مَعْنَاهُ، إِذْ لَوْ كَانَ أَحَدُهُمَا هُوَ الَّذِي أَحْدَثَ ذٰلِكَ، لَمْ يَصِحَّ إِضَافَةُ الْإِحْدَاثِ إِلَى الْآخَرِ، فَقَالَ تَعَالٰى: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۞ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۞ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۞ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾ (الحاقة: ٤٠ـ٤٣) فَهٰذَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

وَقَالَ تَعَالٰى: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۞ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۞ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ﴾ (المُطَفّفين: ١٩ـ٢١) فَهٰذَا جِبْرِيلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

وَقَدْ تُوُعِّدَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ قَالَ : ﴿إِنْ هٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ (المُدَثّر : ٢٥)، فَمَنْ قَالَ : إِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ قَوْلُ الْبَشَرِ فَقَدْ كَفَرَ .

''اسی طرح (قرآن کریم کے) لفظ کا مسئلہ ہے۔ جب سلف (یعنی صحابہ وتابعین) اور ائمہ اس بات پر متفق تھے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، مخلوق نہیں ہے اور مسلمانوں کو یہ بات معلوم ہے کہ قرآن کریم کو اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے مخلوق تک (لوگوں تک) پہنچایا؛ نیز یہ بھی معلوم ہے کہ اگر کوئی پیغام پہنچانے والا کسی بات کو اصل کہنے والے سے نقل کرتا ہے، تو وہ بات اس کے کہنے سے نکل کر کسی اور کی بات نہیں بن جاتی، بلکہ وہ اصل اسی کی بات رہتی ہے، جس نے اسے سب سے پہلے کہا تھا، نہ کہ اس کی جس نے اسے دوسروں تک پہنچایا۔ تو اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو وہی ملے گا جو اُس نے نیت کی۔'' اور پھر یہ حدیث ایک کے بعد ایک راوی سے ہوتے ہوئے ہم تک پہنچی، تو یہ واضح بات ہے کہ جب ہم یہ حدیث کسی محدث سے سنتے ہیں، تو دراصل ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کلام سنتے ہیں، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے الفاظ اور اپنے معنی کے ساتھ کلام کیا، اگرچہ وہ آواز جو ہم سن رہے ہیں، وہ راوی کی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل آواز نہیں ہے۔ مگر کلام بہر حال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے، نہ کہ راوی کا۔ چنانچہ اگر کوئی یہ کہے کہ یہ کلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہیں ہے، تو وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اسی طرح اگر کوئی یہ کہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام نہیں فرمایا، بلکہ کسی اور نے یہ الفاظ خود سے گھڑ لیے، یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ

الفاظ وحروف نہیں کہے، بلکہ وہ خاموش تھے یا ان الفاظ کے ادا کرنے سے عاجز تھے،تو کسی اور نے ان کے دل کی بات کو جان کر ایسے الفاظ میں اسے ڈھالا یا اس قسم کی کوئی اور بات کہے،تو وہ شخص جھوٹا ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ جو آواز ہم سن رہے ہیں، وہ نبی ﷺ کی آواز ہے (حالانکہ وہ دراصل راوی کی آواز ہے)،تو وہ بھی جھوٹ بول رہا ہے۔

جب مخلوق کے کلام کے بارے میں یہ بات عقل میں آتی ہے (کہ اصل کلام اسی کا ہوتا ہے،جس نے کہا،اگرچہ ہم کسی اور کی آواز سے سنیں)،تو خالق کے کلام کے بارے میں تو بدرجہ اولیٰ یہ ماننا لازم ہے، کیونکہ اس کی صفات کامل ہیں اوراس لیے بھی کہ اللہ تعالیٰ کی صفات اور افعال مخلوق کی صفات وافعال نہیں ہوسکتے اور نہ ان کی مثل ہوسکتے ہیں۔

سلف وائمہ یہ جانتے تھے کہ یہ قرآن جو نازل ہوا ہے اور قاری جسے پڑھتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے،جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلَامَ اللَّهِ﴾(التّوبة : ٦) ’’اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ مانگے،تو اُسے پناہ دے دو، یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کا کلام سن لے۔‘‘ پس یہ قرآن کریم کسی اور کا کلام نہیں، نہ اس کے الفاظ اور نہ ہی اس کے معانی کسی اور کے ہیں، بلکہ جبریل علیہ السلام نے اسے اللہ سے لیا اور محمد ﷺ نے جبریل علیہ السلام سے لے کر لوگوں تک پہنچایا۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کلام کو دونوں رسولوں جبریل علیہ السلام اور محمد ﷺ کی طرف منسوب کیا، کیونکہ دونوں نے اسے پہنچایا، نہ کہ اس لیے کہ انہوں نے

اس کے الفاظ یا معنی گھڑے یا پیدا کیے، کیونکہ اگر ان دونوں میں سے کسی نے بھی خود سے الفاظ یا معنی بنائے ہوتے، تو دوسرے کی طرف اس کلام کی نسبت صحیح نہ ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۞ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا تُؤْمِنُونَ ۞ وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيلًا مَا تَذَكَّرُونَ ۞ تَنْزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾(الحاقّة: ٤٠۔٤٣) ''**بیشک** یہ ایک معزز رسول کا قول ہے اور یہ کسی شاعر کا قول نہیں۔ تم بہت کم ایمان رکھتے ہو اور نہ ہی کسی کاہن کا قول ہے، تم بہت کم نصیحت لیتے ہو، یہ رب العالمین کی طرف سے نازل کردہ ہے۔'' یہاں مراد محمد کریم ﷺ ہیں۔ نیز فرمان الٰہی ہے: ﴿إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۞ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ ۞ مُطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ﴾(المُطفّفين: ١٩۔٢١) ''**بیشک** یہ ایک معزز رسول کا قول ہے، جو بڑی قوت والا ہے، عرش والے کے ہاں بلند مرتبہ ہے، وہاں مطاع ہے اور امانت دار ہے۔'' یہاں مراد جبریل علیہ السلام ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو وعید سنائی جنھوں نے کہا: ﴿إِنْ هٰذَا إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ﴾ (المُدَثّر: ٢٥) ''یہ تو محض انسان کا کلام ہے۔'' پس جس نے کہا کہ یہ قرآن انسان کا کلام ہے، تو وہ کافر ہے۔

(دَرء تعارُض العَقل والنَّقل: 1/256-258)

سوال: جہاد کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: جہاد اسلام کی بلند ترین چوٹی ہے، یہ مہتم بالشان عبادت ہے۔ جہاد میں

اسلام کی بقا ہے، نبی کریم ﷺ کی قولی، فعلی اور تقریری سنت ہے۔ کتاب وسنت میں جہاد اور مجاہدین کے فضائل ذکر ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کے دلوں میں جذبہ جہاد اور تمنائے شہادت موجزن رہتی ہے۔

جہاں جہاد اور مجاہد کے اس قدر فضائل ہیں، وہیں جہاد کے احکام ومسائل بھی ہیں، جہاد کب کیا جائے، کہاں کیا جائے اور کون کرے؟ یہ تمام ابحاث کتب عقیدہ اور فقہ میں مندرج ہیں۔

ہمارا نکتہ نظر یہ ہے کہ جہاد کی کئی اقسام ہے۔ سب سے اہم اور ضروری جہاد یہ ہے کہ انسان اپنے نفس کو کفر وشرک، بدعات وخرافات اور محرمات سے پاک کرے۔ اس کے لیے حتی الوسع کوشش کرے۔ جب تک انسان کا ظاہر وباطن کتاب وسنت کی تعلیمات سے لیس نہیں ہو جاتا، اس کے عقیدہ کی اصلاح نہیں ہو جاتی اور وہ سنت پر قائم نہیں ہو جاتا، تب تک اسے جہاد بالسیف کا کوئی حق نہیں، نہ اس سے مطلوب ہے۔ کیونکہ جہاد بالسیف کا مقصد اللہ تعالیٰ کی دین (عقیدہ وعمل) کا غلبہ ہے۔ جب وہ خود دین سے بے بہرہ ہے یا اس کے عقیدہ میں کفر وشرک اور بدعات وخرافات پائی جاتی ہیں، تو وہ اسلام کا کیا غلبہ کرے گا؟ جب وہ خود پر اسلام غالب نہ کر سکا، تو اسے جہاد بالسیف کا اختیار نہیں، نہ حقیقت میں وہ جہاد بالسیف اپنی حقیقی تعبیر کے ساتھ کر سکتا ہے، کیونکہ شرک وکفر جیسا دشمن اس کے اپنے اندر موجود ہے، اس دشمن کے ہوتے ہوئے وہ باہر کے اسلام دشمن سے نہیں لڑ سکتا، اگر لڑے بھی تو اسلام طرز سے ہٹ جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مکہ میں کفار اور اسی طرح منافقین سے جہاد کا حکم دیا ہے۔ یہ جہاد تبلیغ دعوت، ان کی شبہات کی تردید، ان پر حجت قائم کرنے کی قبیل سے ہے۔

یہ بھی جہاد ہے اور یہ سب سے اہم جہاد ہے کہ اس کے لیے اہم ترین لوگوں کا انتخاب ہوتا ہے، جنہیں علما وفضلا کہتے ہیں۔

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

لَمَّا كَانَ الْجِهَادُ ذِرْوَةَ سَنَامِ الْإِسْلَامِ وَقُبَّتَهٗ، وَمَنَازِلُ أَهْلِهٖ أَعْلَى الْمَنَازِلِ فِي الْجَنَّةِ، كَمَا لَهُمُ الرِّفْعَةُ فِي الدُّنْيَا، فَهُمُ الْأَعْلَوْنَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الذِّرْوَةِ الْعُلْيَا مِنْهُ، وَاسْتَوْلٰى عَلٰى أَنْوَاعِهٖ كُلِّهَا فَجَاهَدَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ بِالْقَلْبِ وَالْجِنَانِ وَالدَّعْوَةِ وَالْبَيَانِ وَالسَّيْفِ وَالسِّنَانِ، وَكَانَتْ سَاعَاتُهٗ مَوْقُوفَةً عَلَى الْجِهَادِ بِقَلْبِهٖ وَلِسَانِهٖ وَيَدِهٖ، وَلِهٰذَا كَانَ أَرْفَعَ الْعَالَمِينَ ذِكْرًا، وَأَعْظَمَهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ قَدْرًا، وَأَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِالْجِهَادِ مِنْ حِينِ بَعْثِهٖ، وَقَالَ: ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا﴾ (الفرقان: ۵۱۔۵۲)

فَهٰذِهٖ سُورَةٌ مَكِّيَّةٌ أَمَرَ فِيهَا بِجِهَادِ الْكُفَّارِ بِالْحُجَّةِ وَالْبَيَانِ وَتَبْلِيغِ الْقُرْآنِ، وَكَذٰلِكَ جِهَادُ الْمُنَافِقِينَ إِنَّمَا هُوَ بِتَبْلِيغِ الْحُجَّةِ، وَإِلَّا فَهُمْ تَحْتَ قَهْرِ أَهْلِ الْإِسْلَامِ، قَالَ تَعَالٰى: ﴿يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ

جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾(التوبة : ٧٣)

فَجِهَادُ الْمُنَافِقِينَ أَصْعَبُ مِنْ جِهَادِ الْكُفَّارِ، وَهُوَ جِهَادُ خَوَاصِّ الْأُمَّةِ وَوَرَثَةِ الرُّسُلِ، وَالْقَائِمُونَ بِهِ أَفْرَادٌ فِي الْعَالَمِ، وَالْمُشَارِكُونَ فِيهِ وَالْمُعَاوِنُونَ عَلَيْهِ وَإِنْ كَانُوا هُمُ الْأَقَلِّينَ عَدَدًا فَهُمُ الْأَعْظَمُونَ عِنْدَ اللّٰهِ قَدْرًا، وَلَمَّا كَانَ مِنْ أَفْضَلِ الْجِهَادِ قَوْلُ الْحَقِّ مَعَ شِدَّةِ الْمُعَارِضِ، مِثْلَ أَنْ تَتَكَلَّمَ بِهِ عِنْدَ مَنْ تَخَافُ سَطْوَتَهُ وَأَذَاهُ، كَانَ لِلرُّسُلِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ وَسَلَامُهُ- مِنْ ذٰلِكَ الْحَظُّ الْأَوْفَرُ، وَكَانَ لِنَبِيِّنَا صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهُ عَلَيْهِ مِنْ ذٰلِكَ أَكْمَلُ الْجِهَادِ وَأَتَمُّهُ، وَلَمَّا كَانَ جِهَادُ أَعْدَاءِ اللّٰهِ فِي الْخَارِجِ فَرْعًا عَلٰى جِهَادِ الْعَبْدِ نَفْسَهُ فِي ذَاتِ اللّٰهِ، كَمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «الْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللّٰهِ، وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ» كَانَ جِهَادُ النَّفْسِ مُقَدَّمًا عَلٰى جِهَادِ الْعَدُوِّ فِي الْخَارِجِ، وَأَصْلًا لَهُ، فَإِنَّهُ مَا لَمْ يُجَاهِدْ نَفْسَهُ أَوَّلًا لِتَفْعَلَ مَا أُمِرَتْ بِهِ وَتَتْرُكَ مَا نُهِيَتْ عَنْهُ وَيُحَارِبُهَا فِي اللّٰهِ لَمْ يُمْكِنْهُ جِهَادُ عَدُوِّهِ فِي الْخَارِجِ، فَكَيْفَ يُمْكِنُهُ جِهَادُ عَدُوِّهِ وَالْاِنْتِصَافُ مِنْهُ وَعَدُوُّهُ الَّذِي بَيْنَ جَنْبَيْهِ قَاهِرٌ لَهُ مُتَسَلِّطٌ

عَلَيْهِ لَمْ يُجَاهِدْهُ وَلَمْ يُحَارِبْهُ فِي اللّٰهِ، بَلْ لَا يُمْكِنُهُ الْخُرُوجُ إِلٰى عَدُوِّهٖ حَتّٰى يُجَاهِدَ نَفْسَهٗ عَلَى الْخُرُوجِ .

فَهٰذَانِ عَدُوَّانِ قَدِ امْتُحِنَ الْعَبْدُ بِجِهَادِهِمَا، وَبَيْنَهُمَا عَدُوٌّ ثَالِثٌ لَا يُمْكِنُهٗ جِهَادُهُمَا إِلَّا بِجِهَادِهٖ، وَهُوَ وَاقِفٌ بَيْنَهُمَا يُثَبِّطُ الْعَبْدَ عَنْ جِهَادِهِمَا، وَيُخَذِّلُهٗ وَيُرْجِفُ بِهٖ، وَلَا يَزَالُ يُخَيِّلُ لَهٗ مَا فِي جِهَادِهِمَا مِنَ الْمَشَاقِّ وَتَرْكِ الْحُظُوظِ وَفَوْتِ اللَّذَّاتِ وَالْمُشْتَهَيَاتِ، وَلَا يُمْكِنُهٗ أَنْ يُّجَاهِدَ ذَيْنِكَ الْعَدُوَّيْنِ إِلَّا بِجِهَادِهٖ، فَكَانَ جِهَادُهٗ هُوَ الْأَصْلَ لِجِهَادِهِمَا، وَهُوَ الشَّيْطَانُ، قَالَ تَعَالٰى : ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا﴾(فاطر : ٦)، وَالْأَمْرُ بِاتِّخَاذِهٖ عَدُوًّا تَنْبِيهٌ عَلَى اسْتِفْرَاغِ الْوُسْعِ فِي مُحَارَبَتِهٖ، وَمُجَاهَدَتِهٖ، كَأَنَّهٗ عَدُوٌّ لَا يَفْتُرُ وَلَا يُقَصِّرُ عَنْ مُحَارَبَةِ الْعَبْدِ عَلٰى عَدَدِ الْأَنْفَاسِ .

فَهٰذِهٖ ثَلَاثَةُ أَعْدَاءٍ، أُمِرَ الْعَبْدُ بِمُحَارَبَتِهَا وَجِهَادِهَا، وَقَدْ بُلِيَ بِمُحَارَبَتِهَا فِي هٰذِهِ الدَّارِ، وَسُلِّطَتْ عَلَيْهِ امْتِحَانًا مِنَ اللّٰهِ لَهٗ وَابْتِلَاءً، فَأَعْطَى اللّٰهُ الْعَبْدَ مَدَدًا وَعُدَّةً وَأَعْوَانًا وَّسِلَاحًا لِهٰذَا الْجِهَادِ، وَأَعْطٰى أَعْدَاءَهٗ مَدَدًا وَعُدَّةً وَأَعْوَانًا وَسِلَاحًا، وَبَلَا أَحَدَ الْفَرِيقَيْنِ بِالْآخَرِ، وَجَعَلَ بَعْضَهُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً لِيَبْلُوَ

أَخْبَارَهُمْ، وَيَمْتَحِنَ مَنْ يَتَوَلَّاهُ وَيَتَوَلّٰى رُسُلَهٗ مِمَّنْ يَتَوَلَّى الشَّيْطَانَ وَحِزْبَهٗ.

''چونکہ جہاد اسلام کا بلند ترین مقام اور اس کا قلعہ ہے اور مجاہدین کے درجات جنت میں سب سے بلند ہیں، جس طرح دنیا میں بھی ان کو بلندی حاصل ہے، چنانچہ وہ دنیا وآخرت دونوں میں بلند مرتبہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ اس جہاد کے سب سے بلند مقام پر فائز تھے۔ آپ ﷺ نے جہاد کی تمام اقسام پر عمل کیا۔ آپ ﷺ نے اللہ کے راستے میں دل، نیت، دعوت، وضاحت و بیان، تلوار اور نیزے کے ذریعے پوری طرح جہاد کیا۔ آپ ﷺ کے تمام اوقات دل، زبان اور ہاتھ سے جہاد کرنے میں ہی صرف ہوتے تھے۔ اسی لیے آپ ﷺ تمام جہان والوں میں سب سے زیادہ بلند ذکر والے اور اللہ کے ہاں سب سے زیادہ باعزت ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بعثت کے آغاز سے ہی جہاد کا حکم دیا اور فرمایا:

﴿وَلَوْ شِئْنَا لَبَعَثْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ نَذِيرًا فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا﴾(الفُرقان : ٥١-٥٢) ''اگر ہم چاہتے تو ہر بستی میں ایک خبردار کرنے والا بھیج دیتے، سو آپ کافروں کا کہنا ہرگز نہ مانیں اور ان سے اس (قرآن) کے ذریعے بڑا جہاد کریں۔''

یہ مکی سورت ہے، جس میں کفار سے دلیل، وضاحت اور قرآن کے ذریعے جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح منافقین سے جہاد بھی صرف حجت و دلیل کے ذریعے ہوتا ہے، کیونکہ وہ اہل اسلام کے غلبہ کے تحت آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ

نے فرمایا: ﴿يَآ أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ (التوبة : ۷۳) ''نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں، ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔''

چنانچہ منافقین سے جہاد کفار کے جہاد سے زیادہ سخت ہے اور یہ جہاد امت کے خاص لوگ اور انبیائے کرام علیہم السلام کے وارث ہی کرتے ہیں۔ دنیا میں ایسے افراد کم ہی ہوتے ہیں، جو اس جہاد کے علمبردار ہوں، مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مقام بہت بلند ہوتا ہے۔

جب حق بات کو سخت مخالفت کے وقت کہنا افضل ترین جہاد شمار ہوتا ہے، مثلاً ایسے شخص کے سامنے بولنا، جس کے اثر ورسوخ اور مصائب کا انسان کو ڈر ہو، تو یقیناً انبیائے کرام علیہم السلام کو اس جہاد میں سب سے بڑا حصہ ملا اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں کامل اور مکمل ترین جہاد کیا۔

چونکہ خارجی دشمن سے جہاد اس وقت ممکن ہوتا ہے، جب بندہ اپنے نفس سے اللہ کے لیے جہاد کر چکا ہو، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''حقیقی مجاہد وہ ہے، جو اپنے نفس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے، جو ان چیزوں کو چھوڑ دے، جن سے اللہ نے روکا ہے۔''

لہٰذا نفس سے جہاد، خارجی دشمن سے جہاد پر مقدم اور اس کے لیے اساس اور بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو شخص اپنے نفس کو اللہ کے حکم کے مطابق چلانے پر مجبور نہ کر سکے اور گناہوں سے باز رکھنے کے لیے اس سے جنگ نہ کرے، وہ

خارجی دشمن سے کیسے جہاد کرے گا؟ جب اس کا سب سے قریبی دشمن یعنی اس کا اپنا نفس اس پر غالب ہے اور وہ اس سے اللہ تعالیٰ کے لیے جہاد نہیں کر سکا، تو خارجی دشمن سے کامیاب جہاد ممکن ہی نہیں۔

یہ دو دشمن (نفس اور خارجی دشمن) ہیں، جن کے ساتھ بندے کی آزمائش ہے، اور ان دونوں کے بیچ ایک تیسرا دشمن کھڑا ہے، جس سے ان دونوں سے جہاد ممکن نہیں ہوتا، جب تک اس سے جہاد نہ کیا جائے، وہ بندے کو ان دونوں دشمنوں سے لڑنے سے روکتا اور پیچھے ہٹاتا ہے، اس پر وسوسے ڈالتا ہے اور ہمیشہ اسے ان جہادوں میں پیش آنے والی مشقتوں، نفسانی خواہشات کے ترک اور لذتوں سے محرومی کا خوف دلاتا رہتا ہے۔

پس جب تک اس تیسرے دشمن سے جہاد نہ کیا جائے، ان دونوں سے جہاد ممکن نہیں اور وہ دشمن شیطان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا﴾ (فاطر: ٦) ''یقیناً شیطان تمہارا دشمن ہے، لہٰذا اسے دشمن ہی بنائے رکھو۔'' یہ آیت اشارہ کرتی ہے کہ بندے کو اپنی پوری طاقت شیطان سے جنگ میں صرف کرنی چاہیے، کیونکہ وہ ایسا دشمن ہے، جو بندے سے ہر وقت، ہر لحہ جنگ کرتا رہتا ہے۔ یہ تین دشمن ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ نے بندے کو جہاد کا حکم دیا ہے۔ بندہ دنیا میں ان کے ساتھ جنگ کی آزمائش میں مبتلا ہے، اللہ نے ان دشمنوں کو بندے پر آزمائش کے طور پر مسلط کیا ہے اور بندے کو ان سے جہاد کے لیے اسباب، طاقت، مددگار اور ہتھیار مہیا کیے، نیز ان کے دشمنوں کو بھی مدد، وسائل اور فوج عطا کی اور ایک فریق کو

دوسرے کے لیے آزمائش بنایا، تاکہ اللہ تعالیٰ دیکھے کہ بندہ کس کا ساتھ دیتا ہے۔ اللہ اوراس کے رسولوں کا یا شیطان اوراس کے ساتھیوں کا۔‘‘

(زاد المَعاد : 3/5-6)

سوال: کتاب کی تصنیف میں کیا مدنظر ہونا چاہیے؟

جواب: علم کی حفاظت کا سب سے معتبر اور مؤثر ذریعہ کتابت ہے۔ جب سے انسانوں کی پیدائش ہوئی، تب سے کتابت کا آغاز ہوا۔

کتاب کی تصنیف انتہائی اہم ذمہ داری ہے، بالخصوص جس کتاب کا تعلق دینیات سے ہو۔ اس میں درست معلومات فراہم کرنا، عمدہ تجزیہ کرنا، مناسب الفاظ کا انتخاب ضروری ہے۔

دین کے کسی بھی گوشہ میں قلم اٹھایا جائے، اس تصنیف میں کتاب وسنت کو بنیاد بنایا جائے، نیز نصوص کا وہی معنی و مفہوم مراد لیا جائے، جو سلف صالحین اور ائمہ محدثین نے لیا ہے۔ اس لیے کتاب وسنت کی نصوص کو سلف اُمت کے عقائد وعمل اور علم وفہم کے خلاف پیش کرنا بذات خود نصوص کی تحریف ہے۔

اس لیے تصنیف عقائد کے متعلق ہو یا احکام ومسائل، حدیث ہو یا فقہ، گویا کسی بھی گوشہ علم کے متعلق ہو، اس میں کتاب وسنت کے دلائل (علی فہم السلف)، اجماع اُمت اور سبیل مؤمنین کو بنیاد بنانا چاہیے، کتاب کا مقصد لوگوں کی اصلاح ہو، اپنی شہرت یا ناموری مطلوب نہ ہو۔ دلائل منظّم ہوں اور انداز سلیس ہو، تاکہ بآسانی استفادہ کیا جا سکے۔ کتاب کی جامعیت اور انداز تحریر کا پورا لحاظ رکھا جائے۔ تجزیہ کرتے ہوئے علمی تقاضوں کو مدنظر رکھا جائے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جا رہا ہے، نہ کہ کسی اور منفعت کے لیے۔

امام ابوبکر بیہقی رحمہ اللہ (۴۵۸ھ) فرماتے ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ، شُكْرًا لِنِعْمَتِهٖ، وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، إِقْرَارًا بِرُبُوبِيَّتِهٖ وَوَحْدَانِيَّتِهٖ، وَالصَّلَاةُ عَلٰى رَسُولِهٖ مُحَمَّدٍ وَآلِهٖ أَمَّا بَعْدُ : فَإِنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى سَهَّلَ عَلَيَّ تَصْنِيفَ كِتَابٍ مُخْتَصَرٍ، فِي بَيَانِ مَا يَجِبُ عَلَى الْعَاقِلِ الْبَالِغِ اعْتِقَادُهٗ وَالْاعْتِرَافُ بِهٖ فِي الْأُصُولِ، مُنْوًى بِذِكْرِ أَطْرَافِ أَدِلَّتِهٖ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَسُنَّةِ الرَّسُولِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمِنْ إِجْمَاعِ السَّلَفِ وَدَلَائِلِ الْمَنْقُولِ، ثُمَّ إِنِّي اسْتَخَرْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى فِي إِرْدَافِهٖ بِتَصْنِيفِ كِتَابٍ يَشْتَمِلُ عَلٰى بَيَانِ مَا يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ مَذْهَبُهٗ بَعْدَمَا صَحَّ اعْتِقَادُهٗ فِي الْعِبَادَاتِ، وَالْمُعَامَلَاتِ، وَالْمُنَاكَحَاتِ، وَالْحُدُودِ، وَالسِّيَرِ، وَالْحُكُومَاتِ، لِيَكُونَ بِتَوْفِيقِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ لِكِتَابِهٖ، وَسُنَّةِ نَبِيِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّبِعًا، وَبِالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِهٖ مُقْتَدِيًا، وَلِلّٰهِ جَلَّ ثَنَاؤُهٗ فِيمَا فَرَضَ عَلَيْهِ، وَنَدَبَ إِلَيْهِ نَصًّا أَوْ دِلَالَةً مُطِيعًا، وَعَمَّا زَجَرَ عَنْهُ مُنْزَجِرًا، وَيَكُونُ فِي حَالَتَيِ التَّوْقِيرِ وَالتَّقْصِيرِ مِمَّنْ يَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهٖ، وَيَخْشٰى عَذَابَهٗ، وَأَيُّ عَبْدٍ عَبَدَهٗ حَقَّ قَدْرِهٖ؟ أَوْ قَامَ

فِيمَا تَعَبَّدَهٗ بِهٖ بِوَاجِبِ أَمْرِهٖ، وَاللّٰهُ تَعَالٰى بِجَزِيلِ إِنْعَامِهٖ وَإِكْرَامِهٖ، يُعِينُنَا عَلٰى حُسْنِ عِبَادَتِهٖ، وَبِفَضْلِهٖ وَسِعَةِ رَحْمَتِهٖ يَتَجَاوَزُ عَنَّا مَا قَصَّرْنَا فِيهِ مِنْ طَاعَتِهٖ، وَيُوَفِّقُنِي لِإِتْمَامِ مَا نَوَيْتُهٗ مِنْ بَيَانِ مَذْهَبِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ فِي اسْتِعْمَالِ الشَّرِيعَةِ عَلٰى طَرِيقِ الْاخْتِصَارِ، وَيُعِينُنِي وَالنَّاظِرِينَ فِيهِ لِلْاسْتِشْعَارِ بِهٖ، وَالْاقْتِدَاءِ فِي جَمِيعِ ذٰلِكَ بِأَهْلِ الرُّشْدِ وَالْهِدَايَةِ، وَلِحُسْنِ عَاقِبَتِنَا فِي أُمُورِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، إِنَّهٗ قَرِيبٌ مُّجِيبٌ، وَبِعِبَادِهٖ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ.

”تمام تعریفات اللہ ربّ العالمین کے لیے ہیں، اس کی نعمت پر شکر ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، (میں یہ بات) اس کی ربوبیت اور وحدانیت کا اقرار کرتے ہوئے کہتا ہوں اور اللہ کے رسول محمد ﷺ اور ان کے آل پر درود وسلام ہوں۔ اما بعد! بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے میرے لیے ایک مختصر کتاب کی تصنیف کو آسان بنا دیا، جس میں میں نے ایسے عقائد کو بیان کیا ہے، جن کا اعتقاد رکھنا اور جن کا اقرار کرنا ایک عقل مند بالغ پر واجب ہے اور ان عقائد کی کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، سلف صالحین کے اجماع اور منقول دلائل کے ذریعے مختصراً طرفاً طرفاً وضاحت کی ہے۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ سے استخارہ کیا کہ اس کتاب کے بعد ایک اور کتاب تصنیف کروں، جو اس بات کی وضاحت پر مشتمل ہو کہ جب اعتقاد صحیح

ہو جائے، تو پھر عبادات، معاملات، نکاح وطلاق، حدود، جہاد اور حکومتی معاملات میں انسان کا مذہب کیا ہونا چاہیے؟ تاکہ وہ اللہ عز وجل کی توفیق سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کا متبع بن جائے اور اس کے نیک بندوں (سلف صالحین) کی اقتدا کرنے لگے۔

نیز اللہ جل ثناءہ کی طرف سے جو کچھ فرض کیا گیا یا جس کی ترغیب دی گئی، خواہ وہ نص ہو یا دلالت، اس میں اطاعت کرنے والا بن جائے اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے، ان سے اجتناب کرنے لگ جائے۔ انسان چاہے حالت توقیر (نیکی وتقویٰ) میں ہو یا تقصیر (کوتاہی) میں، وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا امیدوار رہے اور اس کے عذاب سے ڈرتا رہے، کون سا بندہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کی شان کے مطابق اس کی عبادت کرسکتا ہے؟ یا جس عبادت کا حکم دیا گیا ہے، اسے اس کے واجب تقاضے کے مطابق پورا کرسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنے عظیم انعام واکرام کے ذریعے ہمیں اپنی بہترین عبادت کی توفیق عطا فرمائے اور اپنے فضل اور وسیع رحمت کے ساتھ ہم سے ان کوتاہیوں کو معاف فرما دے جو ہم اس کی اطاعت میں کر بیٹھے ہیں اور مجھے اس کام کی تکمیل کی توفیق دے جس کا میں نے ارادہ کیا ہے، یعنی اہل سنت والجماعت کے مذہب کو مختصر طریقے سے شریعت کے استعمال میں بیان کرنا اور مجھے اور اس کتاب کے پڑھنے والوں کو اس بات کی توفیق دے کہ ہم اس سے فائدہ اٹھائیں اور رشد وہدایت والے لوگوں کی پیروی کریں اور دنیا وآخرت کے تمام معاملات میں ہمارا اختتام بخیر ہو، یقیناً اللہ تعالیٰ بہت قریب ہے، دعاؤں کو قبول کرنے والا

ہے اور اپنے بندوں پر نہایت مہربان اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔''

(السّنن الصّغیر :5/1)

سوال: درج ذیل روایت کی سند کیسی ہے؟

❀ **ہاشم بن عبداللہ بن زبیر** رحمہ اللہ **سے مروی ہے:**

إِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ أَصَابَتْهُ مُصِيبَةٌ، فَأَتٰى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَكَا إِلَيْهِ ذٰلِكَ، وَسَأَلَهٗ أَنْ يَأْمُرَ لَهٗ بِوَسْقٍ مِنْ تَمْرٍ، فَقَالَ لَهٗ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنْ شِئْتَ أَمَرْتُ لَكَ بِوَسْقٍ مِّنْ تَمْرٍ، وَإِنْ شِئْتَ عَلَّمْتُكَ كَلِمَاتٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكَ؟، قَالَ : عَلِّمْنِيهُنَّ، وَمُرْ لِي بِوَسْقٍ، فَإِنِّي ذُو حَاجَةٍ إِلَيْهِ، فَقَالَ : قُلِ : اللّٰهُمَّ احْفَظْنِي بِالْإِسْلَامِ قَاعِدًا، وَاحْفَظْنِي بِالْإِسْلَامِ قَائِمًا، وَاحْفَظْنِي بِالْإِسْلَامِ رَاقِدًا، وَلَا تُطِعْ فِيَّ عَدُوًّا حَاسِدًا، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا أَنْتَ آخِذٌ بِنَاصِيَتِهٖ، وَأَسْأَلُكَ مِنَ الْخَيْرِ الَّذِي هُوَ بِيَدِكَ كُلِّهٖ .

''سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک مصیبت پہنچی، تو وہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس مصیبت کی شکایت کی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک وسق کھجور عطا فرمانے کی درخواست کی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر آپ چاہیں تو میں آپ کو ایک وسق کھجور دے دیتا ہوں اور اگر چاہیں تو میں آپ کو کچھ کلمات سکھا دیتا ہوں، جو آپ لیے اس سے بہتر ہیں؟ انہوں نے کہا:

مجھے وہ کلمات سکھا دیجیے اور ایک وسق کھجور کا بھی حکم فرما دیجیے، کیونکہ مجھے اس کی ضرورت ہے۔رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ! مجھے اسلام کے ساتھ محفوظ رکھ بیٹھنے کی حالت میں اور اسلام کے ساتھ محفوظ رکھ کھڑے ہونے کی حالت میں اور اسلام کے ساتھ محفوظ رکھ لیٹے ہونے کی حالت میں اور میرے بارے میں کسی دشمن حسد کرنے والے کو تابع نہ کر اور میں تیری پناہ مانگتا ہوں اس شر سے جس کی پیشانی تو نے اپنی گرفت میں لے رکھی ہے اور میں تجھ سے اس تمام خیر کا سوال کرتا ہوں جو تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔''

(المَعرفة والتّاريخ للفَسوي :403/1، صحيح ابن حبّان : 934)

جواب: سند ضعیف ہے۔

① ہاشم بن عبداللہ بن زبیر مجہول الحال ہے، اسے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہ نے ''الثقات:۵/۵۱۳'' میں ذکر کیا ہے۔

② ہاشم بن عبداللہ بن زبیر تابعی ہے، وہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے نقل نہیں کر رہے، بلکہ بغیر واسطہ سے ایسا واقعہ بیان کر رہے ہیں، جس میں وہ حاضر نہ تھے۔

❀ امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ نے اس روایت کو ''مرسل'' کہا ہے۔

(الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم : 104/9)

❀ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ .

''یہ حدیث غریب (منکر) ہے۔''

(مسند الفاروق :239/1)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۶۹۹)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: ایمان کیا ہے؟

جواب: اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ ایمان «قَوْلٌ وَّعَمَلٌ» ”(زبان ودل کے) قول اور (دل واعضاء کے) عمل“ کا نام ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین عظام اور ائمہ مسلمین کی بڑی جماعت سے یہی منقول و ماثور ہے۔ یہ عقیدہ قرآن وحدیث کے متواتر دلائل پر قائم ہے۔

❀ حافظ بغوی رحمہ اللہ (۵۱۶ھ) فرماتے ہیں:

اِتَّفَقَتِ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ، فَمَنْ بَعْدَهُمْ مِنْ عُلَمَاءِ السُّنَّةِ عَلٰى أَنَّ الْأَعْمَالَ مِنَ الْإِيمَانِ ...... إِنَّ الْإِيمَانَ قَوْلٌ، وَعَمَلٌ، وَعَقِيدَةٌ .

”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور بعد کے محدثین کا اجماعی واتفاقی فیصلہ ہے کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں......ان کا کہنا ہے کہ ایمان اقرار، عمل اور تصدیق کا نام ہے۔“

(شرح السُّنّة :38/1)

سلف صالحین اور ان کے مخالف مرجی فرقہ میں ایمان کے مسائل میں سب سے زیادہ

اختلاف اسی مسئلہ میں تھا کہ عمل ایمان میں داخل ہیں یا نہیں؟ سلف صالحین، صحابہ وتابعین کا مذہب یہ تھا کہ ایمان قول وعمل کا نام ہے، وہ اس سے مراد دل کا قول وعمل، زبان کا قول اور اعضا کا عمل لیتے تھے، اس بارے میں ان کے مابین اختلاف نہیں۔

جبکہ مرجئہ کا کہنا ہے کہ ایمان صرف دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار کا نام ہے، اعمال اس میں داخل نہیں، بلکہ اس کے ثمرات ہیں، اپنے اسی موقف کی وجہ سے وہ ایمان میں کمی وبیشی اور استثنا کے منکر ہوئے۔

جوں ہی یہ بدعت امت میں ظاہر ہوئی، سلف صالحین اور اہل ارجا کے مابین اختلاف ونزاع کا سلسلہ چل نکلا۔

سلف صالحین نے مرجئہ کے قول کو باطل ثابت کیا اور ان کو بدعتی وگمراہ قرار دے کر امت کو ان کے اس شنیع مذہب سے دور کیا۔

اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ مرجئہ کے نزدیک ایمان ایک ہی چیز ہے، اس کے اجزا نہیں، جبکہ سلف صالحین کے نزدیک ایمان قول وعمل سے مرکب ہے۔

❀ امام ابوبکر محمد بن حسین آجری رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

اِعْمَلُوا رَحِمَنَا اللّٰهُ وَإِيَّاكُمْ أَنَّ الَّذِي عَلَيْهِ عُلَمَاءُ الْمُسْلِمِينَ أَنَّ الْإِيمَانَ وَاجِبٌ عَلٰى جَمِيعِ الْخَلْقِ، وَهُوَ تَصْدِيقٌ بِالْقَلْبِ، وَإِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ، وَعَمَلٌ بِالْجَوَارِحِ، ثُمَّ اعْلَمُوا أَنَّهٗ لَا تُجْزِئُ الْمَعْرِفَةُ بِالْقَلْبِ وَالتَّصْدِيقُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَعَهُ الْإِيمَانُ بِاللِّسَانِ نُطْقًا، وَلَا تُجْزِئُ مَعْرِفَةٌ بِالْقَلْبِ، وَنُطْقٌ بِاللِّسَانِ، حَتّٰى يَكُونَ

عَمَلٌ بِالْجَوَارِحِ، فَإِذَا كَمُلَتْ فِيهِ هٰذِهِ الثَّلَاثُ الْخِصَالِ كَانَ مُؤْمِنًا دَلَّ عَلٰى ذٰلِكَ الْقُرْآنُ، وَالسُّنَّةُ، وَقَوْلُ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِينَ .

''خوب جان لیں، اللہ ہم سب پر رحم کرے۔علمائے مسلمین کا عقیدہ یہ ہے کہ ایمان لانا تمام انسانوں پر واجب ہے۔ایمان دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور جوارح واعضا سے عمل کرنے کا نام ہے۔مزید یہ بھی جان لیں کہ جب تک زبان سے اقرار نہ کیا جائے، محض دل سے معرفت اور تصدیق کرنا کافی نہیں، اسی طرح اعضا کے ساتھ عمل کرنے کے بغیر محض دل کے ساتھ معرفت اور زبان سے ادائیگی کافی نہیں۔ بلکہ جب تینوں خصلتیں جمع ہوں گی، تو مؤمن بنتا ہے، اس پر قرآن کریم، سنت مبارکہ اور علمائے مسلمین کا اتفاق دلالت کناں ہے۔''

(الشّریعة : 611/2)

❁ نیز فرماتے ہیں:

اِعْلَمُوا رَحِمَنَا اللّٰهُ وَإِيَّاكُمْ يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ، وَيَا أَهْلَ الْعِلْمِ، وَيَا أَهْلَ السُّنَنِ وَالْآثَارِ، وَيَا مَعْشَرَ مَنْ فَقَّهَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الدِّينِ، بِعِلْمِ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ أَنَّكُمْ إِنْ تَدَبَّرْتُمُ الْقُرْآنَ، كَمَا أَمَرَكُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلِمْتُمْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَوْجَبَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ بَعْدَ إِيمَانِهِمْ بِهٖ وَبِرَسُولِهِ الْعَمَلَ، وَأَنَّهٗ تَعَالٰى لَمْ يُثْنِ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ بِأَنَّهٗ قَدْ رَضِيَ عَنْهُمْ وَأَنَّهُمْ قَدْ رَضُوا عَنْهُ

وَأَثَابَهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ الدُّخُولَ إِلَى الْجَنَّةِ، وَالنَّجَاةَ مِنَ النَّارِ، إِلَّا الْإِيمَانَ وَالْعَمَلَ الصَّالِحَ وَقَرَنَ مَعَ الْإِيمَانِ الْعَمَلَ الصَّالِحَ، لَمْ يُدْخِلْهُمُ الْجَنَّةَ بِالْإِيمَانِ وَحْدَهٗ، حَتّٰى ضَمَّ إِلَيْهِ الْعَمَلَ الصَّالِحَ، الَّذِي قَدْ وَفَّقَهُمْ لَهٗ .

فَصَارَ الْإِيمَانُ لَا يَتِمُّ لِأَحَدٍ حَتّٰى يَكُونَ مُصَدِّقًا بِقَلْبِهٖ، وَنَاطِقًا بِلِسَانِهٖ، وَعَامِلًا بِجَوَارِحِهٖ لَا يَخْفَى عَلٰى مَنْ تَدَبَّرَ الْقُرْآنَ وَتَصَفَّحَهٗ، وَجَدَهٗ كَمَا ذَكَرْتُ وَاعْلَمُوا رَحِمَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى وَإِيَّاكُمْ أَنِّي قَدْ تَصَفَّحْتُ الْقُرْآنَ فَوَجَدْتُ فِيهِ مَا ذَكَرْتُهٗ فِي سِتَّةٍ وَخَمْسِينَ مَوْضِعًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَنَّ اللّٰهَ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى لَمْ يُدْخِلِ الْمُؤْمِنِينَ الْجَنَّةَ بِالْإِيمَانِ وَحْدَهٗ، بَلْ أَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِرَحْمَتِهٖ إِيَّاهُمْ، وَبِمَا وَفَّقَهُمْ لَهٗ مِنَ الْإِيمَانِ بِهٖ، وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ، وَهٰذَا رَدٌّ عَلٰى مَنْ قَالَ : الْإِيمَانُ، الْمَعْرِفَةُ، وَرَدٌّ عَلٰى مَنْ قَالَ : الْمَعْرِفَةُ وَالْقَوْلُ، وَإِنْ لَمْ يَعْمَلْ نَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ قَائِلِ هٰذَا .

’’خوب جان لیں! اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے، اے قرآن والو! اے علم والو! اے سنت و آثار کے ماننے والو! اور اے وہ لوگو، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حلال وحرام کی معرفت کے ذریعے دین کی سمجھ عطا فرمائی ہے! اگر آپ قرآن

پر تدبر کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، تو آپ جان جائیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں پر واجب کیا ہے کہ وہ اپنے اور اپنے رسول پر ایمان لانے کے بعد عمل صالح بھی کریں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے جب مؤمنوں کی تعریف کی کہ وہ اس سے راضی ہو گئے اور وہ ان سے راضی ہو گیا اور انہیں جنت میں داخلہ اور آگ سے نجات کی جزا دی، ، تو یہ سب ایمان اور عمل صالح کے ساتھ مشروط تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان کے ساتھ عمل صالح کو بھی لازم قرار دیا۔ اللہ تعالیٰ نے صرف ایمان کی بنیاد پر انہیں جنت میں داخل نہیں کیا، بلکہ عمل صالح کو بھی ایمان کے ساتھ شامل کیا، جس کی توفیق اللہ نے انہیں عطا فرمائی۔

چنانچہ ایمان کا مفہوم اُس وقت تک مکمل نہیں ہوتا، جب تک کہ بندہ دل سے تصدیق کرنے والا، زبان سے اقرار کرنے والا اور اعضا و جوارح سے عمل کرنے والا نہ ہو۔ یہ بات اس پر مخفی نہیں، جو قرآن پر تدبر کرتا ہے اور اسے کھنگالتا ہے، وہ ایسا ہی پائے گا جیسے میں نے ذکر کیا ہے۔

مزید یہ بھی جان لیں، اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے کہ میں نے قرآن کریم کو غور سے پڑھا، تو میں نے اس میں وہی پایا جیسا کہ میں نے ذکر کیا، قرآن کریم کے ۵٦ (چھپن) مقامات پر یہ بات موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں کو صرف ایمان کی بنیاد پر جنت میں داخل نہیں کیا، بلکہ اپنی رحمت، ایمان کی توفیق اور عمل صالح کی توفیق کے ساتھ انہیں جنت میں داخل کیا۔

یہ ان لوگوں کے قول کا ردّ ہے، جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف معرفت (یعنی دل سے پہچان) کا نام ہے اور اُن کا بھی ردّ ہے، جو کہتے ہیں کہ ایمان معرفت اور

قول کا نام ہے، اگرچہ عمل نہ بھی ہو۔ ایسی بات کہنے سے ہم اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔''

(الشّريعة : 616/2)

سوال: عبداللہ بن وہب مصری رحمہ اللہ کی وفات کا سبب کیا تھا؟

جواب: امام عبد اللہ بن وہب مصری رحمہ اللہ (۱۹۷ھ) نے ''کتاب الاھوال'' تصنیف کی، جس میں قبر، حشر اور قیامت کی ہولنا کیوں کا ذکر ہے۔ ایک دفعہ امام ابن وہب رحمہ اللہ نے کسی شاگرد سے کہا کہ یہ کتاب مجھے پڑھ کر سنائیں، کتاب کی قرأت جاری تھی کہ کسی حدیث میں ذکر کردہ ہولنا کی کا بیان ہوا، تو طبیعت خراب ہوگئی، غشی کھا کر گر پڑے، اٹھا کر گھر لے جایا گیا، مگر اس کے بعد صحت یاب نہ ہو سکے، بالآخر اپنے خالق حقیقی کو جا ملے، انا للہ وانا الیہ راجعون!

❁ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

سَأَلْتُ يُونُسَ بْنَ عَبْدِ الْأَعْلَى الصَّدَفِيَّ عَنْ سَبَبِ مَوْتِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ وَهْبٍ، فَقَالَ : كَانَ يُقْرَأُ عَلَيْهِ كِتَابُ الْأَهْوَالِ فَقُرِئَ عَلَيْهِ خَبَرٌ فَخَرَّ مَغْشِيًّا عَلَيْهِ فَحَمَلْنَاهُ وَأَدْخَلْنَاهُ الدَّارَ فَلَمْ يَزَلْ مَرِيضًا حَتّٰى تُوُفِّيَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

''میں نے یونس بن عبدالاعلی صدفی رحمہ اللہ سے عبداللہ بن وہب مصری رحمہ اللہ کی وفات کا سبب دریافت کیا، فرمایا: امام ابن وہب رحمہ اللہ پر (ان کی) کتاب الاہوال کی قرأت کی گئی، جب ایک حدیث پڑھی جا رہی تھی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑے، ہم نے انہیں اٹھا کر گھر داخل کیا، مگر وہ مسلسل بیمار ہی رہے اور اسی

میں وفات پا گئے۔‘‘

(المُستدرك للحاكم : 8711، وسندہٗ صحیحٌ)

❁ یہی بات خالد بن خداش رحمہ اللہ نے بھی نقل کی ہے۔

(الانتقاء لابن عبد البرّ، ص 50، وسندہٗ صحیحٌ)

سوال: کیا آل محمد ﷺ کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

جواب: محمد کریم ﷺ اور آپ ﷺ کی آل پر زکوٰۃ حرام ہے، خواہ وہ زکوٰۃ کے مستحق بھی ہوں۔ زکوٰۃ کا مال لوگوں کی میل کچیل ہوتی ہے، جو آل محمد ﷺ کے لائق نہیں۔ اس پر صحیح احادیث اور اجماع اُمت دلیل ہیں۔

❁ سیدنا عبدالمطلب بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

أَلَا إِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِي لِمُحَمَّدٍ، وَّلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ، إِنَّمَا هِيَ أَوْسَاخُ النَّاسِ .

’’یہ (صدقات) لوگوں کی میل کچیل ہیں، چنانچہ محمد (ﷺ) اور آپ کی آل کے لیے صدقہ لینا جائز نہیں۔‘‘

(صحیح مسلم : 1072، المُنتقٰی لابن الجارود : 1113)

❁ ایک روایت کے الفاظ ہیں:

إِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ، وَلَا لِآلِ مُحَمَّدٍ .

’’صدقات محمد (ﷺ) اور آل محمد کے لیے حلال نہیں۔‘‘

(صحیح مسلم : 1072)

❁ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

أَخَذَ الْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، تَمْرَةً مِّنْ تَمْرِ الصَّدَقَةِ، فَجَعَلَهَا فِي فِيهِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كِخْ كِخْ لِيَطْرَحَهَا، ثُمَّ قَالَ : أَمَا شَعَرْتَ أَنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ .

''سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے (بچپن میں) صدقہ کی کھجوروں میں سے ایک کھجور اٹھالی اور منہ میں ڈال لی، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے تھوک دیں، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ ہم (ہاشمی النسل اور اہل بیت) صدقہ نہیں کھاتے۔''

(صحیح البخاري : 1491، صحیح مسلم : 1077)

❀ **ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:**

إِنَّ خَالِدَ بْنَ سَعِيدٍ بَعَثَ إِلٰى عَائِشَةَ بِبَقَرَةٍ مِّنَ الصَّدَقَةِ، فَرَدَّتْهَا، وَقَالَتْ : إِنَّا آلَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحِلُّ لَنَا الصَّدَقَةُ .

''خالد بن سعید رحمہ اللہ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف صدقہ کی گائے کا گوشت بھیجا، تو آپ رضی اللہ عنہا نے منع کر دیا اور فرمایا: ہم آل محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ہمارے لیے (فرض) صدقہ حلال نہیں۔''

(مصنّف ابن أبي شيبة : 10708، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ **حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (۴۶۳ھ) فرماتے ہیں:**

أَمَّا الصَّدَقَةُ الْمَفْرُوضَةُ فَلَا تَحِلُّ لِلنَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَلَا لِبَنِي هَاشِمٍ وَلَا لِمَوَالِيهِمْ لَا خِلَافَ بَيْنَ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِينَ فِي ذٰلِكَ .

''فرض صدقہ نبی کریم ﷺ، بنو ہاشم اوران کے موالی کے لیے حلال نہیں، اس بارے میں علمائے مسلمین کے مابین کوئی اختلاف نہیں۔''

(التّمہید : 91/3)

❀ حافظ نووی رحمہ اللہ (٦٧٦ھ) فرماتے ہیں:

اَلزَّكَاةُ حَرَامٌ عَلٰى بَنِي هَاشِمٍ وَبَنِي الْمُطَّلِبِ بِلَا خِلَافٍ .

''بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب پر زکوۃ حرام ہے، اس میں کوئی اختلاف نہیں۔''

(المَجموع : 227/6)

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (٧٢٨ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا تَحْرِيمُ الصَّدَقَةِ فَحَرَّمَهَا عَلَيْهِ وَعَلٰى أَهْلِ بَيْتِهٖ تَكْمِيلًا لِتَطْهِيرِهِمْ وَدَفْعًا لِلتُّهْمَةِ عَنْهُ كَمَا لَمْ يُوَرِّثْ فَلَا يَأْخُذُ وَرَثَتُهٗ دِرْهَمًا وَلَا دِينَارًا .

''رہا (فرض) صدقہ کا حرام ہونا، تو وہ نبی کریم ﷺ نے اپنے اوپر اور اپنے اہل بیت پر حرام قرار دیا ہے، تاکہ ان کی تطہیر مکمل ہو جائے اور آپ ﷺ کو (مالی کرپشن کی) تہمت سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی لیے آپ ﷺ نے کسی کو وارث نہیں بنایا، لہٰذا آپ ﷺ کے ورثا (آپ ﷺ کے ترکہ میں) درہم و دینار نہیں لے سکتے۔''

(مَجموع الفتاویٰ : 30/19)

سوال: کیا ابو حنیفہ رحمہ اللہ ''فقیہ'' تھے؟

جواب: فقہ سے مراد دین کی سمجھ ہے، گویا فقہ اسلامی سے مراد قرآن وحدیث کا وہ

مفہوم اور معنی ہے، جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مراد ہے۔ یہ فہم اور فقہ صرف جماعت محدثین کے پاس ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے قول وعمل کی بنیاد قرآن وحدیث اور صحابہ وتابعین کے فہم دین کو بنایا ہے۔

عقلیات اور قیاسیات کا نام ''فقہ'' نہیں، بلکہ قرآن وحدیث کی صحیح تعبیر اور اس سے صحیح استدلال کا نام فقہ اسلامی ہے۔ یہ منصب اللہ تعالیٰ نے صرف محدثین کو عطا کیا تھا۔

ایک دوسرا گروہ جنہیں اہل الرائے کہتے ہیں، ان کے قرآن فہمی اور سنت پر عمل کرنے کے اصول وضوابط وہ نہیں، جو محدثین عظام کے ہیں۔ لہٰذا ان کی فقہ صحیح فقہ نہیں، بلکہ منہج کی غیر درستی کی وجہ سے ان سے ایسے مسائل سرزد ہو گئے، جو قرآن وحدیث کی واضح نصوص اور اُمت کی اجماعی تعبیر کے خلاف ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا شمار اہل الرائے میں ہوتا ہے، انہیں محدثین میں شمار نہیں کیا گیا، اس لیے ان کی فقہ کو صحیح اسلامی فقہ نہیں کہا جا سکتا۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ اہل الرائے میں سے تھے، جن کی ائمہ کرام رحمہم اللہ نے مذمت کی ہے۔

❁ امام سفیان بن سعید ثوری، قاضی شریک بن عبداللہ اور امام حسن بن صالح بن حی رحمہم اللہ بیان کرتے ہیں:

أَدْرَكْنَا أَبَا حَنِيفَةَ، وَمَا يَعْرِفُ بِشَيْءٍ مِّنَ الْفِقْهِ مَا نَعْرِفُهُ إِلَّا بِالْخُصُومَاتِ .

''ہم نے ابوحنیفہ رحمہ اللہ کو دیکھا، وہ (اسلامی) فقہ سے آشنا نہ تھے، ہم نے انہیں (دین میں) جھگڑے کرتے ہی دیکھا۔''

(تاریخ بغداد للخطیب : 559/15، وسندہٗ صحیحٌ)

ان ائمہ کی مراد یہ تھی کہ امام حنیفہ رحمہ اللہ کے کلام میں رائے کا غلبہ تھا، جس کی بنیاد پر وہ دیگر محدثین سے دین پر اختلاف کرتے تھے۔

محدثین کے علم کے مقابلہ میں جو ہے، وہ علم نہیں ہے، وہ محض رائے زنی ہے، جو محدثین کے ہاں شدید مذموم ہے۔

❀ امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ (۲۰۴ھ) بیان کرتے ہیں:

قَالَ لِي مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ أَيُّهُمَا أَعْلَمُ بِالْقُرْآنِ صَاحِبُنَا أَوْ صَاحِبُكُمْ؟ يَعْنِي أَبَا حِنِيفَةَ وَمَالِكَ بْنَ أَنَسٍ : قُلْتُ : عَلَى الْإِنْصَافِ؟ قَالَ : نَعَمْ، قُلْتُ : فَأَنْشُدُكَ اللّٰهَ مَنْ أَعْلَمُ بِالْقُرْآنِ صَاحِبُنَا أَوْ صَاحِبُكُمْ؟ قَالَ : صَاحِبُكُمْ، يَعْنِي مَالِكًا، قُلْتُ : فَمَنْ أَعْلَمُ بِالسُّنَّةِ صَاحِبُنَا أَوْ صَاحِبُكُمْ؟ قَالَ : اَللّٰهُمَّ صَاحِبُكُمْ، قَالَ : فَأَنْشُدُكَ اللّٰهَ مَنْ أَعْلَمُ بِأَقَاوِيلِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُتَقَدِّمِينَ صَاحِبُنَا أَوْ صَاحِبُكُمْ؟ قَالَ : صَاحِبُكُمْ، قَالَ الشَّافِعِيُّ : فَقُلْتُ : لَمْ يَبْقَ إِلَّا الْقِيَاسُ، وَالْقِيَاسُ لَا يَكُونُ إِلَّا عَلٰى هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ، فَمَنْ لَمْ يَعْرِفِ الْأُصُولَ فَعَلٰى أَيِّ شَيْءٍ يَقِيسُ؟

”مجھے محمد بن حسن شیبانی نے کہا کہ ہمارے استاذ (امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ) اور تمہارے استاذ (امام مالک رحمہ اللہ) میں سے قرآن کا بڑا عالم کون تھا؟

میں (شافعی) نے کہا: انصاف سے بات کریں؟ محمد شیبانی نے کہا: جی ہاں!

میں نے کہا کہ میں آپ کو اللہ کا واسطہ دے کر پوچھتا ہوں کہ ہمارے اور آپ امام میں سے قرآن کا بڑا عالم کون تھا؟ کہنے لگے، آپ کے امام صاحب، یعنی امام مالک رحمہ اللہ۔

میں نے پوچھا کہ سنت کا بڑا عالم کون تھا؟ کہنے لگے: اللہ کی قسم! آپ کے استاذ صاحب، میں نے پھر قسم دے کر پوچھا کہ بتائیے! ہمارے اور آپ کے استاذ میں سے صحابہ کرام اور سلف صالحین کے اقوال کو زیادہ جاننے والا کون ہے؟ شیبانی صاحب نے جواب دیا کہ (یقیناً) تمہارے استاذ صاحب۔ میں نے کہا کہ اب باقی تو صرف قیاس ہی رہ گیا ہے، جبکہ (صحیح) قیاس بھی ان تینوں اصولوں (قرآن، حدیث اور اقوال سلف) کی روشنی میں ہی ہوتا ہے۔ لہٰذا جو ان اصولوں کو ہی نہیں جانتا، وہ قیاس کس چیز پر کرسکتا ہے؟''

(تَقدِمة الجرح والتّعديل لابن أبي حاتم، ص 12-13، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال: ولی کون ہوتا ہے؟

جواب: وہ شخص، جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو، صحیح العقیدہ، متبع سنت اور مخلص ہو، فرائض وواجبات کو بجالاتا ہو، اُمور خیر میں پیش پیش رہتا ہو اور حرام اور مکروہ کاموں سے حتی الوسع مجتنب رہتا ہو، تو وہ اللہ تعالیٰ کا ولی اور محبوب ہے۔ اللہ تعالیٰ کبھی ولی کے ہاتھوں خارق عادت اُمور ظاہر کردیتا ہے، جو ولی کے لیے عزت وتکریم ہیں۔

❁ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿إِنْ أَوْلِيَاؤُهٗٓ إِلَّا الْمُتَّقُونَ﴾ (الأنفال: ٣٤)

''اس (اللہ) کے ولی صرف متقی لوگ ہیں۔''

اگر کوئی شخص عقیدہ اہل سنت والجماعت سے منحرف ہے، فرائض وواجبات کا تارک ہے، وہ کبھی اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں ہوسکتا، وہ گمراہ ہے، اگر اس کے ہاتھوں کوئی خارق عادت کام ظاہر ہوجائے، تو وہ کرامت نہیں، بلکہ استدراج ہے، جو اس شخص کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل اور مزید گمراہی کا سبب بنتا ہے۔

صوفیا اور دیگر گمراہوں کے ہاتھوں جو بھی خرق عادت اُمور ظاہر ہوتے ہیں، وہ استدراجات ہیں، انہیں شیطان کی طرف سے الہام ہوتا ہے۔ ان کے احوال ومکاشفات کا کوئی اعتبار نہیں۔ گمراہ اسے بھی کرامت خیال کرتے ہیں اور اس بنیاد پر کئی بداعتقادیاں لوگوں میں پھیلاتے ہیں، مثال کے طور پر کسی گمراہ کی قبر کی مٹی سے خوشبو آئے، تو اس کی گمراہی کو دیکھے بغیر اسے ولی اللہ کہہ دیتے ہیں اور اس خوشبو کو اس کی کرامت باور کراتے ہیں، یہ بھی استدراج کی ایک صورت ہے، جو گمراہوں کے لیے مزید گمراہی کا باعث بنتی ہے۔

❀ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

كُلُّ مَن خَالَفَ شَيْئًا مِمَّا جَاءَ بِهِ الرَّسُولُ، مُقَلِّدًا فِي ذٰلِكَ لِمَن يَظُنُّ أَنَّهُ وَلِيٌّ لِلّٰهِ، فَإِنَّهُ بَنٰى أَمْرَهُ عَلٰى أَنَّهُ وَلِيُّ اللّٰهِ، وَأَنَّ وَلِيَّ اللّٰهِ لَا يُخَالِفُ فِي شَيْءٍ، وَلَوْ كَانَ هَذَا الرَّجُلُ مِنْ أَكْبَرِ أَوْلِيَاءِ اللّٰهِ، كَأَكَابِرِ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ، لَمْ يُقْبَلْ مِنْهُ مَا خَالَفَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ، فَكَيْفَ إِذَا لَمْ يَكُنْ كَذٰلِكَ؟

وَتَجِدُ كَثِيرًا مِّنْ هٰؤُلَاءِ عُمْدَتُهُمْ فِي اعْتِقَادِ كَوْنِهِ وَلِيًّا لِّلّٰهِ، أَنَّهُ قَدْ صَدَرَ عَنْهُ مُكَاشَفَةٌ فِي بَعْضِ الْأُمُورِ، أَوْ بَعْضُ

التَّصَرُّفَاتِ الْخَارِقَةِ لِلْعَادَةِ، مِثْلُ أَنْ يُشِيرَ إِلٰى شَخْصٍ فَيَمُوتُ، أَوْ يَطِيرَ فِي الْهَوَاءِ إِلٰى مَكَّةَ أَوْ غَيْرِهَا، أَوْ يَمْشِي عَلَى الْمَاءِ أَحْيَانًا، أَوْ يَمْلَأَ إِبْرِيقًا مِّنَ الْهَوَاءِ، أَوْ يُنْفِقَ بَعْضَ الْأَوْقَاتِ مِنَ الْغَيْبِ، أَوْ يَخْتَفِي أَحْيَانًا عَنْ أَعْيُنِ النَّاسِ، أَوْ أَنَّ بَعْضَ النَّاسِ اسْتَغَاثَ بِهٖ وَهُوَ غَائِبٌ أَوْ مَيِّتٌ فَرَآهُ قَدْ جَاءَهٗ، فَقَضٰى حَاجَتَهٗ، أَوْ يُخْبِرَ النَّاسَ بِمَا سُرِقَ لَهُمْ، أَوْ بِحَالٍ غَائِبٍ لَّهُمْ أَوْ مَرِيضٍ، أَوْ نَحْوَ ذٰلِكَ مِنَ الْأُمُورِ، وَلَيْسَ فِي شَيْءٍ مِنْ هٰذِهِ الْأُمُورِ مَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّ صَاحِبَهَا وَلِيُّ اللّٰهِ، بَلْ قَدِ اتَّفَقَ أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ عَلٰى أَنَّ الرَّجُلَ لَوْ طَارَ فِي الْهَوَاءِ، أَوْ مَشٰى عَلَى الْمَاءِ، لَمْ يُغْتَرَّ بِهٖ حَتّٰى يُنْظَرَ مُتَابَعَتُهٗ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمُوَافَقَتُهٗ لِأَمْرِهٖ وَنَهْيِهٖ.

”ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت میں سے کسی شے کی مخالفت کرتا ہے، اس بنیاد پر کہ وہ ایسے شخص کی تقلید کر رہا ہے، جسے وہ اللہ کا ولی گمان کرتا ہے، تو اس نے اپنا سارا معاملہ اس بنیاد پر قائم کیا کہ وہ اللہ کا ولی ہے اور یہ کہ اللہ کا ولی کسی بات میں مخالفت نہیں کرتا۔ حالانکہ اگر وہ شخص واقعی اللہ کے بڑے اولیاء میں سے بھی ہو، جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یا ان کے نقش قدم پر چلنے والے تابعین، تب بھی اگر وہ کتاب وسنت کے خلاف کوئی بات کرے، تو اسے قبول نہیں کیا جائے گا۔ بھلا جب وہ (متبوع) ایسا نہ ہو (اور مخالف سنت

ہو)، تب کیا حال ہوگا؟

ان میں سے بہت سے لوگوں کو آپ دیکھیں گے کہ ان کے ہاں کسی شخص کے ولی ہونے کی بنیاد یہ ہوتی ہے کہ فلاں شخص سے بعض امور میں مکاشفہ کا صدور ہوتا ہے، یا بعض خارق عادت تصرفات واقع ہوتے ہیں، مثلاً وہ کسی شخص کی طرف اشارہ کرے، تو وہ مر جاتا ہے، یا ہوا میں اڑ کر مکہ یا کسی دوسرے شہر کی طرف چلا جاتا ہے، یا کبھی پانی پر چلتا ہے، فضا میں برتن اٹھا کر اسے (پانی وغیرہ سے) بھر لیتا ہے، یا بسا اوقات غیب سے خرچ کرتا ہے، یا کبھی لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے، یا کبھی کوئی شخص اس کی غیر موجودگی یا وفات کے بعد مدد کے لیے پکارے، تو وہ آ کر اس کی حاجت پوری کرتا ہے، یا لوگوں کو ان کے چوری شدہ چیزوں کی خبر دیتا ہے، یا غائب شخص کی خبر دیتا ہے، یا مریض کے متعلق آگاہ کرتا ہے، اس قسم کے دوسرے کام کرتا ہے، تو یاد رکھیے کہ ان میں سے کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے، جس سے کسی کا ولی اللہ ہونا ثابت ہو سکے، بلکہ اولیاء اللہ تو اس پر متفق ہیں کہ اگر کوئی شخص ہوا میں اڑنے لگے یا پانی پر چلنے لگے، تو اس سے دھوکہ نہیں کھانا، یہاں تک کہ اس کا متبع رسول ﷺ ہونا معلوم ہو جائے اور نبی کریم ﷺ کے اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہونا ثابت ہو جائے۔''

(الفُرقان بين أولياء الرّحمن وأولياء الشّيطان، ص 78-79)

✿ نیز فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الْأُمُورُ الْخَارِقَةُ لِلْعَادَةِ، وَإِنْ كَانَ قَدْ يَكُونُ صَاحِبُهَا وَلِيًّا لِّلّٰهِ، فَقَدْ يَكُونُ عَدُوًّا لِّلّٰهِ، فَإِنَّ هٰذِهِ الْخَوَارِقَ تَكُونُ لِكَثِيرٍ مِّنَ

الْكُفَّارِ، وَالْمُشْرِكِينَ وَأَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُنَافِقِينَ، وَتَكُونُ لِأَهْلِ الْبِدَعِ، وَتَكُونُ مِنَ الشَّيَاطِينِ، فَلَا يَجُوزُ أَنْ يُّظَنَّ أَنَّ كُلَّ مَنْ كَانَ لَهٗ شَيْءٌ مِنْ هٰذِهِ الْأُمُورِ أَنَّهٗ وَلِيٌّ لِّلّٰهِ، بَلْ يُعْتَبَرُ أَوْلِيَاءُ اللّٰهِ بِصِفَاتِهِمْ وَأَفْعَالِهِمْ وَأَحْوَالِهِمُ الَّتِي دَلَّ عَلَيْهَا الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ، وَيُعْرَفُونَ بِنُورِ الْإِيمَانِ وَالْقُرْآنِ وَبِحَقَائِقِ الْإِيمَانِ الْبَاطِنَةِ وَشَرَائِعِ الْإِسْلَامِ الظَّاهِرَةِ، مِثَالُ ذٰلِكَ أَنَّ الْأُمُورَ الْمَذْكُورَةَ وَأَمْثَالَهَا قَدْ تُوجَدُ فِي أَشْخَاصٍ وَيَكُونُ أَحَدُهُمْ لَا يَتَوَضَّأُ، وَلَا يُصَلِّي الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَةِ، بَلْ يَكُونُ مُلَابِسًا لِلنَّجَاسَاتِ، مُعَاشِرًا لِلْكِلَابِ، يَأْوِي إِلَى الْحَمَّامَاتِ وَالْقُمَامِينَ وَالْمَقَابِرِ وَالْمَزَابِلِ، رَائِحَتُهٗ خَبِيثَةٌ، لَا يَتَطَهَّرُ الطَّهَارَةَ الشَّرْعِيَّةَ، وَلَا يَتَنَظَّفُ.

”جس سے خارق عادت امور ظاہر ہوں، وہ اللہ کا ولی بھی ہوسکتا ہے اور اللہ کا دشمن بھی، کیونکہ خارق عادت اُمور کا ظہور بہت سے کفار، مشرکین، اہل بدعت اور منافقین سے ہوجاتا ہے، اہل بدعت سے بھی ایسے اُمور ظاہر ہوجاتے ہیں، یہ شیطان کی طرف سے ہوتے ہیں۔ لہٰذا جس سے بھی ایسا کوئی کام سرزد ہو جائے، اسے ولی اللہ نہیں سمجھ لینا چاہیے، بلکہ اولیاء اللہ کی پہچان کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ ان کی صفات واحوال کو دیکھا جائے گا، جن صفات پر کتاب وسنت دلالت کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ تو نور ایمان، قرآن، ایمان کے باطنی حقائق اور اسلام کے ظاہری ارکان سے پہچانے جاتے ہیں۔ اس کی

مثال یوں سمجھے کہ مذکورہ خارق عادت اُمور یا ان سے ملتے جلتے اُمور کبھی ایسے شخص میں بھی پائے جاتے ہیں، جو وضو نہیں کرتا، فرض نمازیں نہیں پڑھتا، بلکہ وہ نجاستوں سے لپٹا ہوتا ہے، کتوں کے ساتھ رہتا ہے، غسل خانوں، کوڑا کرکٹ کے ڈھیروں، قبرستانوں، گندی جگہوں میں پناہ لیتے ہیں، اس سے گندی بو آ رہی ہوتی، نہ شرعی طہارت کرتا ہے اور نہ صاف ستھرا رہتا ہے۔''

(الفُرقان بین أولیاء الرّحمٰن وأولیاء الشّیطٰن، ص 80)

سوال: ہجر قرآن (قرآن کو چھوڑ دینا) کا کیا مفہوم ہے؟

جواب: قرآن کو ترک کرنے کی مذمت آئی ہے۔

❀ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾

(الفُرقان: ٣٠)

''رسول کہے گا میرے رب! میری قوم قرآن کو چھوڑ چکی تھی۔''

ہجر قرآن کا مفہوم وسیع ہے، جس بارے میں ذیل کی عبارت مفید رہے گی۔

❀ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (۷۵۱ھ) فرماتے ہیں:

هَجْرُ الْقُرْآنِ أَنْوَاعٌ؛ أَحَدُهَا: هَجْرُ سَمَاعِهٖ وَالْإِيمَانِ بِهٖ، وَالْإِصْغَاءِ إِلَيْهِ، وَالثَّانِي: هَجْرُ الْعَمَلِ بِهٖ، وَالْوُقُوفِ عِنْدَ حَلَالِهٖ وَحَرَامِهٖ، وَإِنْ قَرَأَهٗ وَآمَنَ بِهٖ، وَالثَّالِثُ: هَجْرُ تَحْكِيمِهٖ، وَالتَّحَاكُمِ إِلَيْهِ فِي أُصُولِ الدِّينِ وَفُرُوعِهٖ، وَاعْتِقَادُ أَنَّهٗ لَا يُفِيدُ الْيَقِينَ، وَأَنَّ أَدِلَّتَهٗ لَفْظِيَّةٌ لَا تُحَصِّلُ الْعِلْمَ، وَالرَّابِعُ

: هَجْرُ تَدَبُّرِهِۦ، وَتَفَهُّمِهِۦ، وَمَعْرِفَةِ مَا أَرَادَ الْمُتَكَلِّمُ بِهِۦ مِنْهُ وَالْخَامِسُ : هَجْرُ الِاسْتِشْفَاءِ وَالتَّدَاوِي بِهِۦ فِي جَمِيعِ أَمْرَاضِ الْقَلْبِ وَأَدْوَائِهِ، فَيَطْلُبُ شِفَاءَ دَائِهِ مِنْ غَيْرِهِۦ، وَيَهْجُرُ التَّدَاوِيَ بِهِۦ، وَكُلُّ هٰذَا دَاخِلٌ فِي قَوْلِهِۦ تَعَالٰى : ﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ وَإِنْ كَانَ بَعْضُ الْهَجْرِ أَهْوَنَ مِنْ بَعْضٍ .

وَكَذَلِكَ الْحَرَجُ الَّذِي فِي الصُّدُورِ مِنْهُ، فَإِنَّهُۥ تَارَةً يَكُونُ حَرَجًا مِّنْ إِنْزَالِهِۦ، وَكَوْنِهِۦ حَقًّا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ، وَتَارَةً يَكُونُ مِنْ جِهَةِ التَّكَلُّمِ بِهِۦ، أَوْ كَوْنِهِۦ مَخْلُوقًا مِّنْ بَعْضِ مَخْلُوقَاتِهِۦ، أَلْهَمَ غَيْرَهُۥ أَنْ يَتَكَلَّمَ بِهِۦ، وَتَارَةً يَكُونُ مِنْ جِهَةِ كِفَايَتِهِۦ وَعَدَمِهَا، وَأَنَّهُۥ لَا يَكْفِي الْعِبَادَ، بَلْ هُمْ مُحْتَاجُونَ مَعَهُۥ إِلَى الْمَعْقُولَاتِ، وَالْأَقْيِسَةِ، أَوْ الْآرَاءِ، أَوْ السِّيَاسَاتِ، وَتَارَةً يَكُونُ مِنْ جِهَةِ دَلَالَتِهِۦ، وَمَا أُرِيدَ بِهِۦ حَقَائِقُهُ الْمَفْهُومَةُ مِنْهُ عِنْدَ الْخِطَابِ، أَوْ أُرِيدَ بِهِۦ تَأْوِيلُهَا، وَإِخْرَاجُهَا عَنْ حَقَائِقِهَا إِلٰى تَأْوِيلَاتٍ مُسْتَكْرَهَةٍ مُشْتَرَكَةٍ، وَتَارَةً يَكُونُ مِنْ جِهَةِ كَوْنِ تِلْكَ الْحَقَائِقِ، وَإِنْ كَانَتْ مُرَادَةً، فَهِيَ ثَابِتَةٌ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ، أَوْ أُوهِمَ أَنَّهَا مُرَادَةٌ لِضَرْبِ الْمَصْلَحَةِ، فَكُلُّ هٰؤُلَاءِ فِي

صُدُورِهِمْ حَرَجٌ مِّنَ الْقُرْآنِ، وَهُمْ يَعْلَمُونَ ذٰلِكَ مِنْ نُفُوسِهِمْ، وَيَجِدُونَهٗ فِي صُدُورِهِمْ، وَلَا تَجِدْ مُبْتَدِعًا فِي دِينِهٖ قَطُّ، إِلَّا وَفِي قَلْبِهٖ حَرَجٌ مِنَ الْآيَاتِ الَّتِي تُخَالِفُ بِدْعَتَهٗ، كَمَا لَا تَجِدْ ظَالِمًا فَاجِرًا، إِلَّا وَفِي صَدْرِهٖ حَرَجٌ مِّنَ الْآيَاتِ الَّتِي تَحُولُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ إِرَادَتِهٖ، فَتَدَبَّرْ هٰذَا الْمَعْنٰى، ثُمَّ ارْضَ لِنَفْسِكَ بِمَا تَشَآءُ.

”قرآن کو چھوڑنے (یعنی اس سے روگردانی) کی کئی قسمیں ہیں: ① ان میں سے ایک یہ ہے کہ انسان قرآن کو سننے، اس پر ایمان لانے اور توجہ سے سننے کو ترک کر دے۔ ② دوسری قسم یہ ہے کہ قرآن پر عمل کو ترک کرے، اس کے حلال وحرام کی پابندی کرنے سے گریز کرے، (اس صورت میں) چاہے وہ قرآن کی تلاوت کرتا ہو اور اس پر ایمان رکھتا ہو۔ ③ تیسری قسم یہ ہے کہ قرآن کو فیصل بنانے اور دینی اصول وفروع میں اس کی طرف رجوع کرنے کو ترک کرے اور یہ گمان کرے کہ وہ یقین کا فائدہ نہیں دیتا اور یہ کہ اس کی دلیلیں محض لفظی ہیں، جو علم یقینی پیدا نہیں کرتیں۔ ④ چوتھی قسم یہ ہے کہ قرآن میں تدبر، غور وفکر، اور اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد سمجھنے کو ترک کر دیا جائے۔ ⑤ پانچویں قسم یہ ہے کہ قرآن سے دل کے امراض کے علاج اور شفا کو ترک کر دیا جائے اور ان امراض کی شفا کسی اور چیز میں تلاش کی جائے نیز قرآن سے علاج ترک کر دیا جائے۔ ہجر قرآن کی یہ اقسام اس آیت کریمہ میں داخل

ہیں: ﴿وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا﴾ (الفرقان : ۳۰) ’’رسول کہے گا میرے رب! میری قوم قرآن کو چھوڑ چکی تھی۔‘‘ اگر چہ ان میں بعض اقسام کی روگردانی دوسرے سے کم تر ہیں۔ اسی طرح قرآن سے دل میں جو تنگی وتردد ہوتا ہے، اس کے اسباب بھی مختلف ہوتے ہیں؛ کبھی اس کی تنزیل (نازل کیے جانے) سے تنگی محسوس ہوتی ہے، کہ یہ اللہ کی طرف سے حق ہے۔ کبھی اس کے کلامِ الٰہی ہونے میں شک وتردد ہوتا ہے، یا یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ کسی مخلوق کا کلام ہے، جسے اللہ نے الہام کیا۔ کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ قرآن کافی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ عقل، قیاس، آراء اور سیاسیات کی بھی ضرورت ہے۔ کبھی قرآن کی دلالت اور جو حقائق اس سے سمجھے جاتے ہیں، ان سے تنگی محسوس ہوتی ہے، یا یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کی تاویل ہونی چاہیے اور وہ حقیقتاً مراد نہیں۔ کبھی یہ گمان ہوتا ہے کہ یہ حقائق اگر چہ مراد ہیں، مگر مصلحت کے تحت کہے گئے ہیں، نہ کہ حقیقتاً۔ یہ سب لوگ قرآن سے تنگی رکھتے ہیں اور وہ خود اپنے دلوں میں اس کا احساس کرتے ہیں۔ اور آپ کسی بدعتی کو نہ پائیں گے، مگر اس کے دل میں ان آیات کے بارے میں تنگی ہوگی، جو اس کی بدعت کے خلاف ہوں۔ جیسا کہ آپ دیکھیں گے کہ ہر ظالم وفاسق کے دل میں ان آیات سے تنگی ہوگی، جو اس کی خواہشات کے خلاف ہوں۔

لہٰذا اس بات پر غور کیجیے اور اپنے لیے وہی پسند کیجیے، جو آپ چاہیں۔‘‘

(الفوائد، ص 82)

فتاویٰ امن پوری (قسط ۷۰۰)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

سوال: تقیہ کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟

جواب: تقیہ شیعہ مذہب کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ شیعہ تقیہ کو ضروریات دین کا درجہ دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک تقیہ نہ کرنے والا تارکِ نماز کی مانند ہے۔

روافض کے ہاں تقیہ کا مفہوم یہ ہے کہ اپنے اصلی عقائد کو اہل سنت کے سامنے ظاہر نہ کیا جائے، تاکہ ہمارے بارے میں اچھی رائے قائم رہے۔

روافض کے عقائد میں واضح کفر پایا جاتا ہے، اس لیے تقیہ کے ذریعہ یہ لوگ اپنے باطن میں کفرِ محض رکھتے ہیں اور اسلام کا اظہار کرتے ہیں، تاکہ لوگ ان کے متعلق بری رائے قائم نہ کریں، یہ نفاق کی بری صورت ہے۔

تقیہ ان کا ایمان ہے، لہٰذا یہ اُمت کا خطرناک گروہ ہے، جو عقل و نقل کا دشمن ہے۔ یہ اسلام اور اہل اسلام کے خیر خواہ نہیں۔

روافض کی کتب میں تقیہ کے وجوب پر کئی نصوص موجود ہیں، جنہیں یہ اپنے ائمہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور انہیں دین کا درجہ دیتے ہیں۔

✿ امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے منسوب ہے:

اَلرِّيَاءُ مَعَ الْمُنَافِقِ فِي دَارِهٖ عِبَادَةٌ، وَمَعَ الْمُؤْمِنِ شِرْكٌ،

وَالتَّقِيَّةُ وَاجِبَةٌ، لَا يَجُوزُ تَرْكُهَا إِلٰى أَنْ يَخْرُجَ الْقَائِمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَمَنْ تَرَكَها فَقَدْ دَخَلَ فِي نَهْيِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَنَهْيِ رَسُولِهٖ وَالْأَئِمَّةِ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ .

”(تقیہ کرتے ہوئے) منافق (اہل سنت) کے ساتھ اس کے گھر (ریاست میں) دکھاوا کرنا عبادت ہے اور مؤمن (رافضی) کے ساتھ دکھاوا (تقیہ) کرنا شرک ہے۔ تقیہ واجب ہے، اسے ترک کرنا جائز نہیں، یہاں تک کہ قائم (آخری امام) خروج کریں۔ پس جس نے تقیہ کو ترک کیا، وہ اللہ عز وجل، رسول اور ائمہ (معصومین) صلوات اللہ علیہم کی ممانعت میں داخل ہو گیا۔“

(الهِداية لابن بابويه القُمّي الرّافضي :291/1)

چونکہ کفریہ اعتقادات میں شیعہ تقیہ کرتے ہیں اور اہل سنت کے موافق عقیدے کا اظہار کرتے ہیں، اس لیے عوام ان کے متعلق بہتر رائے رکھتی ہے۔

۞ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

شِعَارُهُمُ الذُّلُّ، وَدِثَارُهُمُ النِّفَاقُ وَالتَّقِيَّةُ، وَرَأْسُ مَالِهِمُ الْكَذِبُ وَالْأَيمَانُ الْفَاجِرَةُ، إِنْ لَمْ يَقَعُوا فِي الْغُلُوِّ وَالزَّنْدَقَةِ، يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ، وَيَكْذِبُونَ عَلٰى جَعْفَرٍ الصَّادِقِ أَنَّهٗ قَالَ: التَّقِيَّةُ دِينِي وَدِينُ آبَائِي، وَقَدْ نَزَّهَ اللّٰهُ أَهْلَ الْبَيْتِ عَنْ ذٰلِكَ، وَلَمْ يُحْوِجْهُمْ إِلَيْهِ، فَكَانُوا مِنْ أَصْدَقِ النَّاسِ وَأَعْظَمِهِمْ إِيمَانًا، فَدِينُهُمُ التَّقْوٰى لَا التَّقِيَّةُ .

''روافض کا شعار ذلت ہے اور ان کی چادر نفاق اور تقیہ ہے اور ان کا اصل سرمایہ جھوٹ اور جھوٹی قسمیں ہیں، اگر وہ غلو اور زندقت میں مبتلا نہ ہوں، تو وہ اپنی زبانوں سے وہ کچھ کہتے ہیں، جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتا اور امام جعفر صادق رحمہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: تقیہ میرا دین اور میرے آباء کا دین ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو ایسے اقوال سے پاک رکھا ہے اور انہیں اس تقیہ بازی کا محتاج نہیں بنایا، چنانچہ وہ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے اور سب سے عظیم ایمان والے تھے۔ پس ان کا دین تقویٰ تھا، نہ کہ تقیہ۔''

(المُنتقٰی من مِنھاج الاعتدال، ص 73)

❁ نیز فرماتے ہیں:

اَلرَّافِضَةُ يُقِرُّونَ بِالْكَذِبِ حَيْثُ يَقُولُونَ : دِينُنَا التَّقِيَّةُ وَهٰذَا هُوَ النِّفَاقُ ثُمَّ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَيَصِفُونَ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ بِالرِّدَّةِ وَالنِّفَاقِ فَهُمْ كَمَا قِيلَ؛

رَمَتْنِي بِدَائِهَا وَانْسَلَّتْ .

''روافض جھوٹ کا اقرار کرتے ہیں، جب وہ کہتے ہیں: ہمارا دین تقیہ ہے۔ جبکہ یہ تقیہ ہی نفاق ہے۔ پھر وہ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ وہی مؤمن ہیں۔ سابقین اولین کو ارتداد اور نفاق سے متصف کرتے ہیں، چنانچہ روافض بالکل اس کہاوت کے مصداق ہیں؛

''مجھے اس نے اپنے مرض کا طعنہ دیا اور خود نکل بھاگی۔''

(المُنتقٰى من مِنها ج الاعتدال، ص 23)

❀ حافظ ابو حامد مقدسی رحمہ اللہ (۸۸۸ھ) فرماتے ہیں:

مِنْ عَقَائِدِهِمُ الْبَاطِلَةِ التَّقِيَّةُ، وَقَوْلُهُمْ بِالتَّقِيَّةِ لَيْسَ بِالْمَعْنٰى الَّذِي يُرِيدُهُ أَهْلُ السُّنَّةِ مِنْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ، وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ وَتَحْقِيقُ ذٰلِكَ أَنَّ التَّقِيَّةَ مُحَافَظَةُ النَّفْسِ أَوِ الْعِرْضِ أَوِ الْمَالِ مِنْ شَرِّ الْأَعْدَاءِ وَالْعَدُوُّ قِسْمَانِ هُمَا؛

الْأَوَّلُ : مَنْ كَانَتْ عَدَاوَتُهٗ مَبْنِيَّةً عَلَى اخْتِلَافِ الدِّينِ .

وَالثَّانِي : مَنْ كَانَتْ عَدَاوَتُهٗ مَبْنِيَّةً عَلٰى أَغْرَاضٍ دُنْيَوِيَّةٍ كَالْمَالِ وَالْمَتَاعِ .

لٰكِنِ الشِّيعَةُ لَا يُرِيدُونَ مِنَ التَّقِيَّةِ إِلَّا الْكَذِبَ وَالْخِيَانَةَ وَالْخِدَاعَ وَالتَّظَاهُرَ بِغَيْرِ مَا يُبْطِنُونَهٗ .

''روافض کے باطل عقائد میں سے ایک تقیہ ہے۔ان کے تقیہ کا مفہوم وہ نہیں، جو اہل سنت مراد لیتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ، وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً﴾ ''مؤمن کافروں کو چھوڑ کر مؤمنوں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا، وہ

اللہ کی طرف سے کسی چیز میں نہیں، سوائے اس کے کہ تم ان (کافروں) سے تقیہ اختیار کرو۔''

اس کی حقیقت یہ ہے کہ تقیہ دشمنوں کے شر سے جان، عزت یا مال کی حفاظت کا نام ہے اور دشمن دو قسم کے ہوتے ہیں؛ ① جن کی دشمنی دین کے اختلاف کی بنیاد پر ہو۔ ② جن کی دشمنی دنیاوی اغراض (جیسے مال وعیش وعشرت) پر مبنی ہو، لیکن شیعہ تقیہ سے مراد صرف جھوٹ، خیانت، دھوکہ دہی اور باطن کے خلاف ظاہر کرنا لیتے ہیں۔''

(رِسالة في الرّدّ على الرّافضة، ص 104)

تقیہ کی جو صورت جائز ہے، وہ یہ ہے کہ کسی مسلمان کو کفار کلمہ کفر کہنے پر مجبور کر دیں، اسے قتل کی دھمکی دیں اور شدید نقصان کا اندیشہ ہو، تو اس کے لیے جان بچانے کے لیے کلمہ کفر کہنا جائز ہے، بشرطیکہ دل سے ایمان پر قائم ہو، کلمہ کفر صرف زبانی ہو، دل میں کفر پر رضا مندی نہ ہو، بلکہ ایمان پر اطمینان ہو۔ تقیہ (بچاؤ) کی یہ صورت اہل سنت کے ہاں جائز ہے، کیونکہ اس کا ذکر قرآن کریم میں موجود ہے۔

۞ علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (۴۴۹ھ) فرماتے ہیں:

أَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ مَنْ أُكْرِهَ عَلَى الْكُفْرِ حَتّٰى خَشِيَ عَلٰى نَفْسِهِ الْقَتْلَ أَنَّهٗ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنْ كَفَرَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ، وَلَا تُبَانُ مِنْهُ زَوْجَتُهٗ، وَلَا يُحْكَمُ عَلَيْهِ بِحُكْمِ الكُفْرِ.

''علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا جائے یہاں تک کہ وہ اپنی جان کے قتل کا خوف محسوس کرے، تو اگر وہ کفر کا اظہار کرے جبکہ اس کا

دل ایمان پر مطمئن ہو، تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے، نہ ہی اس کی بیوی اس سے جدا کی جائے گی، اور نہ ہی اس پر کفر کا حکم لگایا جائے گا۔

(شرح صحيح البخاري : 291/8)

لیکن روافض دل میں کفر چھپاتے ہیں اور کلمہ حق ظاہر کرتے ہیں، یہ بالکل عہد نبوی کے منافقین والا عمل ہے۔ وہ بھی اوپر سے کلمہ کا اقرار کرتے تھے، اعمال بھی مسلمانوں والے کرتے تھے، لیکن اندر سے پکے کافر تھے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور مؤمنوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تھے، حالانکہ یہ خود کو ہی دھوکہ دے رہے ہوتے تھے۔

❀ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ﴾(البقرة : ٩)

”وہ اللہ اور مؤمنوں کو دھوکہ دیتے ہیں، حالانکہ وہ اپنے آپ کو ہی دھوکہ دے رہے ہیں، مگر شعور نہیں رکھتے۔“

❀ فرمان الٰہی ہے:

﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلٰى شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ إِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِئُونَ ٭ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ٭ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾

(البقرة : ١٤ـ١٦)

”جب وہ مؤمنوں سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور جب

اپنے (ہم کفر) سرداروں کے پاس الگ ہوتے ہیں، تو انہیں کہتے ہیں کہ ہم آپ کے ساتھ ہیں، (مسلمانوں کے ساتھ تو) ہم مذاق کرتے ہیں۔ اللہ بھی ان سے استہزا کرتا ہے اور انہیں مہلت دیتا ہے، وہ اپنی سرکشی میں بھٹکے جا رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں، جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی کا سودا کیا، مگر ان کی تجارت نے انہیں نفع نہ دیا اور نہ یہ راہ راست پر آ سکے۔''

ان آیات کی رو سے منافقین اور تقیہ باز روافض کی روش ایک جیسی ہے، لہٰذا یہ کہنے کوئی باک نہیں کہ ان آیات میں تقیہ بازوں کا بھی رد ہے اور ان کے عمل شنیع کی بھی مذمت کی گئی ہے۔ یہ بھی منافقین کی طرح مسلمانوں کو تقیہ کے ذریعے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی بدعقیدگیاں چھپا کر اہل سنت میں گھلنے ملنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اہل عقل وبینش اور اہل دین پر ان کی چالبازیاں مخفی نہیں، جو ان کے اصلی عقائد سے واقف ہیں، وہ ان کی ملمع سازاور تقیہ میں ملبوس گفتگو سے متاثر نہیں ہوتے۔ نیز جس طرح منافقین کی قلعی روز قیامت کھل جائے گی، بعینہ جو روافض تقیہ کے سہارے اپنے کفر و نفاق کو چھپاتے ہیں، ان کا باطن بھی سب پر عیاں ہو جائے گا، ان شاء اللہ۔ وہ دن دور نہیں!

روافض کی سب سے بڑی جسارت یہ ہے کہ وہ تقیہ جیسے نفاق کو پاکباز ہستیوں کی طرف منسوب کر دیتے ہیں، روافض خود تو باطنی کفر کا شکار ہیں، وہ اپنے زہر آلود عقائد اور نفاق سے بھرے رویوں کو نعوذ باللہ عظیم الشان اور عالی المقام ہستیوں مثلاً نبی کریم ﷺ، سیدنا علی بن ابی طالب، حسنین کریمین رضی اللہ عنہم، امام باقر، امام جعفر صادق اور دیگر ائمہ رحمہم اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ یہ ہستیاں ان باطنی بدعقیدگی سے بالکل پاک تھیں، وہ بہادر تھے، بزدل نہیں، مؤمن تھے، منافق نہیں۔

ان ہستیوں کے اعمال کو تقیہ کی طرف منسوب کرنا ان کی توہین ہے، جس کے تصور سے ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں۔

روافض جب اہل بیت کے عقائد و اعمال کو دیکھتے ہیں اور انہیں اپنے عقائد و اعمال کے منافی اور مخالف پاتے ہیں، تو فوراً کہہ دیتے ہیں کہ اہل بیت نے وہ عقائد و اعمال تقیہ کرتے ہوئے ظاہر کیے ہیں، ورنہ ان کے عقائد وہی تھے، جو ہمارے ہیں۔ یہ بہت بڑی جسارت ہے، جس پر اللہ تعالیٰ کے ہاں انہیں جوابدہ ہونا پڑے گا۔ اللہ ان پر لعنت کرے کہ یہ اہل بیت عظام کو کفر سے منسوب کرتے ہیں، العیاذ باللہ!

❁ سالم بن ابی حفصہ (۱۴۰ھ) کا بیان ہے:

سَأَلْتُ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ عَلِيٍّ وَجَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ، وَعُمَرَ، فَقَالَا لِي : يَا سَالِمُ تَوَلَّاهُمَا وَابْرَأْ مِنْ عَدُوِّهِمَا فَإِنَّهُمَا كَانَا إِمَامَيْ هُدًى، قَالَ سَالِمٌ : وَقَالَ لِي جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدٍ : يَا سَالِمُ أَيَسُبُّ الرَّجُلُ جَدَّهُ؟ أَبُو بَكْرٍ جَدِّي لَا نَالَتْنِي شَفَاعَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَتَوَلَّاهُمَا وَأَبْرَأُ مِنْ عَدُوِّهِمَا .

”میں نے ابو جعفر محمد بن علی (باقر رحمہ اللہ) اور جعفر بن محمد (صادق رحمہ اللہ) سے ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں سوال کیا، تو انہوں نے کہا: سالم! ان سے محبت رکھیے اور ان کے دشمنوں سے براءت کا اظہار کیجیے، کیونکہ وہ دونوں ہدایت کے امام تھے، سالم کہتے ہیں: مجھے جعفر بن محمد صادق رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا: سالم!

کیا آدمی اپنے نانا کو برا بھلا کہہ سکتا ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ میرے نانا ہیں، مجھے قیامت کے دن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت حاصل نہیں ہوگی، اگر میں ان (ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) سے محبت نہ رکھوں اوران کے دشمنوں سے اظہارِ برأت نہ کروں۔''

(زوائد فضائل الصّحابة لعبد اللّٰه بن أحمد : 176، الإعتقاد للبيهقي : 506، وسندهٗ حسنٌ)

✿ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (۷۴۸ھ) فرماتے ہیں:

كَانَ سَالِمٌ فِيْهِ تَشَيُّعٌ ظَاهِرٌ، وَمعَ هٰذَا فَيَبُثُّ هٰذَا الْقَوْلَ الْحَقَّ، وَإِنَّمَا يَعْرِفُ الْفَضْلَ لِأَهْلِ الْفَضْلِ ذُوْ الْفَضْلِ، وَكَذٰلِكَ نَاقِلُهَا ابْنُ فُضَيْلٍ شِيْعِيٌّ، ثِقَةٌ، فَعَثَّرَ اللّٰهُ شِيْعَةَ زَمَانِنَا، مَا أَغْرَقَهُمْ فِي الْجَهْلِ وَالْكَذِبِ! فَيَنَالُوْنَ مِنَ الشَّيْخَيْنِ، وَزِيْرَيِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَحْمِلُوْنَ هٰذَا الْقَوْلَ مِنَ الْبَاقِرِ وَالصَّادِقِ عَلَى التَّقِيَّةِ .

''سالم بن ابی الجعد میں تشیع پایا جاتا تھا،اس کے باوجود وہ اس حق بات کونقل کررہے ہیں اورحقیقت یہ ہے کہ فضیلت والوں کی فضیلت کو وہی پہچانتا ہے جوخود صاحب فضیلت ہو۔اسی طرح اس قول کونقل کرنے والے ابن فضیل بھی شیعہ ہیں، مگر ثقہ ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمارے زمانے کے شیعوں کو برباد کرے، وہ کس قدر جہالت اورجھوٹ میں غرق ہیں! وہ شیخین (سیدنا ابوبکرصدیق اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما) پرطعن کرتے ہیں، جوکہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں وزیر تھےاور پھر وہ اس قول کو جوامام باقر رحمہ اللہ اورامام صادق رحمہ اللہ سے منقول ہے،

تقیہ پر محمول کرتے ہیں۔‘‘

(سِیَر أعلام النُّبلاء : 402/4)

❁ جعفر صادق رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

بَرِئَ اللّٰهُ مِمَّنْ تَبَرَّأَ مِنْ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ .

’’اللہ تعالیٰ اس شخص سے بری ہے، جو ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے برائت کرتا ہے۔‘‘

(سِیَر أعلام النُّبلاء للذّهبي : 260/6)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا الْقَوْلُ مُتَوَاتِرٌ عَنْ جَعْفَرٍ الصَّادِقِ، وَأَشْهَدُ بِاللّٰهِ إِنَّهٗ لَبَارٌّ فِي قَوْلِهٖ، غَيْرُ مُنَافِقٍ لِأَحَدٍ، فَقَبَّحَ اللّٰهُ الرَّافِضَّةَ .

’’یہ قول جعفر صادق رحمہ اللہ سے متواتر ہے، میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں کہ آپ رحمہ اللہ اپنی بات میں سچے ہیں اور آپ رحمہ اللہ کے دل میں کسی کے لیے بھی نفاق نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ روافض کو برباد کرے۔‘‘

(سِیَر أعلام النُّبلاء : 260/6)

❁ حسن بن حسن بن حسن بن علی بن ابی طالب رحمہ اللہ نے ایک رافضی سے کہا:

وَاللّٰهِ لَئِنْ أَمْكَنَنَا اللّٰهُ مِنْكُمْ لَنَقْطَعَنَّ أَيْدِيَكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ، ثُمَّ لَا نَقْبَلُ مِنْكُمْ تَوْبَةً، فَقَالَ رَجُلٌ : لِمَ لَا يُقْبَلُ مِنْهُمْ تَوْبَةٌ؟ قَالَ : نَحْنُ أَعْلَمُ بِهَا، وَلَا مِنْكُمْ، إِنَّ هٰؤُلَاءِ إِنْ شَاؤُوا صَدَقُوكُمْ، وَإِنْ شَاؤُوا كَذَبُوكُمْ، وَزَعَمُوا أَنَّ ذٰلِكَ يَسْتَقِيمُ لَهُمْ فِي التَّقِيَّةِ، وَيْلَكَ! إِنَّ التَّقِيَّةَ إِنَّمَا هِيَ بَابُ رُخْصَةٍ لِلْمُسْلِمِ، إِذَا اضْطُرَّ

إِلَيْهَا، وَخَافَ مِنْ ذِي سُلْطَانٍ، أَعْطَاهُ غَيْرَ مَا فِي نَفْسِهٖ، يَدْرَأُ عَنْ ذِمَّةِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَلَيْسَ بِبَابِ فَضْلٍ، إِنَّمَا الْفَضْلُ فِي الْقِيَامِ بِأَمْرِ اللّٰهِ، وَقَوْلِ الْحَقِّ، وَأَيْمُ اللّٰهِ! مَا بَلَغَ مِنَ التَّقِيَّةِ أَنْ يُّجْعَلَ بِهَا لِعَبْدٍ مِنْ عِبَادِ اللّٰهِ أَنْ يُضِلَّ عِبَادَ اللّٰهِ.

''اللہ کی قسم! اگر اللہ ہمیں تم پر غلبہ دے دے، تو ہم ضرور تمہارے ہاتھ اور پاؤں کاٹ ڈالیں گے، پھر تم سے توبہ بھی قبول نہ کریں گے۔ تو ایک شخص نے کہا: ان کی توبہ کیوں قبول نہیں کی جائے گی؟ فرمایا: ہمیں اس توبہ کا تم سے زیادہ علم ہے۔ بے شک یہ لوگ اگر چاہیں تو تم سے سچ بولیں اور اگر چاہیں تو جھوٹ بولیں اور یہ دعویٰ کریں کہ یہ سب کچھ ان کے لیے تقیہ کے تحت جائز ہے۔ افسوس! تقیہ تو صرف مسلمان کے لیے ایک رخصت کا دروازہ ہے کہ جب وہ مجبوری میں ہو اور کسی صاحب اقتدار سے ڈرے، تو وہ اس کو (ظاہراً) اپنی دل کی بات کے خلاف کوئی بات کر دے، تاکہ اللہ کی پناہ میں رہے۔ یہ تقیہ کوئی فضیلت کا دروازہ نہیں ہے۔ فضیلت تو صرف اللہ کے حکم پر قائم رہنے اور حق بات کہنے میں ہے۔ اللہ کی قسم! تقیہ اس حد تک نہیں پہنچتا کہ اس کے ذریعے اللہ کے کسی بندے کو یہ حق حاصل ہو جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو گمراہ کرتا پھرے۔''

(تاریخ ابن عَساکِر: 69/13، وسندہٗ حسنٌ)

یہ چند گواہیاں ہیں، جو اہل بیت کی طرف سے دی گئی ہیں، حالانکہ روافض اپنے ائمہ کو معصوم سمجھتے ہیں اور عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی ہر بات مبنی بر حقیقت ہے اور ان سے کوئی بات

سہواً بھی غلط سرزد نہیں ہوسکتی، پھر وہ ان ائمہ کے عقائد کو کیوں نہیں اپناتے؟

شیعہ مذہب کی حقیقت تقیہ ہے۔ یہ اس حقیقت کو اختیار کرتے ہوئے اپنے کفریہ عقائد و اعمال کو چھپاتے ہیں اور خود کو امت مسلمہ ظاہر کرتے ہیں۔ شیعہ قرآن کریم کے بارے میں بالاتفاق یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ قرآن میں نقص واقع ہو گیا ہے۔ جب شیعہ سے پوچھا جائے، تو تقیہ کرتے ہوئے فوراً قرآن کو غیر محرف بتاتے ہیں۔ اسی طرح اہل سنت کی کتب میں موجود احادیث کا انکار کرتے ہیں، لیکن جب ان سے پوچھا جائے، تو تقیہ کرتے ہوئے اقرار کرتے ہیں۔ اصحاب رسول ﷺ، خصوصاً اصحاب ثلاثہ، سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کو مرتد کافر اور غاصب سمجھتے ہیں، لیکن تقیہ کی وجہ سے برملا اس کا اظہار نہیں کرتے۔ شیعہ اپنے ائمہ معصومین کو نبی کریم ﷺ کے علاوہ باقی تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر فائق سمجھتے ہیں، لیکن تقیہ کرتے ہوئے سرعام اس کا اظہار نہیں کرتے۔

❁ امام ابو بکر آجری رحمہ اللہ (۳۶۰ھ) فرماتے ہیں:

اَلْخُلَفَاءُ الرَّاشِدُونَ فَهُمْ؛ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ وَعَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، فَمَنْ كَانَ لَهُمْ مُحِبًّا رَاضِيًا بِخِلَافَتِهِمْ، مُتَّبِعًا لَهُمْ، فَهُوَ مُتَّبِعٌ لِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَلِسُنَّةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَمَنْ أَحَبَّ أَهْلَ بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الطَّيِّبِينَ، وَتَوَلَّاهُمْ وَتَعَلَّقَ بِأَخْلَاقِهِمْ، وَتَأَدَّبَ بِأَدَبِهِمْ، فَهُوَ عَلَى الْمَحَجَّةِ الْوَاضِحَةِ، وَالطَّرِيقِ الْمُسْتَقِيمِ وَالْأَمْرِ الرَّشِيدِ، وَيُرْجٰى لَهُ النَّجَاةَ ...... فَإِنْ قَالَ

قَائِلٌ : فَمَا تَقُولُ فِيمَنْ يَزْعُمُ أَنَّهُ مُحِبٌّ لِأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ، مُتَخَلِّفٌ عَنْ مَحَبَّةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَعَنْ مَحَبَّةِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، غَيْرُ رَاضِي بِخِلَافَةِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ؟ هَلْ تَنْفَعُهُ مَحَبَّةُ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ؟ قِيلَ لَهُ : مُعَاذَ اللّٰهِ، هٰذِهِ صِفَةُ مُنَافِقٍ، لَيْسَتْ بِصِفَةِ مُؤْمِنٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : «لَا يَحِبُّكَ إِلَّا مُؤْمِنٌ، وَلَا يُبْغِضُكَ إِلَّا مُنَافِقٌ»

وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ : «مَنْ آذٰى عَلِيًّا فَقَدْ آذَانِي وَشَهِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِالْخِلَافَةِ وَشَهِدَ لَهُ بِالْجَنَّةِ، وَبِأَنَّهُ شَهِيدٌ، وَأَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مُحِبٌّ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِرَسُولِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَرَسُولَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحِبَّانِ لِعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَجَمِيعُ مَا شَهِدَ لَهُ بِهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْفَضَائِلِ الَّتِي تَقَدَّمَ ذِكْرُنَا لَهَا وَمَا أَخْبَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَحَبَّتِهِ لِلْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، مِمَّا تَقَدَّمَ ذِكْرُنَا لَهُ، فَمَنْ لَّمْ يُحِبَّ هٰؤُلَاءِ وَيَتَوَلَّهُمْ

فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَقَدْ بَرِئَ مِنْهُ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ وَعُثْمَانُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَكَذَا مَنْ زَعَمَ أَنَّهٗ يَتَوَلّٰى عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَيُحِبُّ أَهْلَ بَيْتِهٖ وَيَزْعُمُ أَنَّهٗ لَا يَرْضٰى بِخِلَافَةِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَلَا عُثْمَانَ وَلَا يُحِبُّهُمْ وَيَبْرَأُ مِنْهُمْ، وَيَطْعَنُ عَلَيْهِمْ، فَنَشْهَدُ بِاللّٰهِ يَقِينًا أَنَّ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ وَالْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ بَرَآءٌ مِنْهُ لَا تَنْفَعُهٗ مَحَبَّتُهُمْ حَتّٰى يُحِبَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، كَمَا قَالَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فِيمَا وَصَفَّهُمْ بِهٖ، وَذَكَرَ فَضْلَهُمْ، وَتَبَرَّأَ مِمَّنْ لَمْ يُحِبَّهُمْ، فَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَعَنْ ذُرِّيَّتِهِ الطَّيِّبَةِ، هٰذَا طَرِيقُ الْعُقَلَاءِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِمَّنْ يَقْذِفُ أَهْلَ بَيْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطَّعْنِ عَلٰى أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، لَقَدِ افْتَرٰى عَلٰى أَهْلِ الْبَيْتِ وَقَذَفَهُمْ بِمَا قَدْ صَانَهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَنْهُ.

”خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم یہ ہیں؛ ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔ سو جو شخص ان سے محبت رکھے، ان کی خلافت کو دل سے قبول کرے، ان کی پیروی کرے، تو وہ یقیناً کتاب اللہ عزوجل اور سنت

رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے والا ہے۔ جس نے رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت طیبین سے محبت کی، ان سے ولایت رکھی، ان کے اخلاق سے وابستہ ہوا، اوران کے ادب واحترام کو اپنایا، تو وہ روشن راستے، سیدھے طریقے اور راہِ رشد و ہدایت پر ہے اوراس کے لیے نجات کی امید ہے۔...... پھر اگر کوئی سوال کرے : اس شخص کے بارے میں آپ کا کیا کہنا ہے، جو ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے محبت کا دعویدار ہو، مگر علی بن ابی طالب، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم سے محبت نہ رکھتا ہواور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کو نہ مانتا ہو؟ کیا اسے صرف سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کی محبت فائدہ دے گی؟ تو اسے کہا جائے گا : معاذ اللہ! یہ نفاق کی علامت ہے، مؤمن کی علامت نہیں۔ نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ سے صرف مؤمن ہی محبت کرے گا اور آپ سے منافق ہی بغض رکھے گا۔'' نیز فرمایا: ''جس نے علی کو اذیت دی، اس نے مجھے اذیت دی۔''

نبی کریم ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے لیے خلافت، جنت اور شہادت کی گواہی دی۔ یہ بھی فرمایا: ''علی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ اور اس کا رسول بھی علی سے محبت رکھتے ہیں۔'' نبی کریم ﷺ نے ان کے وہ فضائل بیان کیے، جن کا پہلے ذکر ہو چکا۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے حسن وحسین رضی اللہ عنہما سے محبت کو بیان فرمایا ہے۔ لہٰذا جو ان سے محبت نہ کرے اور ان سے براءت اختیار کرے، اس پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور اس سے ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم بھی بری ہیں۔

اسی طرح جو شخص دعویٰ کرے کہ وہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے اور ان کے اہل بیت سے محبت رکھتا ہے، مگر وہ سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم کی خلافت کو نہیں مانتا، ان سے محبت نہیں کرتا، بلکہ ان پر طعن کرتا ہے، تو ہم یقین کے ساتھ اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ علی، حسن اور حسین رضی اللہ عنہم اس سے بری ہیں۔ ایسے شخص کو ان حضرات کی محبت نفع نہ دے گی، جب تک وہ ابو بکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم سے بھی محبت نہ کرے۔ جیسا کہ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان صحابہ کے بارے میں ان کی فضیلت بیان فرمائی اور ان کی مدح کی اور ان سے محبت نہ رکھنے والوں سے براءت کا اظہار فرمایا۔ اللہ ان سے اور ان کی پاکیزہ ذریت سے راضی ہو۔

یہی باشعور مسلمانوں کا راستہ ہے۔ ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں ایسے شخص سے، جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کی طرف یہ بات منسوب کرے کہ وہ سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر بن خطاب اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہم پر طعن کرتے تھے، اس نے اہل بیت پر بہتان باندھا اور ان کی طرف ایسی بات منسوب کی، جس سے اللہ عزوجل نے انہیں پاک رکھا ہے۔‘‘

(الشّریعة : 2221/5)

تقیہ پر دلائل:

روافض تقیہ کے جواز پر بعض دلائل بھی پیش کرتے ہیں، جن سے استدلال بالکل باطل ہے۔ قرآن وسنت کی نصوص کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں اور معنوی تحریف کے مرتکب ہوتے ہیں، بعد اس کے کہ وہ قرآن میں تحریف لفظی کے بھی قائل ہیں۔

❁ علامہ ابو حامد مقدسی رحمہ اللہ (۸۸۸ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا أَدِلَّتُهُمْ مِنَ السُّنَّةِ، فَكُلُّهَا أَوْ أَكْثَرُهَا ضَعِيفَةٌ أَوْ مَوْضُوعَةٌ مِنَ الْكَذِبِ الْمُفْتَرٰى عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهٰذَا لَا يَخْفٰى إِلَّا عَلٰى غَبِيٍّ جَامِدٍ، وَمِنْ أَفْضَحِهَا الْأَحَادِيثُ الْمَجْمُوعَةُ فِي الْكِتَابِ الْمُسَمّٰى بِالْوَصَايَا النَّبَوِيَّةِ .

''جہاں تک ان کی سنت سے دلیلوں کا تعلق ہے، تو وہ تمام کی تمام یا ان میں سے اکثر ضعیف یا من گھڑت (موضوع) روایتیں ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر افترا (جھوٹ باندھ کر) گھڑی گئی ہیں، اور یہ بات صرف کسی جاہل، جامد (سوچ سے عاری) شخص پر ہی مخفی رہ سکتی ہے۔ اور ان میں سب سے زیادہ رسوا کن وہ احادیث ہیں، جو ''الوصایا النبویہ'' نامی کتاب میں جمع کی گئی ہیں۔

(رسالة في الرّدّ على الرّافضة، ص 200)

تنبیہ:

❁ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں:

إِنَّ رَجُلًا اسْتَأْذَنَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَآهُ قَالَ : بِئْسَ أَخُو الْعَشِيرَةِ، وَبِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي وَجْهِهٖ وَانْبَسَطَ إِلَيْهِ، فَلَمَّا انْطَلَقَ الرَّجُلُ قَالَتْ لَهٗ عَائِشَةُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ، حِينَ رَأَيْتَ الرَّجُلَ قُلْتَ لَهٗ كَذَا وَكَذَا، ثُمَّ تَطَلَّقْتَ فِي وَجْهِهٖ

وَانْبَسَطْتَ إِلَيْهِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : يَا عَائِشَةُ، مَتٰى عَهِدْتِنِي فَحَّاشًا، إِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّهِ.

’’ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے پاس آنے کی اجازت مانگ رہا تھا، نبی ﷺ نے اسے دیکھا، تو فرمایا: یہ اپنی قوم کا برا آدمی ہے اور اپنی برادری کا بدترین شخص ہے۔ جب وہ شخص مجلس میں بیٹھ گیا، تو نبی کریم ﷺ نے اس سے خوش اخلاقی سے بات کی اور چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ پیش آئے۔ جب وہ شخص چلا گیا، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ کے رسول! جب آپ نے اس شخص کو دیکھا، تو اس کے بارے میں فلاں فلاں کلمات فرمائے، پھر آپ نے اس سے خندہ پیشانی سے بات کی؟ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عائشہ! آپ نے مجھے کب فاحش گو پایا؟ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن بدترین شخص وہ ہوگا، جسے لوگ اس کے شر سے بچنے کے لیے چھوڑ دیں۔‘‘

(صحيح البخاري : 6032، صحيح مسلم :2591)

آنے والا اپنے قبیلے کا بااثر مگر برے اخلاق والا شخص تھا، اس لیے نبی کریم ﷺ نے دوسروں کی خیر خواہی کرتے ہوئے اس کے شر سے متنبہ کر دیا، تا کہ کوئی شخص اس کے ساتھ کوئی معاملہ کر کے پریشانی نہ اٹھائے، ایسا نبی کریم ﷺ نے لوگوں کی خیر خواہی کے لیے کیا، کیونکہ برے لوگوں سے خبردار کرنا اور دوسروں کو اس کی خرابی سے بچانا مطلوب شریعت ہے، جس کا نبی کریم ﷺ نے اظہار فرمایا۔

باقی مجلس میں اس سے خندہ پیشانی سے بات چیت کرنا حکمت عملی اور مدارات میں

سے ہے۔ نبی کریم ﷺ کسی سے بھی برے انداز میں پیش نہیں آتے تھے، بلکہ سیاست شرعیہ اور حکمت کے تحت ہر برے کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملاقات کرتے تھے۔ یہ مؤمنانہ فراست ہے۔

اس حدیث کا تقیہ سے دور دور تک کوئی تعلق نہیں۔ یہ تو اخلاق اور شر سے بچاؤ کے لیے حکمت عملی ہے۔

(سوال): علما کا دعوتی اُسلوب کیا ہونا چاہیے؟

(جواب): اہل علم کو چاہیے کہ اپنی زندگی کو عقیدہ، عمل، صبر اور اخلاق پر استوار کریں۔ نرم خوئی کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اپنی دعوت میں مداہنت اور تکاسل کا شکار ہو جائیں، جسے دین سمجھیں، اسے حکمت ودانائی اور دلیری کے ساتھ بیان کرنا چاہیے کہ یہ علما کا اخلاقی وایمانی فریضہ ہے۔حق گوئی حق پرستوں کا وطیرہ ہے۔ جب آپ دعوت الی اللہ کا کام کریں گے،تو لامحالہ لوگوں کی مخالفت،نفرت اور بغض کا شکار ہوں گے،اسلام کے سب سے بڑے داعی اور اخلاق کے سب سے اعلیٰ پیکر محمد کریم ﷺ کی دعوت پر بھی انہیں ستایا گیا، آپ ﷺ کو بدنام کرنے کی کوشش کی گئی، آپ ﷺ کے برے برے نام رکھے گئے، آپ ﷺ کی مذمت کی گئی، آپ ﷺ کو لالچ دیا گیا،طرح طرح کی دھمکیاں دی گئیں، مگر آپ ﷺ نے اخلاص کے ساتھ دعوت جاری رکھی، ذاتی انتقام نہیں لیا،عفو ودرگزر اور شفقت کا معاملہ کیا۔فتح مکہ کے موقع عام معافی کا اعلان کرنا اس پر شاہد عدل ہے۔

ہمارے نبی کریم ﷺ کی دعوتی زندگی دکھوں سے عبارت ہے،مگر آپ ﷺ جبل استقامت بنے رہے، نبی کریم ﷺ سے پہلے انبیائے کرام علیہم السلام کو بھی ستایا گیا، بلکہ بعض کو قتل تک کر دیا گیا، نبی کریم ﷺ کو تسلی وتشفی کے طور پر پہلے انبیاء کی سیرت اور ان پر

ڈھائے گئے مظالم کے واقعات بیان کیے گئے، تا کہ آپ ﷺ کی ڈھارس بندھ جائے اور آپ ﷺ اپنی دعوت تسلسل کے ساتھ جاری رکھ سکیں۔

نبی کریم ﷺ خاتم النبیین ہیں، آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی یا رسول پیدا نہ ہوگا، اب دعوت دین کی ذمہ داری اُمت پر بالعموم اور علمائے اُمت پر بالخصوص عائد ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اس ذمہ داری سے کما حقہ عہدہ برآ ہوں۔ ہماری بقا، ہماری قوت اور ہماری آن وشان دعوت حق پیش کرنے میں ہے۔

نبی کریم ﷺ کے ماننے والوں کو بھی چاہیے کہ وہ دعوت میں نبوی اسلوب اپنائیں، حق کو ڈنکے کی چوٹ بیان کریں، لومۃ لائم کی پرواہ نہ کریں، اپنی مذمت کے خوف سے حق گوئی سے باز نہ آئیں، کیونکہ ہماری عزت اور ہمارا وقار دین پر استقامت میں ہے، نہ کہ مداہنت ظاہر کرنے میں۔

دعوت حق کا راستہ پرخطر اور پُرکٹھن ہے، اس پر چلنا ہر کس وناکس کا کام نہیں، یہ عزیمت والا راستہ ہے، اسے چنیدہ لوگ ہی طے کر سکتے ہیں۔

ہم پرفتن دور میں جی رہے ہیں، میڈیائی فتنے ہیں، الحاد اور بے دینی عروج پر ہے، جہلا مذہبی راہنماؤں کا روپ دھار چکے ہیں۔ ان حالات میں علمائے اہل حدیث کو چاہیے کہ علم نبوت کی پاسبانی کریں، اپنی دعوت کی بنیاد اسلاف اُمت کے علم وعمل پر ڈالیں، کوئی لمحہ دعوت کے بغیر نہ گزرنے پائے۔

❁ سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كُونُوا فِي النَّاسِ كَالنَّحْلَةِ فِي الطَّيْرِ، إِنَّهُ لَيْسَ مِنَ الطَّيْرِ شَيْءٌ إِلَّا وَهُوَ يَسْتَضْعِفُهَا، وَلَوْ يَعْلَمُ الطَّيْرُ مَا فِي أَجْوَافِهَا

مِنَ الْبَرَكَةِ، لَمْ يَفْعَلُوا ذٰلِكَ بِهَا، خَالِطُوا النَّاسَ بِأَلْسِنَتِكُمْ وَأَجْسَادِكُمْ، وَزَايِلُوهُمْ بِأَعْمَالِكُمْ وَقُلُوبِكُمْ، فَإِنَّ لِلْمَرْءِ مَا اكْتَسَبَ، وَهُوَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَعَ مَنْ أَحَبَّ.

''لوگوں کے درمیان ایسے بنیں، جیسے پرندوں میں (شہید کی) مکھی ہوتی ہے، ہر پرندہ اسے کمزور سمجھتا ہے، حالانکہ اگر پرندے یہ جان لیں کہ اس (مکھی) کے پیٹ میں کتنی برکت ہے، تو وہ ایسا برتاؤ کبھی نہ کریں۔ لوگوں سے اپنی زبانوں اور جسموں کے ساتھ میل جول رکھیں، لیکن اپنے اعمال اور دلوں کے اعتبار سے ان سے الگ رہیں، کیونکہ انسان کو وہی ملے گا، جو اس نے کمایا اور قیامت کے دن وہ اسی کے ساتھ ہوگا، جس سے وہ محبت کرتا تھا۔''

(سنن الدّارمي : 320، الزّهد للبيهقي : 189، وسندهٗ حسنٌ)

یہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زریں اقوال میں سے ہے، اس میں اہل علم کی تشجیع کی گئی ہے کہ وہ مبارک لوگ ہیں، علم نبوت کے وارث ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہیں۔ اسلاف اُمت کے علم و عمل کے امین ہیں۔ وہ خاص حیثیت کے لوگ ہیں، لہٰذا ان پر بھاری ذمہ داریاں ہیں۔

اس قول میں کئی عبر پنہاں ہیں، اہل علم شہد کی مکھی کی مانند سراپا برکت ہوتے ہیں، مگر ان کی برکت سے کم لوگ ہی واقف ہوتے ہیں، شاید یہی وجہ ہے کہ اہل علم کی قدر دانی نہیں ہوتی، حالانکہ انسانوں کی صلاح و فلاح اہل علم کی مرہون منت ہے۔

علما کو چاہیے کہ علم میں رسوخ پیدا کریں، عمل سے مزین ہوں اور اپنے آپ کو پیکر اخلاص بنائیں۔ ذکر الٰہی کو لازم کریں، تاکہ دعوتی میدان میں ہر دَم ان کی نصرت ہو۔ صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ائمہ اہل سنت کے علم و عمل کے ذریعہ وحی الٰہی تک دسترس ممکن بنائیں۔

اہل حدیث عوام کو چاہیے کہ اپنے علما کے دست و بازو بنیں، ان کے علم کے قدر دان بنیں، راہ حق میں ان کی نصرت کریں، اہل علم کی راہنمائی میں زندگیاں گزاریں اور اپنی بساط اور استطاعت کے مطابق دعوت کا کام تیز کریں اور دعوت کا آغاز اپنے گھر سے کریں۔ عقیدے کو بنیاد بنائیں، اہل بدعت اور اہل الحاد سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں، اپنی اولاد کو علم نبوت سے بہرمند کریں، جس کا واحد راستہ علمائے حق سے وابستگی ہے۔